188840

UNIVERSAL LIBRARY
OU_188840
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 922.13 ۹۲۲۶۱۳ Accession No. ۱۰۷۱۷

Author عبدالرحمن ۔ ف فضل اللہ 10616

Title تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن عوف

This book should be returned on or before the date last marked below.

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

Checked 1975

تذکرہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

از

جناب مولوی فضل اللہ صاحب

ناشر

صدر انجمن اسلامیہ حیدرآباد دکن

٩٢٢٧١٣
عبدالرحمٰن عوف

مطبوعہ مطبع عہد آفرین حیدرآباد دکن

Checked 1975

کتب خانہ
کلیہ جامعہ عثمانیہ

فہرست تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

صفحہ	مضمون
گذارش	سوانح کی غرض وغایت۔ اور اس کیلئے بڑی شخصیت کی جستجو
"	معذرت۔
۱	(دیباچہ) اسلام کے صداقت کی ایک دلیل
۵	آپ کے چند مناقب جواری کی تعریف
۶	(اس تذکرہ کا مقصد)۔
۹	نام، کنیت، نسب،
۱۰	آپکی والدہ اور انکا حال (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ایک واقعہ) ولادت
"	حلیہ، اسکی تحقیق کہ پیر کا زخم کب لگا تھا۔
۱۳	لباس و پوشاک۔
"	قبل اسلام آپ کی وجاہت و پیشہ۔
۱۷	اسلام میں آپ کا درجہ۔
۱۸	ان صحابہ کے اسمائے گرامی جو دار ارقم میں داخلہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔
۲۰	مکہ میں آپ کا مکان۔
۲۱	ہجرت، مدینہ میں آپ کے میزبان۔
۲۲	مواخات کیضرورت اور کئی بار مواخات ہوئی۔
۲۵	مدینہ منورہ میں آپ کا مکان۔
۲۶	آپکی بیویاں اور آپکی اولاد (اسلامی مورخین کی حالت)۔
۲۷	آپکے تیسرے نکاح کی تاریخ اسلام میں امتیازی حالت۔

صفحہ	مضمون
۳۰	اسلام میں نکاح کی وقعت اور طلاق کیوں جائز ہے؟
"	طلاق کا اختیار مردوں سے کیوں مخصوص کیا گیا۔
۳۱	بیمار کی طلاق غیر معتبر ہونے کی مصلحت۔
"	وہ رقم جو صرف بیویوں کے حصہ میں آئی تھی، آپ کا ایک نکاح اور اس کا دلچسپ واقعہ۔
۳۲	ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط کا حال۔
۳۴	ابراہیم کا حال۔ محمد کی ماں کون تھیں
"	حمید کا حال۔
۳۹	مرض الموت، اور آپ کی وفات۔
۴۱	آپ کا کفن اور اس کے متعلق دلچسپ روایت۔
"	نماز جنازہ، دفن۔
۴۲	عمر شریف۔
۴۳	وصیت، آپ کی وفات پر صحابہ کا رنج۔
"	آپ کے رشتہ دار۔
۴۵	(دوسرا حصہ) اتقاء و پرہیزگاری، اسباب معاش
۴۶	کا اختیار و سلف صالح کا طرز عمل۔
۴۷	خشیت الٰہی (آپ کے فضائل)
۴۸	رقت قلب۔
۴۹	یاد مرگ، حیا۔
۵۰	مساوات، حج۔
۵۱	امارت حج، آپ کی فقاہت۔
۵۲	ذوق سخن، شاعری۔
۵۴	ضرار بن الخطاب، ضرار بن الازور کا حال
۵۵	غزوات میں شرکت و جنگی مشاغل، غزوہ بدر
۵۶	اور اس کے متعلق آپ کی خصوصیات، غزوہ بدر کا مقصد
۵۷	غزوہ احد۔
۵۸	غزوہ دومۃ الجندل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مبارک، مفتوح قوم کی عورتوں کو نکاح میں لانے کی مصلحت۔
۶۰	صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر۔
۶۱	غزوہ تبوک اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک مخصوص فضیلت، جنگ قادسیہ۔
۶۳	واقعات گشت و نگرانی خلق۔

صفحہ	مضمون
۶۵	اطمینان وسکون کا ایک منظر۔
"	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے خطابات واعزاز (امین کے معنی)
۶۷	اپنے باپ کے ہمراہ سفر تجارت کا واقعہ۔
۶۸	انکسار نفس و تواضع۔
۶۹	آپ کی ہمت۔
۷۰	ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔
۷۳	آپکی زندگی کی نمایاں خصوصیت، احتیاط۔
۷۵	روایت حدیث میں احتیاط۔
۷۶	خدمت امہات المومنین۔
۷۷	آپ کے احباب حضرت ابوبکرؓ
"	حضرت عمرؓ کی خلافت کا آپ سے مشورہ اور آپکا جواب
۷۹	حضرت عمرؓ سے بے تکلفی۔
۸۱	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں آپ کی وقعت۔
۸۲	اپنے ہمچشموں میں عزت۔
۸۳	خلافت اول کے وقت آپ کا خطبہ۔
۸۸	حضرت عثمانؓ کی وصیت اور آپ کی

صفحہ	مضمون
۸۸	ناراضگی کی تحقیق۔
۹۰	حضرت عمر کی آپ کی خلافت کے متعلق رائے
۹۱	صحابہ کا آپ سے خلافت کیلئے اصرار۔
۹۴	حضرت عثمانؓ کے رنج کی نوعیت۔
۹۶	دوستانہ تعلقات۔
۹۹	حضرت عثمان سے آپ کے تعلقات اور اس کا اثر
۱۰۱	امتداد زمانہ کا واقعات کے انقلاب پر اثر اور اس کی مثال۔
۱۰۲	حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات۔
"	ایک روایت اور اس کے معنیٰ۔
۱۰۶	آزادی رائے۔
۱۰۷	عقل معاش، آپکی فراست کا نمونہ،
۱۰۹	حضرت عثمان کی خلافت اور آپ کی غیر معمولی فراست پر ایک نظر۔
۱۱۰	دوسرا واقعہ، عالی ہمتی کی ایک نظیر۔
۱۱۲	آمدنی کے ذرائع، وظیفہ، تجارت۔
۱۱۳	اصول تجارت اور اس پر ایک نظر۔
۱۱۷	تجارت کیوں شریف پیشہ ہے؟

صفحہ	مضمون
۱۱۷	تجارت کا اصلی منشاء۔
"	مال و دولت۔
۱۱۹	آپ کی سخاوت۔
۱۲۲	محنت و جفاکشی۔
۱۲۳	آپ کے مشاغل کا اجمالی خاکہ۔
۱۲۵	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شکایت پیدا ہونے کے اسباب۔
۱۲۶	خلافت ثالث کے متعلق آپ کی سعی۔
۱۲۹	شوریٰ کا واقعہ۔
۱۳۰	کسی واقعہ کے معلوم کرنے کا بہترین طریقہ۔
"	مسلمانوں کا ایک خاص امتیاز۔
۱۳۱	اسلام میں قیامت تک باقی رہنے کی صلاحیت۔
"	محدثین کا ذکر خیر۔
۱۳۲	امام بخاری کا اپنے طبقہ میں امتیاز۔
۱۳۳	اس روایت کے مقابلہ میں کوئی اور

صفحہ	مضمون
۱۳۳	روایت کیوں قابل اعتبار نہیں ہوسکتی۔
۱۳۴	شوریٰ کے واقعہ میں آپؓ کا فریضہ اور اس کی وجہ۔
"	استخلاف کے متعلق آپ کا ذاتی خیال اور اس کے تغیر کے وجوہ۔
۱۳۶	موافق اور مخالف سب کو اس کا اقرار ہے کہ حضرت عثمان کے علاوہ اور کسی کے لوگ خواہشمند نہ تھے۔
۱۳۷	حضرت عبدالرحمنؓ پر حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کا وثوق و اعتبار۔
۱۳۸	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وثوق کی بڑی دلیل۔
۱۳۹	اعلیٰ طبقہ کے لوگوں سے کن موقعوں پر غلطی نہیں ہوسکتی۔
"	سعی استخلاف کا منشاء اگر مذہبی جذبہ نہ تھا تو پھر اور کیا وجوہ ہوسکتے ہیں۔
۱۴۰	آپ کے اخلاص کی بڑی دلیل۔
۱۴۱	آپ کے اخلاص کی دوسری دلیل۔

صفحہ	مضمون
۱۴۳	آپ کے ایثار کا اسلامی مورخین کو اقرار
"	حضرت سعد ابن ابی وقاص کی شخصیت
۱۴۴	چھٹا مقدمہ (آپکی سعی بالکل غیر جانبدار تھی)
۱۴۷	مجلس شوریٰ کے ارکان۔
۱۴۸	شوریٰ کی روایت جو امام مالک اور امام بخاری نے کی۔
۱۵۰	خلاصہ واقعہ اور اسکی بعض تشریحیں۔
۱۵۲	سیرت شیخین کی شرط کے بڑھانیکے وجوہ۔
۱۵۳	کیا شرائط بیعت حضرت علی پر پیش کئے گئے۔
۱۵۴	اس واقعہ کی اہمیت۔
۱۵۶	متفرق واقعات۔

ضمیمہ کتاب ہذا یعنی مسند عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

صفحہ	مضمون
۱۶۰	تمہید مسند۔ مسند کی تقسیم ایک مقدمہ تین حصہ اور خاتمہ پر۔
۱۶۵	عبادت و علم کا تفاوت۔
۱۶۶	پابندی و استقامت۔
۱۶۸	نبوت کی اصلی غرض۔ اُن حدیثوں کا صحیح مطلب جن میں مدار نجات صرف توحید کو قرار دیا ہے۔
۱۷۴	(پہلا حصہ) احکام کی حدیثوں میں۔
〃	غسل کی حدیث۔ اِس حدیث سے بے تکلفی کا سبق بلا دریافت مسئلہ تبلانا۔
۱۷۷	غسل کی دوسری حدیث مشایخوں کی یہ تعلیم کہ ہر جزئی بات کو پیر پر پیش کریں
۱۷۸	اس کی اصل۔
〃	صف اول پر نزول رحمت کی حدیث۔
〃	نمازیوں کی حاضری خیال کرنیکی حدیث۔
۱۷۹	ایذا دیکر پہلی صف میں جگہ لینا۔
۱۷۹	کسکا عذر پذیرا کرنا چاہیئے۔
۱۸۰	عورت کے اہم فرائض اور بشارت کُبریٰ۔
۱۸۲	عورتونکی اصلاح کی تدبیر۔
۱۸۳	ضروری باتیں جب پوری کردیجائیں تو اور باتوں سے چشم پوشی کیجائے۔
۱۸۴	تراویح کی حدیث۔ تراویح کو رمضان شریف سے مناسبت اور بیس رکعت تک فوق الطاقت نہیں ہے۔
〃	تراویح کی سنیت کی وجہ۔
۱۸۵	روزہ کے معنی۔ روزہ صفت ربانی ہے
۱۸۶	روزہ ہمکو کیوں گناہ سے پاک کرتا ہے۔
〃	روزہ کی جزا میں خصوصیت کے اظہار کی وجہ شریعت اپنے رکھے ہوئے نظم کی پابندی کرانا چاہتی ہے دوسرے طریق مغلوب نیکو شریعت اچھا نہیں سمجھتی۔

صفحہ	مضمون
۱۸۸	اہل سنت والجماعت کے بڑے امام نے چھ تکبیریں عیدین میں کیوں اختیار کیں
〃	نماز تہجد کا بدل سنت کی نماز کی حدیث
۱۸۹	دعا کس وقت زیادہ قبول ہوتی ہے۔
〃	لونڈی غلام آزاد کرنیکی فضیلت۔
۱۹۰	نماز میں شک ہو جائے تو اسکا قانون
۱۹۱	سجدۂ شکر۔
۱۹۲	کیا ظہر و عصر اور مغرب و عشا کا وقت مشترک ہے۔
۱۹۳	سفر میں روزہ کی حدیث شریعت تکلیف ما لا یطاق کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی
〃	حجر اسود کو بوسہ دینے کی حدیث۔
۱۹۴	سفر حج کا واقعہ اور باہمی اختلاف سے اجتناب۔
۱۹۵	محرم جو ہرن کا شکار کرے۔
〃	مدینہ شریف کی تحدید۔
〃	وراثت انبیا کی حدیث، انبیا علیہم السلام کے وارث آل نبی صلعم کا امتیاز ان کیلئے

صفحہ	مضمون
۱۹۸	ضروری یادداشت زکوٰۃ کے حرمت کی وجہ۔ سچے اور جھوٹے نبی کی پہچان۔
〃	جزیہ سلب کی حدیث۔
〃	چور پر حد کے بعد تاوان نہیں ہے۔
۱۹۹	اُچکّے کے ہاتھ کیوں نہ کاٹے جائیں،
۲۰۰	طاعون جہاں ہو وہاں نہ جانیکی شرعی اور طبّی وجہ۔
۲۰۱	جہاں طاعون ہو وہاں سے نہ بھاگنے کی شرعی و معاشرتی وجہ۔
۲۰۲	مریض پر کھانے پینے کے بارے میں اصرار نہ کرنیکی حدیث۔
〃	علماء کی مداہنت کا عذاب۔
〃	وعظ ہر انسان کا فرض ہے۔
۲۰۳	وعظ کا منصب عالی۔
〃	وعظ و نصیحت چھوڑ دینے کی برائی۔
۲۰۵	(دوسرا حصہ) اخلاق کی حدیثوں میں
۲۰۶	اخلاق کی تعریف۔ دراصل اخلاق انسانی صفات میں اعتدال و توسط اختیار کرنیکا نام ہے عقل، جذبہ، غصہ، کا مصرف۔

صفحہ	مضمون
۲۰۸	حکومت کا شوق کیوں ہوتا ہے حکمت کے معنی دہریت و ہشیاری کا جنسی اتحاد
"	عفت و بدکاری کے حدود۔
"	بے حسی و دناءت کی حد۔
"	شجاعت کی تعریف۔ عدل۔
۲۱۰	صلہ رحمی کی عظمت۔
۲۱۱	صدقہ سے کیونکر مال بڑھتا ہے۔
۲۱۲	مال کے جمع کرنے کی فطرتی خواہش
۲۱۳	انسان میں مال جمع رکھنے کی خواہش کیوں ہے زکوٰۃ و صدقات در اصل ہمارے فطرتی جذبات کو ابھارنے کے لئے موضوع ہوئے ہیں۔
۲۱۴	ان کا پہلا فائدہ خود مالدار کو پہنچتا ہے اور فقراء کو ثانی۔
۲۱۵	زکوٰۃ کیطرح صدقات کی تحدید شریعت نے کیوں نہ کی۔
۲۱۶	معافی، رفع منزلت کا سبب ہوتا ہے۔
۲۱۷	سوال انسانی عزت و غیرت کے خلاف ہے
۲۱۷	شریعت نے تاکید سے پہلے بار سوال کرنے سے منع کیا اور سختی سے ڈرایا کہ جس نے پہلے بار سوال کیا وہ ہمیشہ محتاج رہیگا۔
"	سوال ہم کو کیوں محتاج بناتا ہے (پہلی وجہ)
۲۱۸	دوسری وجہ (انا عند ظن عبدی بی)
۲۱۹	استغناء و قناعت۔
۲۲۰	ہجرت کی دونوں قسمیں۔
۲۲۱	عیادت مریض اور اس کی اہمیت۔
۲۲۲	(تیسرا حصہ) متفرق حدیثوں میں۔
"	عامل (گورنر) کی فضیلت۔
"	زمانۂ رسالت کا عام واقعہ۔
"	عمامہ سے سرفرازی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی۔
۲۲۳	عشرۂ مبشرہ۔
"	قریش انصار جہینہ مزینہ قبائل کے فضائل
"	عامر بن فہیرہ کی فضیلت (انکے حالات)
۲۲۵	سند کے بعد قابلیت قابل لحاظ نہیں ہوا کرتی

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۲۶	ہر شخص کو اپنے نیک ہونیکا معیار	۲۳۲	قل ہو اللہ قرآن کی ایک تہائی ہے
۲۲۷	مہمانوں کی مہمانی۔ مسکینوں کو کھانا کھلانا	"	سورۂ اخلاص و سورۂ ملک کی فضیلت۔
	سائل کو دینا۔ ان سب سے مقدم عیال	"	سورۂ انشقاق میں سجدہ ہے۔
	کی نگہداشت ہے۔	"	(خاتمہ) میں چند ناتمام واقعات کی تشریح
۲۲۸	بال بچے اور متعلقین ملازمین کی نگہداشت	۲۳۳	روایت کے بیان کرنے میں احتیاط
	کے بغیر مال پاک نہیں ہو سکتا۔	۲۳۴	منافقین کے واپس ہونیکی روایت
"	حضرت ابوہریرہ کی روایت کا محمل	"	احد کی روایت
"	بال بچوں کی خدمت کیوں مقدم رکھی گئی	۲۳۵	بدر کی روایت۔ تبوک کی روایت
۲۲۹	شریعت نے بدعت سے کیوں روکا۔	۲۳۷	حلف مطیبین کی روایت۔ اس پر اعتراض
	مسلمانوں کی پستی کی وجہ۔		اور اس کا جواب۔
۲۳۰	سات حرفوں پر نزول قرآن کا مطلب	۲۳۸	محاصرۂ طائف کی روایت۔
۲۳۱	اختلاف قراءۃ کی ایک روایت۔	۲۴۰	مولف کی معذرت و حسن خاتمہ۔ آخری التماس۔

صفحہ ۱۹) پر جزیہ کی حدیث ۲۵ تمہید میں گنی جا چکی ہے ناظرین اس کے بدلے حدیث ذیل کو پڑھیں۔

(۲۵) یا ابن عوف الا اعلمک کلمات تقولھن حین تدخل المسجد و حین تخرج انہ لیس عبد الا و معہ شیطان فاذا وقف علی باب المسجد فقال حین یدخل السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ اللھم افتح لی ابواب رحمتک مرۃ و تقول اللھم اعنّی علی حسن عبادتک و علی طاعتک ثلثا و حین یخرج یقول السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ اللھم اعصمنی من الشیطان الرجیم و من شرہ ما خلقت و احدۃ الا اعلمک کلمات تقولھن اذا دخلت بیتک ثم تسلم علی نفسک و اھلک ثم تسمی علی ما اتاک من رزقک و تحمدہ حین تفرغ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۱۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارش

انسانی اخلاق کی اصلاح و تکمیل انسان کی عملی زندگی کا بہترین کارنامہ ہے۔ اور اسکے لئے اس سے زیادہ صحیح اور مؤثر طریقہ نہیں ہوسکتا کہ پیکر اخلاق خود سامنے ہو اور اسکی عملی زندگی کا آئینہ ہمارے پیش نظر مگر اپنی وضع کے پابند گردون گرداں کے ہاتھوں ایسی پاک ہستیوں کا ہمیشہ رہنا محال ہے۔ اسلئے ہم ان کے بعد انکی تصویر سے اپنے مقاصد کے کامیاب ہونیکی سعی میں معذور ہیں۔

یہی ایک نکتہ ہے جسکا ادراک ہمیشہ متمدن اقوام نے کیا اور اپنے بزرگوں کے کارنامے اپنی وسعت کے حد تک محفوظ رکھے۔

یہ سچ ہے کہ ایک معمولی انسان کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری میں ہمارے دلیل راہ ہوسکتے ہیں۔ انکی زندگی میں جد وجہد، ہمت و غیرت، صدق و وفا غرضکہ ان تمام صفات کی جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں جو دنیا کی اور بڑی بڑی ہستیوں کے عرصۂ حیات میں ہم پاتے ہیں۔

مگر اس فطرتی امر کو کیا کیا جائے کہ ہم ایک قسم کے حالات پڑھتے ہیں لیکن انکے متعلق جب یہ بتا دیا جاتا ہے کہ یہ امور ایک باعظمت ہستی سے تعلق رکھتے ہیں تو

ان باتوں کی ہمارے دلوں میں ایک وقعت قائم ہوجاتی ہے ۔ اور قلب پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہونیکا ایک مخصوص جذبہ ۔ اور اگر اس نسبت کو دور کر دیا جائے یا صرف بدل ہی دیا جائے تو انکا مطالعہ بھی طبیعت پر بار گراں ہوتا ہے ۔

سوانح و تذکرہ کا مقصد اصلی یہی اور صرف یہی ہے کہ گذشتہ دور کے انسانوں کے بہترین اخلاق کا موجودہ زمانہ کے انسانوں کو سبق دیا جائے اور ان کے صفات حمیدہ سے یہ متاثر ہوں تو اب مجکو اپنی تحریر کے لئے ایک پر عظمت ہستی کا انتخاب ناگزیر امر تھا ۔ اگر میں یہ عرض کروں کہ میری تالیف ایک انسانی تالیف ہونیکی وجہ سے غلطیوں سے پاک نہیں ہے تو آپ اسکو رسم کی پابندی سمجھکر بدعت کہیں گے مگر میں رسمی بدعت کے طریق پر نہیں بلکہ ایک واقعی امر کے طور پر یقین دلانیکی کوشش کرتا ہوں کہ میرا یہ سچا دلی اعتراف ہے کہ اس ظلوم جہول ہستی کے کمزور ہاتھوں جو کام بھی انجام پائے اسکا غلطی سے مبرا خیال کرنا اپنی ہستی سے آنکھیں بند کر لینا ہے ۔

یہ ناچیز اس تحریر پر ناز نہیں کرتا بلکہ یہ عرض بصد نیاز کرتا ہے کہ مجھکو میری غلطیوں پر متنبہ فرماویں ۔

ز تحریرم غرض عرض ہنر نیست دماغم را ازیں بو ہا خبر نیست

ناچیز

سید فضل ابن احمد عفا اللہ عنہما

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصلیاً
حامداً و

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مذہب کی صداقت کی جو دلیلیں ہیں انہیں یہ دلیل یقیناً ایک ممتاز مرتبہ رکھتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی آپ کی اِک اِک ادا آپ کے نشست و برخاست کا اِک اِک پہلو آج تمام عالم کے سامنے ہے، اور وہ بھی ایسے مضبوط و مستحکم ذرائع و وسائل سے کہ انسانی ادراک ان سے زیادہ مضبوط اور مستحکم واسطوں کے خیال سے قاصر ہے۔

اس سے زیادہ ایک منصف غیر مسلم کو حیرت میں ڈالنے والی بات ہے کہ آپکے ہزاروں شاگرد اور آپ کے لاکھوں تربیت یافتہ کے سوانح و واقعات صفحات دہر پر اس طور سے کندہ ابتک موجود ہیں کہ ان نقوش کو حوادثات زمانہ مٹانا تو درکنار گھس بھی نہ سکے۔[1]

---

[1] ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ لکھتے ہیں کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری اور

یہ تو نہایت آسان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات کے واقعات آج ہر ملت و مذہب کا شخص اگر معلوم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے مگر وہ آپ کی تربیت کے مبارک آثار اور آپ کی تعلیم کے مقدس نمونوں کو دیکھنا چاہے تو وہ آئے ہم صرف اسلامی روایات میں اس کا نہایت وافر ذخیرہ موجود دکھلائینگے اور انشاء اللہ العزیز وہ یہ بھی دیکھ لیگا کہ ہمارے دشمنوں کو بھی ہماری اخلاقی و روحانی قوت سے دبکر ہمارے بہتر و عمدہ اخلاق کا اقرار کرنا پڑا ہے وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ۔

کیا اس سے اعلیٰ درجہ کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ ہمارے اور ہمارے پیارے بلکہ خدا کے پیارے مذہب کے دشمن نہ صرف ہمارے اخلاق کے بہتر ہونے کے مقر ہیں بلکہ ان کی بے روح زبانیں ہمارے مذہبی جوش و ولولہ کیسا تھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)۔ نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال (بیوگرافی) کے ایسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جسکی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف یورپ کے مایۂ افتخار عربی فاضل ہیں عرصہ تک ایشیاٹک سوسائٹی میں کام کرتے رہے ہندوستان کے بعض او مشہور کتب خانوں کا دلچسپی سے گہرا مطالعہ کیا اصابہ کو اپنی بتصحیح اور اہتمام سے طبع کرایا۔ علامہ ابن حجر کی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات میں بے نظیر تصنیف ہے۔ یہ انکے علمی ذوق کی بڑی دیرپا دلیل ہے اس کے دیباچہ میں یہ تحریر ہے اس رسالہ کی تالیف کے وقت ڈاکٹر صاحب موصوف ہی کا تصحیح کردہ نسخہ میرے پیشِ نظر ہے ۱۲ منہ

بہترین سیاست اور تمام اقوام عالم کے ساتھ رواداری وعدالت کا اقرار کرتی ہیں، اور پھر کیسی رواداری وعدالت جو اسی مذہب کے شیدا ہونے کی، اور کرتے ہیں اور ان کے علاوہ تمام عالم سے غیر ممکن ہے۔

ان صحابہؓ کے حالات زندگی کا ملنا جنھوں نے اپنی عمر کا معتد بہ حصہ قومی زندگی میں بر سر منبر گذارا ہو نہایت ہی آسان ہے خصوصاً ان واقعات کا جو سراسر قومی ہی قومی ہوں، ان کے علاوہ اور صحابہؓ کے حالات زندگی نہایت تلاش و تجسس کے بعد بھی اتنے نہیں ملتے جس سے تشنہ کاموں کی پیاس بجھ سکے۔

اسلام کو یہ خصوصیت و امتیاز حاصل ہے کہ اس کا کوئی فرد بشر بھی مذہبی زندگی رکھکر ایک لمحہ کے لئے قومی زندگی سے علیحدہ نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ وہ مذہبی زندگی سے دست برداری دے یا غلط طور پر مذہبی زندگی گذارنی شروع کرے۔

اس کلیہ کی بناء پر یقیناً کسی صحابی کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ انھوں نے اسلامی زندگی نہیں گذاری اسلام کے جان نثاروں پر نہایت سخت دھبّہ ہے کیونکہ اس کا مان لینا در پردہ اس کا اقرار ہے کہ انھوں نے غلط طور پر مذہبی زندگی گذاری تھی،

ہاں یہ ضرور ہے کہ اہل سیر و تاریخ اکثر اوقات ایسے فرائض و اعمال کی تفصیل سے عمداً کنارہ کشی کرتے ہیں جو انکے وظائف حیات اور جزء اعمال تھے اور وہ امور ان کے لئے لازم زندگی بنگئے تھے۔

میں جس مقدس ہستی کی آج سوانح پیش کر رہا ہوں ان کی

پوری زندگی اگرچہ مذہبی اور قومی تھی اور اپنی اسلامی حیات کا تمام حصہ قوم وملت کی خدمت میں گذارا تھا مگر اندازِ طبیعت ایسا خاموش واقع ہوا تھا اور ایسے سکون ووقار سے مفوضہ خدمت انجام دیتے تھے کہ باوجود جامع فضائل ہونے کے آپکے حالات کا نہایت باخبر و باریک بین حضرات کو بھی خال خال علم ہوا۔

آپ فطرتاً کچھ ایسے خاموش صفت واقع ہوئے تھے کہ خود تو کبھی ایسا کام نکرتے جس سے برسر منبر آجائیں بلکہ اپنے لئے جو خدمات تجویز کراتے انکا علم بھی بہت کم لوگوں کو ہوسکتا۔ آنیوالے واقعات میں کثرت سے اسکی نظیریں آپ کو ملینگی۔

ناظرین! اگر آپ غور سے بعد کے واقعات پڑھینگے تو آپ ان ہی مختصر واقعات سے اندازہ کرسکینگے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو کس درجہ کی فراست و دانائی سے نوازا تھا اور آپ اپنے معاصرین میں تدبر وفہم کے لحاظ سے کیا حیثیت رکھتے تھے۔ تو کیا اِن اُمور سے واقف ہونے کے بعد بھی اس شک کا موقعہ ہوگا کہ آپ میں اس کی قابلیت نہ تھی اور پردہ پوشی کی غرض سے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔

میں اس مضمون میں نہایت افسوس کے ساتھ اس امر کے اظہار پر مجبور ہوں کہ کچھ تو مذکورۂ بالا وجہ سے اور زیادہ اپنی بے بضاعتی کے سبب سے پورے تفصیلی حالات نہ پیش کرسکا اور رنج آمیز ندامت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ ایک سیرت نویس کو جس مقدار وتعداد میں صفحات گردانی کرنی چاہیے اسمیں بہت زیادہ کمی ہے۔

سخت ناسپاسی اور ناشکری ہو گی اگر میں اس حقیقت کا اعتراف نہ کروں کہ یہ عنبر بیز جواہر ریزے مجھے اگلے علماء کی خرمن علم سے ہاتھ آئے ہیں میں نے اس کتاب میں صرف ترتیب و تنظیم کی خدمت انجام دی ہے' اب دعاؤں کے قبول کرنیوالے سے دعا ہے کہ اس کو قبول فرمائے آمین۔

مضمون کی ابتداء میں اس امر کا ظاہر کر دینا غیر مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کے حالات کو موضوع تحریر بنانے کی کیا خاص غایت ہے ۔

یوں تو صرف آپ کا شرف صحابیت سے سرفراز ہونا اس بات کے لئے کافی سے زیادہ وجہ بن سکتی ہے کہ آپ کے حالات زندگی عالم کے سامنے پیش کئے جائیں چہ جائیکہ حواری[1] سید الانبیا ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہو عشرہ[2] مبشرہ کی فہرست میں بھی آپ داخل ہوں السابقون الاولون میں بھی

---

[1] حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حوارین قریشی تھے ان میں حضرت عبدالرحمنؓ بھی تھے ۔ مجدد امت رسول اللہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حواری وہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پرتو اتنا پڑا ہو کہ اس نے اس کی قوت عملیہ کو اس درجہ بڑھا دیا ہو کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں وہ بے اختیار ہو اور یہ حالت اسپر طاری ہو

من نہ باختیار خود میروم از قفائے او ؛ آں دو کمند عنبریں میبردم کشاں کشاں

(ازالۃ الخفا مقصد ثانی صہ ۳) علامہ ابن عبد البر صاحب استیعاب جو نہایت پایہ کے بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ حوارین صحابہ کی اس مخصوص جماعت کا نام ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و خلافت کی پوری طور پر صلاحیت تھی اور وہ اس قابل تھے کہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ۱۲ منہ [2] (مستدرک حاکم ج ۳ ! ۱۲ منہ

آپکا شمار ہو ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقربین بارگاہ کے حالات کا جاننا ہر مسلمان کے اہم ترین فرائض میں داخل ہے ۔ اگر ہماری سمجھ میں اس درجہ قصور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مقدس تربیت یافتہ گروہ کے حالات سے ہم مسائل کا استنباط نہیں کر سکتے یا ان کے حالات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کا کام نہیں دے سکتے تو صرف ان بزرگان ملت کے واقعات کا یاد رکھنا اور پڑھ جانا ہی باعث ثواب ہے ۔

مگر میں اس وقت اپنے ناظرین کی توجہ مخصوص طور پر آپکی اقتصادی حالت پر مبذول کرانا چاہتا ہوں اور اس سے صرف اس امر کا درس مقصود ہے کہ ہمارے زمانہ کے مسلمان ملاحظہ فرماویں کہ اس مرفہ الحالی و تمول[1] کی زندگی میں بھی انسان کو اس خدائے بے نیاز کی درگاہ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے جو حضرت زبیر یا حضرت عبدالرحمن یا حضرت ثابت بن قیس (رضوان اللہ علیہم) کو حاصل تھا ۔

کیا مال و تنعم اس ذوالجلال کی حضرت تک رسائی کے مانع ہوتے ہیں کیا آج کوئی بڑے سے بڑا زاہد بڑے سے بڑا ولی اللہ ان کے خدام کی برابری

[1] ابن حبان اور ابو یعلی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاکر فرماتے ہیں کہ بعض لوگ دنیا میں عمدہ عمدہ بچھونوں پر اللہ کی یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں بڑی بڑی جنتوں میں داخل کریگا (نقلاً عن الحصن الحصین) ۱۲ منہ

جرأت کر سکتا ہے۔

میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ مال و تنعم کسی وقت میں بھی خدا سے اور اسکے احکام کی پیروی سے باز نہیں رکھتے ورنہ یہ غلط ہو جائے گا انّ عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین[1] (اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے) اور کیا فرعون اور سلاطین زمن کی گمراہی و فساد کا باعث مال کے سوا اور کوئی چیز ہے میری غرض یہ ہے کہ محض دولت و تموّل ہرگز اس کا سبب نہیں بنتی یہ امر دیگر ہے کہ ہمارا غلط استعمال اور راستی سے ہٹا ہوا طریقہ کار ہم کو جہنم کے کنارے آلگا دے۔ میں اپنا خیال نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ (علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ) کا منشا صاف طور سے ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مال و دولت میں اگر اتنا خراب مادہ موجود ہے کہ جس کے پاس آتا ہے اس کو خدا کا گنہگار بندہ بنا دیتا ہے تو افلاس میں اس سے زیادہ متعفن مادہ موجود ہے جسکی وجہ سے انسان ابد الآباد کے لئے نجات سے محروم ہو جاتا ہے، نہایت سچ فرمایا ہے اصدق الصادقین صلی اللہ علیہ وسلم نے کاد الفقر ان یکون کفراً[2] (افلاس و تہیدستی کفر کا نہایت قریبی سبب ہے) اسی حدیث کے مضمون کو الفقر سوادُ الوجہِ فی الدارین سے ادا کیا گیا ہے یعنی حاجت و تنگدستی دونوں جہاں میں روسیاہی کا باعث ہے۔

---

[1] یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے صاحب مشکوٰۃ اس کو کتاب الرقاق باب فضل الفقراء میں لائے ہیں ۱۲ منہ

[2] ابو تراب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس روایت کے راوی ہیں ۱۲ منہ

میں اس وقت اس دقیق علمی مبحث کے طے کرنے سے اس لئے پہلو تہی کرتا ہوں کہ اپنے مقصود سے بہت دُور ہوجاؤنگا۔ میں اپنے مضمون کو اس التماس سے شروع کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو ان ہستیوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے جن کے متعلق خدا کا فرمان ہے لتکونوا شہداء علی النّاس (تاکہ تم اے صحابہ کی جماعت لوگوں کے لئے نمونہ بنجاؤ) اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم ان کو تمام دینی دنیاوی باتوں میں اسوہ بناؤ (وہ لوگ جن کو براہِ راست میری تربیت سے سرفراز ہونے کا موقعہ ملا ہے) ستارے (مشعل ہدایت) ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرلوگے تو ہدایت کے راستہ سے نہ بھٹکوگے هذا اوان البدایة ومنه الهدایة والیه النهایة۔

ناچیز

سید فضل ابن احمد عفا عنہما الاحد

۱۳ رمضان المبارک یوم شنبہ ۱۳۴۲ھ
۱۰ اپریل ۱۹۲۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

نام۔ کنیت جاہلیت یعنی قبل ظہور اسلام آپ کا نام عبد الکعبہ[1] تھا یا عبد عمرو۔ البتہ بخاری شریف[2] اور تاریخ ابن عساکر[3] سے دوسرے نام کی تائید ہوتی ہے[4]۔ مگر اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبد الرحمن رکھا[5]۔ آپکی کنیت ابو محمد ہے[6]۔

نسب یہہ تو آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ آپ بھی قریشی ہیں۔ چنانچہ چھٹے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں اس طور پر عبد الرحمن[1] ابن عوف ابن[2] عبد عوف ابن[3] عبد ابن[4] الحارث ابن[5] زہرہ ابن[6] کلاب۔ کلاب کے فاطمہ بنت سعد کے بطن سے دو لڑکے تھے بڑے لڑکے زہرہ[1] اور دوسرے زید جو قُصّی کے لقب سے مشہور ہیں جنھوں نے

[1] استیعاب، اصابہ، طبقات ابن سعد ۱۲ [2] صفحہ ۳۰۸ باب اذا وکل المسلم حربیا ۱۲ منہ [3] ابن عساکر ج ۲ صفحہ ۲۲۶ [4] علامہ ابن قیم جوزی صفوۃ الصفوۃ میں آپ کا نام عبد الحارث لکھتے ہیں ۱۲ منہ [5] صفوۃ الصفوۃ ومستدرک حاکم جلد سوم ۱۲ [6] عرب میں کنیت شرافت کی علامت ہے (حیوۃ الحیوان ج ۱) ۱۲ منہ

سب سے پہلے بیت اللہ کی چار دیواری بنائی اور مسقف کیا[1]۔

آپ کی والدہ کا نام شفا[2] تھا اور والدہ کا نسب نامہ اس طور پر ہے۔ شفا[1] بنت عوف[2، 3]
بن[3] عبد[3] بن الحارث[4] بن زہرہ[5]۔

آپ کی والدہ کے نسب نامہ میں زہرہ وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے پردادا ہیں اس طور پر حضرت عبد الرحمنؓ والدہ کے سلسلے میں بھی پانچویں پشت میں آپ سے ملتے ہیں۔ حضرت آمنہ اور آپ کے قبیلہ کا ایک ہی نام بنو زہرہ تھا اور اسی وجہ سے آپ کا اور نیز حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہیالی رشتہ داروں میں تھا۔

آپ نے ہجرت بھی کی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت بھی[5]۔ آپکا بیان ہے کہ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت دایہ کی تمام خدمت انجام دی تھی اور سب سے پہلے آپ ہی نے اپنے ہاتھوں پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا تھا[6]۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ڈیڑھ سو برس پیشتر کا واقعہ ہے (صبح الاعشیٰ ج ۴ صفحہ ۲۵ مطبوعہ مصر)۔

[2] تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر نے حضرت عبد الرحمن کے تذکرہ میں آپکی والدہ کا نام صفیہ بتلایا ہے۔ شاید حافظ صاحب کو اس وجہ سے دھوکہ ہوا کہ آپ کی ایک بہن کا نام بھی شفا تھا۔ جنھوں نے اپنی ہمشیرہ عاتکہ والدہ مسور بن مخرمہ کیساتھ ہجرت بھی کی تھی ساتویں جلد میں حضرت شفا کے حالات میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے میری ہی تحریر کی تائید ہوتی ہے ۱۲ منہ [3] عبد عوف آپ کے دادا ہیں اور عوف آپ کے نانا اور یہ دونوں بھائی ہیں اور آپ کے باپ اور نانا یعنی چچا بھتیجے کا نام ایک ہی ہے ۱۲ [4] تہذیب اصابہ ۱۲ [5] اصابہ وغیرہ ۱۲

[6] الریاض المستطابۃ از علامہ یحییٰ بن ابی بکر العامری الیمانی مطبوعہ شاہجہانی بھوپال ۱۲

ترجمان الحدیث حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد الرحمٰن رضؓ سے بیان کیا کہ میں نے اسوقت ہاتف کی آواز سنی تھی اور ایسی روشنی دیکھی تھی کہ اس میں مجھکو دمشق کے محل نظر آئے تھے[1]۔ آپ کے انتقال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبد الرحمٰن رضؓ نے دریافت کیا کہ اپنی ماں کی طرف سے غلام آزاد کر دوں تو آپ نے اجازت دی اور آپ کی بدولت مُردوں کی طرف سے غلام آزاد کرنیکی سنت جاری ہوئی[2]۔

ولادت عام فیل کے دس سال بعد ۵۸۱ئہ میں آپ کی ولادت ہوئی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال چھوٹے تھے اور شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین سال بڑے تھے[3]۔

حلیہ اونچا قد، خوبصورت چہرہ، نرم جلد، رنگ بہت صاف ملاحت لئے ہوئے تھا ناک بلند تھی، گردن بھی بلند تھی، آنکھیں بڑی بڑی، پلکیں بالوں سے بھری ہوئیں لانبی بھرے گوشت کی انگلیاں، پرگوشت ہتھیلیاں، زلف کے بال دراز اور گھنے تھے[4]۔ اُمیۃ بن خلف سے تعلقات قدیم تھے اور ان ہی تعلقات کی بناء پر باہم معاہدہ ہوگیا تھا کہ اُمیۃ مکہ میں آپ کی جان و مال کی حفاظت کریگا اور آپ مدینہ میں اُس کی جان و مال کی

---

[1] مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲ طبع نولکشور یہ روایت سیر کی ہے اور سیر کی روایتوں کے متعلق علامہ ابن حجر کے استاد حافظ زین الدین عراقی جو خود بھی بڑے پایہ کے محدث ہیں اپنی سیرت منظوم کے مقدمہ میں فرماتے ہیں

ولیعلم الطالب ان السیرا — تجمع ما صح وما قد انکرا

طالب کو اُس کا علم ہونا چاہئیے کہ سیر میں ہر قسم کی روائتیں ہوتی ہیں صحیح بھی، اور منکر بھی ۱۲

[2] اصابہ، ابن سعد ۱۲ [3] ابن سعد وغیرہ ۱۲ [4] ابن سعد وغیرہ

محافظ رہینگے بدر کے موقعہ میں ابوجہل کے مجبور کرنے[1] سے جب موقعہ جنگ پر پہونچا تو معاہدہ کی بناء پر حضرت عبد الرحمٰنؓ شب کے وقت جب کہ سب لوگ سو گئے تھے[2] اس کو پہاڑ پر پناہ کی جگہ بتلانے جارہے تھے کہ اتفاق سے حضرت بلالؓ کی نظر پڑ گئی چونکہ حضرت بلالؓ امیہ کے مظالم کے ایک زمانے تک تختۂ مشق رہ چکے تھے اسلئے انھوں نے غل کر دیا چند انصاری اس کے تعاقب میں ہو گئے حضرت عبد الرحمٰنؓ نے اس کے لڑکے علی ابن امیہ[3] کو انصار کے سامنے کر دیا انصار[4] نے جلدی سے اس کا کام تمام کر کے امیہ کا رُخ کیا یہ موٹا تھا اس سے بھاگا نہیں جاتا تھا مجبوراً حضرت عبد الرحمٰنؓ نے اس کو بٹھا دیا اور ہر طرف سے خود اسکو گھیر لیا حضرت عبد الرحمٰنؓ اپنے معاہدہ سے مجبور تھے انصار کو کوئی مجبوری نہ تھی جب کسی طرف سے موقعہ نہ ملا تو حضرت عبد الرحمٰنؓ کے پاؤں کے نیچے سے تلواریں چلائیں۔ جلدی میں غلطی سے حباب بن المنذر کی تلوار حضرت عبد الرحمٰنؓ کے پاؤں میں لگ گئی اس کی وجہ سے قدرے لنگ[5] ہمیشہ باقی رہگیا آپ کے صاحبزادے ابراہیم راوی حدیث کا بیان ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن نے خود زخم کا نشان انکو

---

[1] بخاری شریف صفحہ ۵۶۳ کتاب المغازی باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر ۱۲ [2] کتب تاریخ کا بیان اس سے مختلف ہے مگر ظاہر ہے کہ بخاری کے بیان کو مؤرخین کے بیان پر ترجیح ہوگی ۱۲ [3] فتح الباری ۱۲ [4] علی کو عمار بن یاسر نے قتل کیا تھا اور خود امیہ کے قاتل خبیب بن یساف ہیں معاذ بن عفراء اور خارجہ بن زید بھی شریک تھے مستدرک میں ہے کہ رفاعۃ بن رافع امیہ کے بغل کے نیچے خنجر بھونک کر اسکے قتل میں شریک ہو گئے مقدمہ و فتح الباری کتاب المغازی ۱۲ [5] غزوۂ احد میں نہایت پامردی کے ساتھ آپ جانبازی کرتے رہے اور اکیس[21] زخم آپ کے جسم دوز ہوئے تھے تو ضرور تھا کہ اس پامردی کی یادگار قائم رہے پامردی کی یادگار کیلئے پیر ہی کو زیادہ مناسبت ہے اس لئے پیر کا زخم ساری عمر آپ کی تکلیف کا باعث رہا یہ ابن سعد

دکھایا تھا[1]، خضاب کبھی استعمال نہیں کیا[2]۔

لباس و پوشاک

اکثر آپ کا لباس سادہ ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ اپنے غلاموں میں کوئی ممتاز لباس و انداز نہیں رکھتے تھے[3]۔ لیکن کبھی کبھی نفیس و بیش قیمت کپڑا بھی استعمال فرماتے تھے چنانچہ آپ کی چادر یا حلہ[4] چار پانچ سو درہم کی قیمت کا ہوتا تھا جو زمانہ حال کے سکہ مروجہ کے حساب سے ۱۰۰ سو ۱۲۵ سوا سو روپیہ کا ہوا اس کے ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ اس زمانے کے ۱۰۰ سو ۱۲۵ سوا سو روپیہ کی آجکل کیا قیمت ہے، سیاہ عمامہ اکثر باندھتے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا[5]۔

قبل از اسلام آپ کی کیا وجاہت تھی

آپ اپنی قوم کے زعیم (یعنی سردار) تھے، عرب میں تمام معاملوں میں بڑے معاملے صلح، جنگ، دیت اور اس کے متعلقات تھے ان تمام باتوں کا بار آپ کی قوم کی طرف سے آپ پر تھا[6]۔

اس زمانے میں آپکا کیا پیشہ تھا

حجاز کی سرزمین صنعت و حرفت سے معرا تھی اکثر شرفائے عرب کا یہ دستور تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور بعض دیگر محدثین کی رائے ہے مگر خود حضرت عبدالرحمن کا بیان ایسے واقعات میں زیادہ وقیع خیال کیا جائے گا۔ اس پر مزید یہ کہ امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کریں تعجب ہے ان حضرات سے جنکی صحیح پر نظر ہے مگر اپنے موقعہ پر نفیاً یا اثباتاً کچھ تذکرہ نہیں کرتے ۱۲ منہ [1] بخاری شریف کتاب الوکالۃ ص ۳۰۸ باب اذا وکل المسلم حربیاً ۱۲ منہ [2] ابن سعد ۱۲ [3] صفوۃ الصفوۃ ۱۲ [4] حلہ کم سے کم دو کپڑوں کو کہتے ہیں سادہ تمدن کے زمانہ میں ایک حلہ مکمل جوڑہ سمجھا جاتا تھا (حاشیہ نسائی از سیوطی کتاب الجمعہ ۱۲ منہ [5] ابن سعد [6] استیعاب ۱۲ منہ

ایام سرما یمن کی طرف بغرض تجارت جایا کرتے تھے[۱]۔ اس سفر یا مشغلہ تجارت کے کیا برکات آپ پر فائض ہوئے اور اس مبارک مشغلہ کے طفیل میں کتنے معزز خطابات سے آپ سرفراز کئے گئے اسکی تفصیل تو آپ آگے ملاحظہ کریں گے مگر اس موقعہ پر اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ اسی مبارک پیشے نے آپ کو کفر و جاہلیت کی اندھیری گھاٹیوں سے نکالکر اسلام کے روشن اور جگمگاتے ہوئے شارع عام پر لاکھڑا کیا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

آپکے اسلام میں داخل ہونیکا سبب

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے یمن کا سفر بارہا کیا اور ہمیشہ عسکلان بن عواکن حمیری کے پاس قیام کرتا تھا اور وہ مجھ سے پوچھا کرتا کہ تم میں کوئی شخص پیدا ہوا ہے جس کا چرچا لوگوں میں ہوا، اسکا لوگ تذکرہ کرتے ہوں، کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو تمھارے آبائی دین کی مخالفت کرتا ہو، میں اس کا جواب برابر نفی میں دیتا رہا، جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آپ کا بیان ہے کہ اس سال میں پھر یمن گیا اور اسی کے پاس ٹھیرا اور مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم بالکل نہ تھا، اس زمانہ میں وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اونچا سننے لگا تھا میری اطلاع ہونے پر وہ باہر آیا اور پٹی باندھی اور تکیہ لگاکر بیٹھا اس کے اردگرد اس کے لڑکے پوتے سب جمع ہو گئے مجھ سے میرا نسب نامہ پوچھا میں بیان کرتا کرتا جب زہرہ پر پہونچا تو اس نے کہا ٹھیر جا، کیا! میں تم کو ایسی بات کی اطلاع نہ دوں جو تجارت سے بہت بہتر ہو، آپ نے جواباً کہا کہ آپ ضرور ایسا کیجئے

---

[۱] قرآن شریف میں بھی خدا تعالیٰ نے اس سفر کو اپنے امتنان و احسان کے موقعہ پر ذکر فرمایا ہے

لایلٰفھم رحلۃ الشتاء والصیف ۱۲ منہ

اس نے کہا کہ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے پہلے مہینہ[1] میں تمھاری قوم (قریش) میں ایک رسول مبعوث کیا ہے اور اس کو برگزیدہ اور مقبول بنایا ہے اور اس پر کتاب اتاری ہے، اور اس کتاب پر عمل کرنیوالوں کے لئے ثواب مقرر کیا ہے۔ اسکی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بتوں کی (یعنی اللہ کے سوا سب کی) پرستش کو منع کرتا ہے اور دعوتِ اسلام دیتا ہے۔ اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور خود بھی اچھے کام کرتا ہے اور بیہودہ باتوں سے منع کرتا ہے اور اِن کو مٹاتا ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ کس قبیلہ سے ہے تو اس نے جواب دیا کہ وہ نہ قبیلہ ازد[2] سے ہے اور نہ ثمالہ[3] سے وہ بنی ہاشم سے ہے اور تم اسکے ننھیالی رشتہ دار ہو اور آپ کو مخاطب کرکے کہا کہ اے عبد الرحمن اسکو تم پوشیدہ رکھو اور جلد واپس جاؤ اور ان سے جاکر ملو اور ان کی دلدہی کرو اور میری طرف سے یہ التماس نامہ پیش کر دینا

اشہد باللہ ذی المعالی — فالق اللیل والصباح

گواہ بناتا ہوں اللہ بڑائی اور بزرگی والے کو — جو رات دن کا ظاہر کرنیوالا ہے

انک ذو السر من قریش — یا ابن المفدیٰ[4] من الذباح

بیشک آپ قریش میں راز دار ہیں — اے اس شخص کے بیٹے جسکی قربانی کا فدیہ دیا گیا ہے

[1] ربیع اور جمادی کے دو دو مہینے ہوتے ہیں یہاں ربیع کا پہلا مہینہ یعنی ربیع الاول مراد ہے ۱۲ منہ

[2] قبیلہ کا نام ہے بنو قحطان کی تین بڑی شاخیں ہیں قضاعة۔ کہلان۔ ازد۔ انصار ازد کی دو شاخیں ہیں اوس خزرج ان کے علاوہ ازد کی اور شاخیں خزاعہ۔ غسان۔ دوس ثقیف ۱۲ منہ [3] قبیلہ شنوأہ کی شاخ ہے — (سبائک الذہب فی انساب العرب) ۱۲ منہ [4] اہل کتاب (یہودی۔ عیسائی) کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا انکار ہے اپنے بڑے عالم کی شہادت ملاحظہ فرمائیں ۱۲ منہ

ارسلت تدعو الی یقین ویرشد للحق والفلاح

رسول بنا کر آپ بھیجے گئے یقینی باتوں کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں ۔ اور حق اور بھلی باتوں کی ہدایت کرتے ہیں

اشہد باللہ رب موسیٰ انک ارسلت بالبطاح

قسم ہے موسیٰ علیہ السلام کے رب کی کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بیشک بطحا میں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں

فکن لی شفیعا الی ملیک یدعو البرایا الی الفلاح

ہو جائیے شفیع اس مالک کے دربار میں جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتا ہے

حضرت عبد الرحمنؓ فرماتے ہیں کہ یہ اشعار مجھکو یاد ہوگئے اور میں سفر سے بعجلت تمام واپس آیا اور حضرت ابو بکرؓ سے جن کے ساتھ میرے مراسم محبت پہلے سے تھے واقعہ بیان کیا انھوں نے اسلام لانے کی تحریک کی اور مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت خدیجہ کے گھر لے آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے مجھکو دیکھکر فرمایا کہ ایسا چہرہ دیکھتا ہوں کہ جس کو دیکھکر نیکی کی امید بندھتی ہے ۔ اب خدا تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ حضرت عبد الرحمن نے فرمایا کہ ایک امانت ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں ایک مرسل نے پیغام بھیجا ہے وہ مجھ کو پہنچا دو میں نے اشعار

ؔ اہل کتاب میں عرصہ سے یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ انبیاء سب شام میں آئے ہیں چنانچہ عزیز مصر (مقوقس) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت نامے کے جواب میں ہدایا اور تحائف کے ساتھ جو عرضی روانہ کی تھی اسکے یہ الفاظ ہیں وقد علمت ان نبیا بقی وکنت اظن انہ یخرج بالشام (یہ تو مجھکو قطعاً معلوم ہے کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے مگر اسکے ساتھ میرا یہ خیال تھا کہ وہ شام میں آئیگا (اصابہ) اسلئے اس عالم اہل کتاب نے اس مضمون کو بڑی تاکید سے بیان کیا کہ آپ بیشک ارض حجازی میں رسول بنائے گئے ہیں ۱۲ منہ

مذکورۂ بالا استشہاد ہے۔[1]

آپ کا اسلام اور اسلام میں آپکا درجہ

اسلام کے اولین فرزندوں کی جماعت میں ترتیب قائم کرنا کہ پہلا کون ہے اور دوسرا کون یہ ایک دشوار ہی امر نہیں ہے بلکہ ناممکن کی ایک عمدہ مثال ۔

ماحول کے مقتضیات اسکی اجازت نہیں دیکتے تھے کہ نہایت معتبر اور بھروسہ کے دوست پر بھی اپنے صحیح اعتقاد کا اظہار کیا جائے ۔ اس آزادی کے زمانہ میں بھی آج ہزاروں کی تعداد موجود ہے کہ ان کو خاندانی اور صحبت (سوسائٹی) کے تعلقات کی جکڑبندی صحیح خیال اور اپنے واقعی مذہب کے اظہار کی اجازت نہیں دیتی ۔ معاشرتی مشکلات اور تمدنی دقتوں کا بھوت ان کو خائف کرتا رہتا ہے حالانکہ اب اپنے خیالات کے ظاہر کرنے میں اسکے نصف بھی معاشرتی اور تمدنی دقتیں حائل نہیں ہوتیں جو زمانے کے اُس دور میں ہوتی تھیں یا ہوسکتی تھیں ،

اسلام اور حق کی قوت کی نظیر صرف ابو ذر غفاریؓ ، مُعلم الامۃ عبد اللہ بن مسعودؓ اور عمر فاروقؓ ہی میں منحصر نہیں ، اسلامی روایات کے خزانہ میں اس کا ایک معتدبہ ذخیرہ ہے ۔ تاہم گردوپیش کے حالات سے متاثر نہ ہونا اور اپنے خاندان اور ملک کے خلاف کسی تہذیب کی طرف پیشقدمی کرنا انسان کی معمولی فطرت سے بالا ہے ۔

عرب کی جو مذہبی حالت تھی اگر وہ اسفل السافلین کی کسی حد تک پہنچی ہوئی ہو تاہم اسمیں ان کا شغف ایک منٹ کے لئے اسکی اجازت دیسکتا تھا کہ ان کے باطل اور بے سروپا

---

[1] سیرۃ نبویہ علامہ زینی دحلان صہ ۶۱ ج ۱ ۱۲ منہ

عقیدوں کے خلاف کوئی شخص صحیح خیالات کو بھی ظاہر کر سکے تو کیا ایسی حالت میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت کے مسلمان اپنے اسلام کو دوسروں پر ظاہر کرتے ہوں گے۔

ہاں! جب جمع قلت سے مسلمانوں کی افراد متجاوز ہو کر کثرت کے وسیع حلقہ میں آگئی تو اب چند اں مضائقہ نہ رہا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب دار ارقمؓ میں ایک مجلس قائم کی جسکے خاص احباب اور مخلص اصحاب ممبر قرار دئے گئے جن کو پہلے خود اسلامی احکام کا درس دیا جاتا تھا اور اسکے بعد خود ان کے اخلاق اور اعمال دوسروں کے لئے معلم بنجاتے تھے۔ اس کے قبل کفار و مشرکین کو اطلاع تو درکنار خود مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے کے مسلمان ہونے کا علم دشواری سے ہوتا تھا۱۔ اس مسئلہ کو یوں سمجھ لیجئے کہ ابتدائی

---

۱ اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر فہرست ان صحابہ کی دیدوں جن کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقمؓ میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ارقمؓ یا تو ساتویں مسلمان ہیں یا گیارہویں ان کے اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ان ہی کے گھر میں ہوتی تھی جو کوہ صفا پر تھا اور اسی مکان میں تمام فرائض انجام دئے جاتے تھے یہاں تک کہ اللہ کے حبیب کی دعا قبول ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعثت کے چھٹے سال اسلام میں داخل ہوئے (اصابہ ج ۱ صـ ۴۲ مطبوعہ کلکتہ)۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ
علی رضی اللہ عنہ
زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
} ان تینوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ یہ تصریح موجود ہے کہ سب سے پہلے یہ مسلمان ہوئے (ملاحظہ ہو تاریخ کامل و طبقات ابن سعد)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا کر تیسرا مسلمان میں ہوں'

عمرو بن عنبسہؓ } مورخین اپنے معتبر ذرائع سے ان میں سے ہر ایک کے متعلق

عہد کے مسلمان وہی لوگ ہیں جن کے پاک دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کی محبت گھر کر گئی تھی[1]۔ اور ازدیادِ محبت کی وارفتگی نے عاشق کے نام کا مستحق کر دیا تھا اب عشق و محبت کے جذبات کا تقاضا ظاہر ہے کہ اپنوں پر بھی اس کا اظہار گوارا نہیں کہ[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)۔

ابوذر غفاریؓ
زبیر بن العوامؓ
خالد بن سعیدؓ

بیان کرتے ہیں کہ یہ چوتھے مسلمان ہیں یا پانچویں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ ان کے قبل حضرت بلالؓ مسلمان ہو چکے ہیں ۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
مقدادؓ
معلم الامۃ عبداللہ بن مسعودؓ
خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

ان میں سے ہر ایک اس امر کا دعویدار ہے کہ مجھ سے پانچ ہستیاں تو ضرور ایسی ہیں جن کو تقدم اور سبقت کا شرف حاصل ہے اور ان پانچ کے بعد پہلا میں ہی ہوں ۔

[1] عثمان بن عفان، [2] عبدالرحمن بن عوف، [3] ابوعبیدہ، [4] سعید بن زید، [5] طلحہ بن عبیداللہ، [6] عثمان بن مظعون [7] قدامہ بن مظعون، [8] عبداللہ بن مظعون، [9] ابوحذیفہ [10] عامر بن فہیرہ [11] معمر بن الحارث، [12] عبیدہ بن الحارث، [13] ابوسلمہ بن عبد الاسد [14] خنیس بن حذافہ، [15] واقد بن عبداللہ، [16] عامر بن ربیعہ بن مالک، [17] عبداللہ بن جحش، [18] ابواحمد بن جحش [19] عبیداللہ بن جحش رضوان اللہ علیہم یہ سب وہ حضرات ہیں جنہیں سے ہر ایک کے متعلق ابن سعد کے یہ الفاظ ہیں اسلم قبل ان یدخل صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم (آپ کے دارارقم میں داخل ہونے سے قبل مسلمان ہوئے) اسکے قبل تیرہ[13] نفوس کے نام آپ پہلے سے پڑھ چکے ہیں ۱۲ر۔

[1] دوسرے الفاظ میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے ان لوگوں کے دلوں میں گہرا اثر پیدا کر لیا تھا۔ حضرت سعد ابن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ مجکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے اطلاع دیں تو حضرت عائشہؓ نے نہایت تعجب کے لہجہ میں فرمایا اولم تقرء القرآن کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا آپ قرآنی اخلاق کا صحیح نمونہ تھے (مسلم شریف، سنن نسائی باب صلوٰۃ اللیل) ۱۲

[2] حضرت ابوہریرہؓ نے بھی

ہم اور تم ایک ہی نگاہ کے کشتہ ہیں آپ نے نہیں سنا ؎

با سایہ ترا نمی پسندم ٭ عشق است و ہزار بدگمانی

اسلئے آپکے متعلق بھی عام مورخین جو لکھتے ہیں اسکو اپنے الفاظ میں نقل کردیتا ہوں اور انشاء اللہ العزیز زیادہ دیدہ ریزی بھی مفید نتیجہ نہ پیدا کریگی آپ کے اسلام لانے کا واقعہ ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے حلقہ بگوش ہو چکے تھے آپکے اسلام میں داخل ہونے سے چھ کا عدد پورا ہوا اور ایک حساب سے آپ پنجتن کے متمم ہیں کیونکہ آپ سے ایک روز قبل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ داخل اسلام ہوئے تھے اور یہ چھٹی ہستی تھی جو ظلمتکدۂ کفر سے نکل کر اسلام کے نورانی عالم میں آئی تھی۔[1] آپ اور حضرت ابوعبیدہؓ ایک روز مسلمان ہوئے۔ آپ کے اور نیز حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم وغیرہ کے اسلام لانے کا ثواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں مثبت ہوا کیونکہ یہ سب لوگ آپ ہی کی تحریک سے مسلمان ہوئے تھے۔[2]

مکہ میں آپ کا مکان

بنو زہرہ آپ کا قبیلہ مسجد حرام کے پہلو میں آباد تھا مگر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس رقابت کے جذبہ کی مثال اپنے ایک بدوی دوست سے نقل ہے کہ عین نماز کی حالت میں اس نے اپنے مالک کو پکارا اللھم ارحمنا و محمداً ولا ترحم معنا احداً (بخاری ابو داؤد۔ نسائی) اے اللہ ہم پر رحم کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محبوب پر اور کسی پر نہیں، اور یہ کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے ایک درجہ اس سے اور اوپر ہے جہاں اپنے کو آپ سے رقابت پیدا ہوجاتی ہے ؎

غیرت از چشم برم روے تو دیدن ندہم ٭ گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم ۱۲ منہ

[1] ازالۃ الخفا ۱۲ [2] از المقصد دوم صہ ۹ و ناسخ التواریخ وغیرہ ۱۲۔

اب وہ حصّہ حدود حرم میں داخل ہوگیا ہے آپ کے بہنوئی مخرمۃ بن نوفل کا مکان صفا مروہ کے درمیان میں تھا مگر وہ صفا کی نسبت مروہ سے قریب تھا۔ آپکا مکان عطاروں کی گلی میں تھا[۱] اس گلی سے حضرت خدیجہ کے گھر کو راستہ جاتا تھا آپ جب مکہ آتے تھے تو اپنے قدیم مکان پر فروکش ہونا ناپسند فرماتے تھے[۲]۔

ہجرت آپ حبشہ کی دونوں[۳] ہجرتوں میں تمام مسلمانوں کی مصائب و تکالیف کے شریک حال تھے[۴] اور تیسری بار بھی خدا اور اس کے رسول کی محبت میں اپنے وطن مالوف یعنی مکہ معظّمہ کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا۔

مدینہ میں آپکے میزبان آپ مدینہ تشریف لائے تو حضرت سعد[۵] ابن ربیع کے مہمان ہوئے

---

[۱] مجموعہ تاریخ مکہ مطبوعہ یورپ جس میں الاعلام علامۂ ازرقی کے علاوہ اور کتابیں بھی شامل ہیں ۱۲ [۲] ابن سعد ۱۲

[۳] بعثت کے پانچویں سال یعنی ۶۱۶ء میں پہلی مرتبہ گیارہ بارہ شخصوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی انہیں آپ بھی تھے اور غلط خبر اڑ جانیکی وجہ سے واپس آئے (فتح الباری ص۹۵ ج ۳) مگر یہاں آکر دیکھا کہ اہل مکہ کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی اسلئے دوبارہ پھر حبشہ تشریف لیگئے (زاد المعاد) ۱۲ [۴] صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی قلمی ۱۲

[۵] یہ انصاری غزوہ بدر میں شریک تھے اور عقبۂ اولی اور ثانیہ میں حاضر تھے۔ غزوۂ احد میں جام شہادت نوش کیا خارجہ بن زید اور آپ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے۔ (ابن سعد) آپ کی بیوی محمد بن سلمۃ کی بیٹی غزوۂ احد کے بعد آپ کے بھائی کی زیادتی کی شکایت لیکر حضرت کے دربار میں آئیں کہ یتیم لڑکیوں کے چچا نے تمام مال پر قبضہ کرایا ہے اسوقت آیت میراث نازل ہوئی اور حضور اقدس نے لڑکیوں کو حصّہ دلایا (ابوداؤد کتاب الفرائض) آپ تمام انصار میں مال کے اعتبار سے ممتاز تھے (بخاری کتاب البیوع ص۲۷۵ باب ماجاء فی قول اللہ فاذا قضیت الصلوۃ) جاہلیت میں آپ لکھنا بھی جانتے تھے (مستدرک حاکم ج ۳ و ابن سعد) فتوح البلدان میں بلاذری لکھتے ہیں کہ

حضرت سعد نے جس فراخدلی اور بلند حوصلگی سے مہمانداری کے فرائض کو انجام دیا ہے[1] وہ آجتک ہل من مثیل کا نعرہ بلند کر رہا ہے ۔

مدینہ منورہ میں آپ کے تعلقات (مواخات)

ہر جماعت میں جب تک اسکی افراد میں کثرت و بہتات نہیں ہوتی ایک دوسرے کی ہمدردی و غمخواری کا خیال وجذبہ ایک فطرتی امر ہے، اور یہی جذبہ ایک حد تک اسکی ترقی کا باعث ہوتا ہے ۔

اسکے علاوہ خود اخوت اسلامی ایک ایسا مضبوط و مستحکم رشتہ ہے کہ اس رشتہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ عربی اور عبرانی دونوں لکھتے تھے آپکی صاحبزادی عائشہ بنت سعد بھی لکھنا جانتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ میرے باپ نے مجھکو لکھنا سکھایا تھا۔ غزوہ احد کے ختم ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد کی کون خبر لاتا ہے کعبؓ گئے اور سکرات کے عالم میں آپ کو پایا مگر جان نثاران اسلام کی شجاعت وجانبازی ملاحظہ فرمایئے کہ ستر زخم لگے ہیں (مستدرک ج ۳) خون کے فوارے جاری ہیں مگر اس کے قبل کہ حضرت کعبؓ کچھ پوچھیں خود دریافت کرتے ہیں کہ کہو کیا حال ہے جب حضرت کعبؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خبر ملتی ہے اور حضرت کعبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچاتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ میری طرف سے بھی سلام نیاز عرض کرنا اور کہدینا کہ بارہ زخم آر سے پار ہوگئے ہیں زیست کی امید بالکل نہیں ہے اور حضرت کعبؓ سے کہا کہ میری قوم کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دینا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چشم زخم بھی آیا اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچا تو خدا کے یہاں وہ کس منہ سے جواب دیگا۔ حضرت کعبؓ نے ارادہ ہی کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیں جیسے حضرت کعبؓ نے ان سے مفارقت کی ویسا ہی حضرت سعد کی روح ان کے جسم سے مفارقت کرکے حوروں سے ہمکنار ہوگئی (مؤطا مالک ہمراہ مسوی ج ۲ ص ۲۹۲ اسد الغابہ) ۱۲

[1] بخاری شریف کتاب المناقب ص ۵۳۳ باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ منہ

منسلک ہونے کے بعد کسی مزید اتحاد و اُخوّت کا قیام فضول و بیکار معلوم ہوتا ہے لیکن وہ حضرات جن کو قوموں کے تدریجی ترقی کے فلسفہ پر کبھی غور کرنیکا اتفاق ہوا ہے یا ایسے امور کے سرانجام دینے کا موقع ملا ہے، کہ جس کا تعلق صرف ایک ذات سے نہو ان کو انکا تجربہ اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے، کہ میزبانوں کی کثرت مہمانوں کو بسا اوقات تکلیف پہنچاتی ہے۔ اس انتظام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں ایک جدید رشتہ اخوت (بھائی چارا) قائم کر دیا تاکہ جو لوگ گھر سے نکھر گئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مال و دولت کی محبت سے ہاتھ دھونے کے علاوہ خود مال و دولت سے بھی محروم کر دئے گئے ہیں ان سے پورانی رشتہ داریاں اور محبتیں منقطع کر دیگئی ہیں انکی فی الجملہ مکافات ہوجائے اور اس کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہ تھا کہ ہر مہاجر کی ذمہ داری علیحدہ علیحدہ طور پر ایک ایک انصاری کے سر کر دی جائے اب رہے یہ سوالات کہ مواخات کئی بار ہوئی اور کہاں ہوئی اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں اور اس آیت کے نازل ہونے پر ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ (سورۂ انفال رکوع اخیر)	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی (یعنی مہاجرین) اور جہاد کیا خدا کے رستہ میں اپنی جان و مال سے اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی (یعنی انصار) تو وہ ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

یا اس کے قبل اور اس کا حکم کب منسوخ ہو آیا اس آیت کے نزول پر۔

وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ	اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ولی ہیں خدا کے حکم میں مسلمانوں سے اور مہاجرین سے۔

یا اس آیت کے نزول پر جو سورۂ انفال میں ہے[1] اور اس قسم کے سوالات میرے موضوع تحریر سے خارج ہیں لیکن بعض امور پر سرسری نظر ڈالنی ناگزیر ہے۔

اسمیں اختلاف ہے کہ مواخات مکۂ معظّمہ میں ہوئی یا صرف مدینۂ منوّرہ میں۔ علامہ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں —

كانت المواخاة مرتين مرةً فيما بين المهاجرين خاصة وذلك بمكة ومرةً بينهم وبين الانصار (استيعاب)	کہ مواخات دو بار ہوئی ایک بار صرف مہاجرین میں اور یہ مکہ میں ہوئی اور دوسری بار مہاجرین اور انصار میں ۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ مواخات کب ہوئی علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ۔

قالوا ان المواخاة فى المدينة بعد بناء المسجد قيل والمسجد يبنى قيل بعد قدومه خمسة اشهر وانها فى المسجد — (فتح البارى)	مواخات مدینہ میں مسجد بننے کے بعد ہوئی اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کے زمانۂ تعمیر میں ہوئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی تشریف آوری کے پانچ ماہ بعد اور مسجد ہی میں ہوئی ۔

علامہ قسطلانی تحریر فرماتے ہیں

كانت المواخاة مرتين الاولى بين المهاجرين خاصةً بمكة قبل الهجرة	کہ مواخات دو بار ہوئی پہلے مکہ میں صرف مہاجرین کے درمیان حق اور ایک دوسرے کی دلدہی

---

[1] یہ ابن عباس کی روایت ہے۔ بخاری شریف میں ابن عباس ہی سے منقول ہے کہ پہلے تقسیم میراث رشتہ داروں میں نہیں ہوتی تھی مگر جب سورہ نسا کی آیت ولكلٍ جعلنا موالى مما ترك الوالدان و الاقربون نازل ہوئی تو مواخات منسوخ ہوگئی اور اقربا میں میراث تقسیم ہونے لگی (کتاب الکفالہ باب قول اللہ والذین عقدت ایمانکم الخ م) ۱۲ منہ

علی الحق والمواساۃ ولما نزل المدینۃ اٰخی بین المہاجرین والانصار علی الحق والمواساۃ فی دار انس بن مالک | اور جب مدینہ آئے تو انصار مہاجرین میں بھائی چارہ ہوا حق اور ایک دوسرے کی دلدہی پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ۔

مگر آپ کی مؤاخات کے متعلق صحیح تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد ابن ربیعؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا بھائی چارہ کرایا تھا[1]۔

ہمارے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ علامہ ابن سعد اور علامہ ابن عبدالبر کے اس قول کو کہ

اٰخی بینہ وبین عثمان | آپ نے حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ کرایا تھا

کو تعدد واقعہ پر محمول کر دیتے مگر علامہ ابن حجر اس کے متعلق پہلے فیصلہ فرما چکے[2] ہیں کہ ۔

ھو وھم من روایۃ عمارۃ بن زاذان | یہ غلطی ہے عمارہ کے روایت کی ۔

مدینہ میں آپ کا مکان

مکہ میں آپ کا قبیلہ حرم محترم کا پڑوسی تھا اسی مناسبت سے مدینہ میں بھی آپ کو حرم نبوی سے متصل اس کے عقب میں زمین عطا ہوئی اس قربت کا صحیح منشا تو یہ تھا کہ آپ کو خدمت نبوی میں سہولت ہو اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم حضرت معلم الامۃ عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی آپ کے مکان متصل ہی زمین عنایت ہوئی تھی[3]۔ آپ کو جو زمین عطا ہوئی تھی وہاں چھوٹی قسم کے کھجور کے درخت تھے جن کو سیراب کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی[4]

---

[1] بخاری شریف کتاب الکفالۃ (باب والذین عاقدت ص۳۰۶) ۱۲ منہ [2] فتح الباری کتاب النکاح باب الولیمۃ ولو بشاۃ ۱۲ منہ [3] طبقات ابن سعد جزء ثالث ۱۲ منہ [4] طبقات ابن سعد ۱۲

وہاں آپ نے ایک عالیشان مکان بنوایا وہ مکان اتنا بڑا تھا کہ صاحب معجم نے اسکو قلعہ لکھا ہے[1]

ازواج، اولاد

آپ نے سترہ[17] نکاح کئے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ آپ نے فاطمہ بنت قیس فہری سے بھی نکاح کیا[2]۔ تو اب تعداد اٹھارہ[18] ہوجائیگی

اسلامی مؤرخین کے دل، ودماغ کسی خاص مقصد (پروپگنڈا) سے ہمیشہ پاک رہے۔ اور اپنا فرض صرف اس قدر سمجھتے تھے کہ جو واقعات اُن تک پہنچیں وہ جمع کردئے جائیں۔ اس لئے اُنکی تاریخوں میں واقعات کے ترتیب کی تلاش اور اس قسم کے دوسرے اُمور کا تجسس فضول نہیں تو کوہ کندن کاہ برآوردن کا مصداق تو ضرور ہے۔

ہاں ان کے عطا کردہ معلومات میں زیادہ ذخیرہ صحیح معلومات کا رہتا ہے۔ اسلئے تھوڑی محنت کے بعد تسلسل قائم کرنا زیادہ دشوار باقی نہیں رہتا۔

یہ بات میرے منصب سے بالاتر ہے کہ میں اس پر بحث کروں کہ سوانح نویس کے لئے یہ ضروری ہے یا نہیں کہ واقعات کو اس تسلسل سے بیان کرے کہ صحیح واقعات پر بھی

---

[1] معجم البلدان جغرافیہ مدینۂ منورہ ج ۲، ص ۳۰۴ ۱۲ منہ۔

[2] تاریخ طبری ص ۲۰۰۰ واقعات ۲۳ھ یہ خیال شاید اس وجہ سے ہے کہ حضرت عمر کے بعد مجلس شوری آپ نے ان ہی کے مکان میں قائم کی تھی یہ وہی فاطمہ ہیں جن کو ان کے شوہر نے طلاق دی تھی اور معاویہ اور ابوالجہم نے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کی بنا پر آپ نے حضرت اسامہؓ سے نکاح کیا۔ نسائی کی روایت ہے کہ اسوقت حضرت عبدالرحمنؓ نے بھی پیغام دیا تھا علامہ نووی ان کے عقل وکمال کے مدح سرا ہیں تھا میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عقل وشعور کے ساتھ بہت صاحب جمال تھیں چونتیس[34] حدیثیں آپ سے مروی ہیں ضحاک بن قیس ان کے بھائی تھے جو دس سال ان سے چھوٹے تھے ۱۲ ار

افسانے اور داستان کا گمان ہونے لگے۔

دور از کار قیاسات کا استعمال کرنا اور صرف قیاسات کی بنا پر واقعات کا سلسلہ جوڑنا تاریخی نقطۂ نظر سے اگر مستحسن بات ہوتی تو انشاء اللہ العزیز حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ کے حالات میں ایسے دلچسپ قیاسات کا ایک معقول ذخیرہ آپ ملاحظہ فرماتے۔

گو نوزائیدہ مؤرخین کو اس بات پر ناز ہے۔ مگر ہم یہ کہتے ہوئے[1] آنکہ فخر نیست واں ننگ من است، حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ازواج اور اولاد کی تفصیل میں ان کا نام شمار کرا دینا اور ان کے متعلق جو صحیح معلومات ہم تک پہنچی ہیں ان کا بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

اسلام سے قبل آپ کے دو نکاح ہوئے۔ شاید پہلا[1] نکاح عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی ام کلثوم[2] سے ہوا۔ اس سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا سالم نام پیدا ہوا[3] اور دونوں قبل از اسلام فوت ہوگئے۔ مگر آپ خود اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئیں[4]۔ دوسرا[2] نکاح شیبہ بنت ربیعہ بن عبد شمس سے ہوا اس سے ام قاسم قبل از اسلام پیدا ہوئیں گویا بڑی اولاد آپ کی یہی تھیں۔ آپ نے تیسرا[3] نکاح ابو الحیسر[5] انس بن رافع کی صاحبزادی ام ایاس سے کیا تھا اور

---

[1] اس تفصیل میں گو زیادہ مدد ابن سعد اور فتح الباری سے لیگئی ہے مگر بعض جگہ اور کتابوں کا نام بھی آپ پائینگے ۱۲ منہ [2] حضرت معاویہ رضؓ کی خالہ ہیں ۱۲ منہ [3] علامہ یحییٰ ابن ابی بکر صاحب الریاض المستطابہ آپکے ایک صاحبزادے کا نام محمد بتلاتے ہیں اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ محمد حضرت عبد الرحمٰن رضؓ کے سب سے بڑے بیٹے تھے' ابن سعد کا سالم کو اکبر اولاد کہنا اور ابن حجر کا محمد کو اکبر اولاد بتلانا کچھ باہم متعارض نہیں ہے سالم تمام اولاد کے اعتبار سے اکبر اولاد ہیں اور محمد صرف ان اولاد سے بڑے ہیں جو بعد از اسلام پیدا ہوئیں ۱۲ منہ [4] ابن سعد تذکرہ ام کلثوم ۱۲ [5] یہ ابو الحیسر وہی ہیں جو عبد الاشہل کے چند نوجوانوں کے ساتھ یوم بعاث کے بعد قریش کے پاس مکہ استمداد کیلئے آئے تھے تاریخ ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۲۵ مطبوعہ مصر ۱۲ منہ۔

اپنی مالی استطاعت کے مطابق سوا روپیہ یا ڈھائی روپیہ[1] مہر مقرر کیا تھا۔ یہ اسلام کے بعد پہلا نکاح تھا جو مدینہ میں فرمایا۔ کیونکہ آپ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو حضرت سعد ابن ربیع نے فرمایا[2] کہ تم میرے بھائی ہو اور تمہارے بیوی نہیں ہے | انت اخی لا امرأة لك

ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے عبد اللہ تھے جو جنگ افریقیہ میں اپنے بھائی سالم اصغر اور عروۃ اکبر کے ساتھ فتح کے دن شہید ہوئے عبد اللہ کے ایک بھائی اور تھے قاسم ابن سعدؓ نے بجائے قاسم کے اسمٰعیل لکھا ہے[3]۔ سالم کی والدہ کا نام سہلہ[4] بنت سہیل تھا اور عروۃ اکبر کی والدہؓ کا نام بحیرہ بنت ہانی بن قبیصہ تھا۔ یہ زوجہ قبیلہ بنی شیبان سے تھیں۔

حضرت عبد الرحمنؓ کا تیسرا نکاح اسلامی تاریخ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور وہ اس لئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کپڑوں پر ایسا دھبہ دیکھا جو مردوں کے مناسب نہ تھا تو آپ سے استفسار فرمایا۔ آپ سے جب معلوم ہوا کہ آپ نے نکاح کر لیا ہے تو آپ کو دعا دی بارك الله لك (اللہ تم کو مبارک کرے) اور آپ کو

---

[1] بخاری شریف باب و اٰتوا النساء صدقٰتهن نحلة ص... کتاب النکاح ۱۲ منہ [2] فتح الباری کتاب النکاح باب الولیمة ولو بشاة ۱۲ منہ [3] فتح الباری بحوالہ بالا ۱۲ [4] آپ ہجرت حبشہ کے قبل مسلمان ہو کر بیعت کے حلقہ میں داخل ہوئیں اس وقت آپ ابو حذیفہ ام قاسم آپ کی صاحبزادی کے ماموں کے نکاح میں تھیں اور انہی کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں۔ ان سے ایک لڑکا محمد تھا اس کے بعد عبد اللہ بن اسود کے نکاح میں آئیں ان سے ایک لڑکا سلیط پیدا ہوا اس کے بعد شماخ بن سعید کے نکاح میں آئیں ان کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں (ابن سعد وغیرہ) ۱۲ منہ

حکم دیا[1] اولم ولو بشاۃ (ولیمہ کرو اور کم سے کم ایک بکری) اس روز سے دعوت ولیمہ کا شمار دعوت مسنونہ میں ہونے لگا۔ ایک نکاح سہلہ بنت عاصم[2] بن عدی انصاریہ سے ہوا ان سے تین لڑکے معن۔ عمر[3]۔ زید[4] اور ایک لڑکی امۃ الرحمٰن الصغریٰ ہوئی انکا دین مہر آپ نے تیس ہزار مقرر فرمایا اور یہ وہ دین مہر تھا جو آپ نے فوراً ادا کر دیا۔ معاف کرنیکی نوبت نہیں آنے دی۔ سہلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اور آپکی بیٹی کو حصّہ بھی دیا تھا[5]۔ آپ نے ایک نکاح صرف امتثال امر نبوی میں دومۃ الجندل[6] کی رئیس کی لڑکی تماضر[7] سے کیا تھا ان کے بطن سے ابوسلمہ[8] پیدا ہوئے رئیس زادی ہونے کا اثر کہئے یا فطرتاً آپ بداخلاق واقع ہوئیں تھیں[9]۔ حضرت عبدالرحمن رض نے بہت نباہنا چاہا اور عرصہ تک نباہا ایک روز بہت تنگ آکر فرمادیا کہ اگر تم طلاق

---

[1] بخاری صـ۷۷۵ کتاب النکاح باب کیف یدعی للمتزوج ۱۲ ر [2] ان سے آپ نے ایک دفع ایک جاریہ خرید کی تھی مگر بعد کو معلوم ہوا کہ اس کا شوہر موجود ہے تو آپ نے واپس کر دی (موطا محمد صـ۲۴۴) ۱۲ ر منہ

[3] بڑے قوی اور بہادر تھے حجاج کے معزول کرانے میں ساعی تھے (معارف) ۱۲ ر [4] لاولد فوت ہوئے ۱۲ ر

[5] ابن سعد غزوہ خیبر ۱۲ ر منہ [6] اس سے قبل اس قبیلہ کی کسی عورت کا نکاح قریشی سے نہیں ہوا تھا۔ ۱۲ ر منہ

[7] حضرت عبدالرحمن کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حضرت زبیر سے کیا تھا انھوں نے سات دن کے بعد طلاق دیدی (اصابہ) تیسرا نکاح خالد ابن عقبہ بن ابی معیط (حضرت عثمان کے اخیافی بھائی) سے کیا تھا۔ جس سے ایک لڑکا اُجیح یا اخیخ نامی تھا (ابن عساکر ج ۲ صـ۲۳۵) ۱۲ ر [8] آپکا نام عبداللہ یا اسمٰعیل تھا بہتر[72] برس کی عمر میں سنہ ۹۴ھ میں وفات پائی امیر معاویہ نے مدینہ کا گورنر بنایا تھا مروان نے اپنے زمانہ میں معزول کر دیا۔ مدینہ کے فقہاء سبعہ کے ایک رکن آپ بھی ہیں (تہذیب التہذیب ابن سعد) ۱۲ ر [9] اصابہ ج ۸ صـ۴۸۶ مطبوعہ کلکتہ ۱۲ ر

چاہتی ہو تو میں تم کو طلاق دیدوں گا[1]۔ تماضر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم آپ ضرور طلاق دیدیجئے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے خیال کیا کہ اس وقت ان کو غصہ ہے دوسرے وقت پر ٹالدینا چاہیئے ان سے کہا کہ اس مرتبہ معمول غسل سے جب تم کو فراغت ہو[2] تو مجھکو اطلاع دینا اور مقصد صرف

---

[1] نکاح چونکہ نظام عالم کا ایک ایسا اہم رکن ہے کہ اس کے بغیر بہت سی معاشرتی اور تمدنی ضرورتیں قریب قریب ناممکن ہو جاتی ہیں اس لئے اس کے باقی اور قائم رکھنے کے لئے اسلام نے نہایت زبردست اور مضبوط قوانین نافذ کئے باہمی امداد و تعاون میں **نکاح** ہی کو زیادہ دخل تدبیر منزل میں ہے اگر اس کے باقی رکھنے سے خانگی زندگی بے لطف ہوتی ہو اور اصلاح کی امید نہو تو یہ بے لطفی صرف آپکی ذات تک محدود رہکر صرف آپ کے عیش کو منغص نہیں کریگی بلکہ آپ اضطراری حالت میں ملک و قوم کی تہذیب کے دائرہ سے باہر قدم رکھکر ایک ہیبت ناک صورت میں قوم و ملک کی اقتصادی اور معاشرتی حالات پر ضرر رساں اثر ڈالینگے تو اب اسلام آپ کو اس قید سے آزاد ہونے (طلاق) کا اختیار دیتا ہے۔ لیکن یہ اختیار اس جنس تک محدود رکھا گیا جو عقل اور تجربہ وبردباری میں دوسری صنف سے فوقیت رکھتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو با اختیار جنس کو جتلا دیا گیا کہ بیموقعہ اختیار کے عمل میں لانے سے خدا کے (دین کے) دشمنوں میں تمہارا شمار ہوگا (ابو داؤد) دوسری طرف اس نازک صنف کو متنبہ کر دیا گیا کہ بلا ضرورت تنگ مزاجی یا ناقص العقلی کیوجہ سے اگر اس نے اپنی آزادی (طلاق) پر اصرار کیا تو جنت کی بو بھی اسکو نصیب نہو گی (ترمذی) اور صاحب اختیار کو تمام ان حالتوں میں طلاق دینے سے نہایت سختی سے روکا گیا جنمیں معمولی طور پر نفسانی خواہشات کے پورا کرنیکا موقع نہ ہوتا ہو اور کوئی طبعی رکاوٹ ہوتی ہو تاکہ جب کبھی طلاق دیجائے تو اسکی واحد وجہ صرف معاشرتی دقتیں اور خانگی مشکلات ہوں اور ہوا پرستی اور نقیاد نفس کا شائبہ نہو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جس طور پر طلاق دی ہے در اصل شریعت کی طرف سے اسی کی اجازت دیگئی ہے اسکے علاوہ جس طور سے بھی طلاق دیکر اپنے اختیار کو کوئی شخص عمل میں لائے تو اسے اس ظلوم الطغانی کی سزا بھگتنے کیلئے آمادہ رہنا چاہیئے ۱۲ [2] موطا مالک باب طلاق المریض ۱۲

اتنا ہی تھا کہ اس درمیان میں ان کو غور کرنے کا موقعہ اچھی طرح ملیگا جب آپ کو معمول غسل سے فراغت ہوئی تو قاصد کے ذریعہ سے اطلاع بھیجی کہ اب مجھ کو فراغت ہوگئی ہے طلاق دیدیجیے۔ آپ نے پھر اصرار کیا کہ اپنی قسم کا کفارہ دیدو مگر انھوں نے نہ مانا اسلئے مجبور ہوکر ایک طلاق دی اور کہا دوسرے طہر میں دوسری طلاق دونگا چنانچہ دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی اور اسی کے کچھ دنوں بعد آپ کا انتقال ہوگیا[1]۔ آپ نے انکی خدمت کے لیے ایک جاریہ (لونڈی) بھی عنایت کی تھی[2] مگر آپ کی یہ دوسری طلاق مرض میں ہوئی تھی[3] اور ایسے وقت میں خاص موقعہ اس بدگمانی کا ہے کہ یہ طلاق صرف اس نیت وارادہ سے دیگئی ہو کہ عورت کو ورثہ سے محروم کیا جائے (گو یہاں اس کا موقعہ بالکل نہ تھا) اس لئے شریعت نے اس بات کا موقعہ بھی نہیں دیا کہ اس قسم کی بدنیتی کا کوئی شخص قصد کرسکے شریعت نے صاف لفظوں میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ ایسی حالت میں طلاق واقع نہوگی چنانچہ حضرت عثمانؓ نے آپ کی وفات کے بعد تماضر کو اسی ہزار درہم پر راضی کیا یہ تین لاکھ بیس ہزار کا چوتھائی حصہ تھا اور یہ تین لاکھ بیس ہزار وہ رقم ہے جو صرف بی بیوں کے حصہ میں آئی تھی۔

آپ کا ایک نکاح ام حکیم بنت قارظ بن خالد سے ہوا تھا ان سے آپ کے ایک صاحبزادے ابوبکر[4] نامی تھے۔

---

[1] مؤطا مالک اور اسکی شروح کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس مرتبہ آپ نے دو طلاق دیں یا اس کے قبل دو طلاق ہوچکی تھیں اور یہ تیسری تھی ۱۲ منہ [2] موطا، مالک باب متعۃ الطلاق واصابہ زرقانی شارح مؤطانے اس جاریہ کی قیمت اسی دینار (اشرفی) بتلائی ہے۔ ۱۲ منہ [3] تاریخ صغیر امام بخاری صفحہ ۱ ۱۲ منہ [4] علامہ ابو تمام نے اپنے حماسہ کے باب نسیب میں آپ کے دو شعر نقل کئے ہیں ۱۲

آپ کے نکاح کا دلچسپ واقعہ ناظرین کی تفریح طبع کی خاطر بخاری[1] شریف سے نقل کرتا ہوں ایک دن ام حکیم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے بیان کیا کہ بہت سے لوگ مجھ سے نکاح کی خواہش کرتے ہیں آپ جہاں مناسب سمجھئے کر دیجئے حضرت نے فرمایا کہ اپنے نکاح کا پورا اختیار مجکو دیتی ہو آپ نے کہا کہ ہاں ! فوراً آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اپنے نکاح میں لاتا ہوں۔

ایک نکاح اسماء بنت سلامہ سے ہوا ان کے صاحبزادے کا نام عبد الرحمٰن ہے اور ایک نکاح آپ کا ام کلثوم[2] جو عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی تھیں ان سے ہوا تھا ان کے بطن سے

صـ۲۷۴

[1] کتاب النکاح باب اذا کان الولی ہو الخاطب و فتح الباری ۱۱ ر [2] آپ ممتاز صحابیہ میں آپ لکھنا بھی جانتی تھیں (فتوح البلاذری) آپ مکہ ہی میں داخل اسلام ہو چکی تھیں اور قبل ہجرت بیعت بھی کر چکی تھیں آپ کو تمام مہاجرین طبقۂ نساء میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ ماں باپ کے کافر رہنے کے باوجود ناکتخدائی کی حالت میں آپ نے ہجرت کی آپ حدیبیہ کے صلح کے زمانے میں پیدل مدینہ تشریف لائیں آپکی ہمت ملاحظہ فرمائیے کہ مکہ سے تن تنہا صرف خدا کے فضل کے بھروسہ پر نکل کھڑی ہوئیں معاہدہ کے خیال پر آپ کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ آپ کو لینے آئے مگر اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا جاءکم المومنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن (سورہ ممتحنہ پ۲۸)	اے مسلمانو جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آویں تو ان کا امتحان کر لو اللہ ان کے ایمان کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے اور جب تمھیں ان کے مسلمان ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر کفار کی طرف واپس نہ کرو وہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لئے۔

اس روز سے کفار پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ معاہدہ عورتوں کے حق میں نہیں ہے امام بخاری نے اپنی صحیح میں

دو صاحبزادیاں تھیں ۔ حمیدہ ۔ امۃ الرحمن اور چار صاحبزادے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ پورا صلحنامہ نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں وعلی انہ لا یاتیک منا رجل الا ردد تہ الینا کہ ہمارا کوئی مرد تمھارے پاس آئیگا تو تم واپس کر دو گے ۔

آپ قابل نکاح ہو چکی تھیں چنانچہ زید بن حارثہ سے آپ نے نکاح کر لیا جمادی الاولی ۸ھ میں وہ شہید ہو گئے اُن کے بعد حضرت زبیر سے نکاح کیا ان سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی آپ برابر طلاق کا تقاضا کیا کرتی تھیں آپ حاملہ تھیں ۔ ولادت کے دن قریب تھے ۔ جس دن آپ کو ولادت کا درد شروع ہوا اسی دن اسی حالت میں آپ نے حضرت زبیر سے طلاق کا بیحد اصرار کیا ۔ آپ کی اس حالت کا علم اُن کو نہ تھا انھوں نے ایک طلاق دیدی کچھ ہی دیر کے بعد آپ کو ولادت ہوئی اور زینب پیدا ہوئیں ۔ حضرت زبیر کے کسی رشتہ دار نے اسکی اطلاع دی تو آپ بہت نادم ہوئے ۔ اسکے بعد آپ کے پاس نکاح کے پیام آنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسرۃ بن صفوان کو بلا کر پوچھا کس کس نے نکاح کا پیام دیا ہے ۔ انھوں نے چند لوگوں کے نام بتلائے اور حضرت عبدالرحمن رضؓ کے پیام کا بھی تذکرہ کیا ۔ حضرت نے فرمایا کہ عبدالرحمن رضؓ سے نکاح کرو وہ مسلمانوں میں ایک بہترین فرد ہیں ام کلثوم نے جب یہ سنا تو اپنے بھائی ولید سے کہلا بھیجا کہ میرا فوراً عبدالرحمن رضؓ سے نکاح کر دو (تاریخ صغیر امام بخاری صـ۴) چنانچہ اخیر ۹ھ یا اس کے بعد آپ سے انکا نکاح ہوا ۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں آپ کی ایک روایت بھی درج کی ہے کہ اس شخص کو کذاب نہیں کہا جاسکتا جو لوگوں میں صلح کراتا ہو اور اپنی طرف سے کوئی اچھی بات بڑھا دیتا ہو (کتاب الصلح باب لیس الکاذب الذی یصلح) مرض الموت میں حضرت عبدالرحمن پر کچھ دیر کے لئے غشی طاری ہوئی تو آپ فوراً مسجد جا کر نماز میں مشغول ہو گئیں اور اس سخت مصیبت کے وقت خدا کے دربار میں صبر اور نماز سے اعانت کی خواستگار ہوئیں (ابن سعد) آپ کی دعا کا اثر فرمائیے یا اور کچھ لیکن اس کے بعد ایک ماہ اور حضرت عبدالرحمن رضؓ بن عوف زندہ رہے حضرت عمر نے آپ کے لئے ہزار درہم

حمید[۱]۔ محمد[۲]۔ اسمٰعیل۔ ابراہیم[۳]۔ ان کو آپ کے تمام صاحبزادوں میں یہ امتیاز و تفوق

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ وظیفہ مقرر فرمایا تھا (تذکرہ فاروقی طبقات ابن سعد) حضرت عبدالرحمٰنؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرو ابن العاص سے نکاح کیا اور ان ہی کے نکاح میں ایک ماہ رہکر انتقال کیا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اخیافی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے دن آپکی ایک اور بہن ہند مسلمان ہوئیں (فتح ج ۷ ص ۲۴۹، اسد الغابہ، اصابہ) (فتوح البلدان ص ۴۵۴) بلاذری نے لکھا ہے کہ آپ لکھنا بھی جانتی تھیں ۱۲ [۱] آپ مالدار ہونے کے باوجود بہت ہی باعزت و باوقار واقع ہوئے تھے اہل مدینہ پر آپ کا اثر تھا (معارف) بہتر برس کی عمر میں ۳۲ھ میں وفات پائی (تہذیب) ۱۲ [۲] حضرت عبدالرحمٰنؓ کے صاحبزادے ام کلثوم بنت عقبہ کے بطن سے چار ہیں اس پر اکثر ائمہ رجال و شراح حدیث متفق ہیں مگر شارح مسلم علامہ نووی تہذیب الاسماء میں بجائے اسمٰعیل کے زید لکھتے ہیں اور علامہ صاحب الریاض المستطابہ زید محمد کے عوض لکھ رہے ہیں اور محمد کو ام کلثوم بنت عقبہ کا لڑکا بتلاتے ہیں۔ بنت عتبہ اور عقبہ دونوں آپکی بیوی ہیں اور دونوں کا ایک ہی نام ام کلثوم ہے اور عقبہ اور عتبہ میں باہمی خطی تشابہ بھی بہت زیادہ ہے اس لئے یہ غلطی کچھ بعید نہیں۔ علامہ ابن عبدالبر صاحب استیعاب نے ام کلثوم بنت عقبہ کے تین بیٹے ابراھیم، اسمٰعیل، حمید لکھے ہیں اور محمد کو بنت عتبہ کا بیٹا بتلایا ہے اور یہی رائے میرے نزدیک صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھکو حضرت عبدالرحمٰنؓ اور دیگر شائخین بدر کے برابر نشست میں جگہ دیتے تھے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا ان لنا ابناء مثلہ کہ ابن عباس کو تم ہمارے برابر بٹھاتے ہو حالانکہ وہ ہمارے بچوں کا ہم عمر ہے اگر آپکے صاحبزادے محمد کی والدہ بجائے ام کلثوم بنت عتبہ کے ام کلثوم بنت عقبہ ہوں تو یہ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ اخیر ۹ھ یا اسکے بعد بنت عقبہ آپکے نکاح میں آئیں اور ابن عباس وفات نبوی کے وقت یعنی ۱۱ھ میں کم سے کم دس سال کے تھے (استیعاب) اور زیادہ سے زیادہ محمد کی عمر ایک یا ڈیڑھ سال کی ہو سکتی ہے انکی اور اولاد بقول ابن حجر محمد سے خرد سال ہیں تو ایسی صورت میں ان لنا ابناء مثلہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اور علامہ عبدالبر اور صاحب الریاض کی رائے کے مطابق کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ ام کلثوم بنت عتبہ آپکے نکاح میں آپکے اسلام سے قبل ہی آ چکی تھیں۔ ۱۲ منہ [۳] (فتح الباری ج ۸ ص ۵۶۵) اسکے ساتھ ساتھ علامہ ابن حجر کی یہ تصریح کہ محمد اکبر اولاد میں

حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے اور آپ نے حضرت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ کچھ معارض نہیں۔ کیونکہ وہ تصریح کر رہے ہیں کہ صغر سنی میں انکا انتقال ہوگیا (تفسیر سورۂ نصر) اور علامۂ موصوف نے تعجیل المنفعۃ میں اور ابن قتیبہ نے معارف میں عبد الواحد بن محمد بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا جو ذکر کیا ہے وہ دوسرے محمد ہیں۔ علامہ ابن عبد البر نے آپ کے دو صاحبزادوں کا نام محمد لکھا ہے۔ مگر یہ صرف احتمالات ہیں ان سے واقعات کا پتہ چلنا دشوار ہے۔ غور کا مقام ہے کہ ان معمولی باتوں میں اتنا اختلاف نظر آتا ہے اور اسکے متعلق صحیح فیصلہ دشوار و غیر ممکن ہے اب وہ مسائل و واقعات جن کا اثر محبوب یا مبغوض شخصیتوں پر پڑتا ہو یا اصول مذہب کو ٹھیس لگتی ہو۔ وہ یقیناً امکان کے احاطہ سے خارج ہوں گے۔ اس قسم کے مواقع پر ان بزرگ ہستیوں کیلئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں جو روایت کے نشہ میں سرشار تھے ان کو اس کا کچھ پتا نہ تھا کہ اس کے بیان کرنے سے خود ان کے مذہب پر کیا اثر پڑتا ہے روایت کے نام سے جو چیز بھی ان کو پہنچائی جاتی اس کو نہایت اہتمام سے لیتے اور دوسرے کو بھی پہنچانے میں مضائقہ نہیں فرماتے تھے بلکہ بڑی دریا دلی سے اپنے سے اخذ کرنیوالی ہستیوں کا خیر مقدم کرتے۔ اور جیسے کہ خود اس کے لئے تیار رہتے کہ جب کبھی حدثنا کی آواز ان کے کانوں میں پڑے بصد شوق اسے سنتے اور انتہائی اہتمام سے اس کو محفوظ رکھتے ویسے ہی اہتمام سے ان لوگوں کو پہنچا دیتے جو اس کے قدر شناس و شائق ہوتے اور ان کے حفظ و اہتمام کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔

جب کبھی ہم کو کسی واقعہ کی تلاش ہو تو ہم کو اسی قسم کے حضرات سے اس واقعہ کے معلوم کرنیکی کوشش کرنی چاہئیے کیونکہ انکی احتیاط کا یہ حال ہے کہ جو سنتے ہیں وہ دوسرے تک پہنچا دیتے ہیں گو اس کا مضر اثر ان پر ہی کیوں نہ ہوتا ہو تو اب کونسی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کے بیان پر وثوق کیا جائے اور انکی بات نہ مانی جائے گو اس کے ساتھ ہم ان فقہائے محدثین کے کچھ کم ممنون کرم نہیں ہیں جنکی کوششوں کی بدولت دودھ کا دودھ پانی کا پانی علیحدہ علیحدہ نظر آتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا ۔ اور آپ کے کسی اور بھائی کو یہ شرف

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ابراہیم کی کینت ابو اسحٰق یا ابو عبداللہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب محصور تھے تو آپ خدمتگزاری کے لئے حاضر تھے ۔ ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں پچھتر برس کی عمر میں وفات پائی ۔ عمر کی جو تعداد بیان کی ہے وہ بہت زیادہ کم ہے ۔ ابھی آپ نے معلوم کیا کہ حضور کی حیات میں آپ پیدا ہو چکے تھے اور سب سے اخیر ہی سال لیا جائے تو ۱۱ھ میں یقیناً آپکی پیدائش ہو جانی چاہیے تو اب ۹۵ھ میں آپ کی عمر چوراسی ہوتی ہے اور پھر یہ امر اس کے اور موئید ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ۔ اگر ۲۰ھ میں آپ کی پیدائش لیا ئے جس سے ۹۵ھ میں آپ کی عمر پچھتر سال کی ہو جاتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت آپ صرف تین چار ہی برس کے ہوں گے ۔ اور حیات نبوی میں آپ کی پیدائش صحیح نہو گی ۔

حرہ کے واقعہ میں آپ مقید ہو کر مسلم کے سامنے پیش کئے گئے ۔ اس نے آپ کو بیچا نکر بیٹھنے کی درخواست کی اور آپ سے کہا کہ آپ یاد کیجئے کہ معاویہ کے پاس آپ تشریف فرما تھے ایک شخص آیا تھا جکی ان کے پاس شکایت پہنچی تھی وہ اپنے عذر بیان کرتا تھا اور قسم کھاتا تھا اور معاویہ نہ عذر سنتے تھے اور نہ قسم کا اعتبار کرتے تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ جب وہ عذر کرتا ہے تو آپ کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اس کا عذر رد کر دیں اور اسکی قسم کا اعتبار نہ کریں ۔ چنانچہ آپ کے فرمانے سے اس کا قصور معاف کر دیا ۔ یاد کر کے آپ اسکو پہچان سکتے ہیں آپ نے فرمایا کہ واقعہ یاد دلانے سے یاد تو آتا ہے مگر اس شخص کو پہچان نہیں سکتا ۔ اس نے کہا میں وہی شخص ہوں جو مجرم کی حیثیت سے اس وقت حاضر تھا میں آپ کا گذشتہ احسان ممنون کرم ہوں اس لئے آپ اور جس کو آپ امان میں کہدیں وہ امان میں ہے چنانچہ آپ نے جس جس کے متعلق سفارش کی سب کو چھوڑ دیا (ابن عساکر ج۲ ص۲۲۵) آپ بہت زیادہ کوتاہ قد تھے ' آپ سے

حاصل نہ ہوا تھا۔

ایک[11] نکاح ام حریث جو بہراء کی قیدیوں میں آئی تھیں ان سے ہوا تھا انسے ایک صاحبزادے مصعب[1] اور دو[2] صاحبزادیاں امنہ اور مریم تھیں۔ آپکے صاحبزادے ابوالابیض سہیل[2] کی والدہ[12] مجد بنت یزید بن سلامہ تھیں۔ اور آپ کے صاحبزادے عثمان[3] کی والدہ غزال[13] بنت کسریٰ (یکے از اسیران مدائن) تھیں۔ اور آپ کی صاحبزادی ام یحییٰ کی والدہ زینب[14] بنت صباح بن ثعلبہ (یکے از اسیران مدائن) تھیں۔ اور جویریہ[4] آپ کی صاحبزادی کی ماں[15] کا نام بادیہ بنت غیلان ثقفی[5]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کیا تھا مگر عرصہ تک قائم نہ رہ سکا (الاعلاق النفیسہ لابن رستہ) پھر حضرت سعد ابن ابی وقاص کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ ہشام کے زمانے میں آپ مدینہ کے قاضی بھی رہے (معارف ابن قتیبہ) ۱۲ [1] انکا نکاح انکی چچازاد بہن لیلیٰ بنت الاسود سے ہوا تھا ان کے بطن سے دو اولاد تھیں زرارہ جسکی وجہ سے آپکی کنیت ابو زرارہ تھی اور دوسری کا نام عبدالرحمٰن تھا (ابن سعد) آپ بہت بہادر تھے۔ عبدالملک نے ایک اپنے فوجی سے جو کہ شامی تھا دریافت کیا کہ سب سے زیادہ بہادر تم نے کسی کو پایا۔ اسنے کہا کہ معصب بن عبدالرحمٰن کو" حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ شہید ہوئے صاحب استیعاب نے انکی والدہ کا نام نفیسہ بتلایا ہے جو قبیلہ بہزسے تھیں ۱۲ [2] انکا نکاح ثریا سے ہوا ان کی اولاد نہ ہوئی (معارف) تہذیب التہذیب میں عبدالمجید بن سہیل بن عبدالرحمٰن عوف لکھا ہے معلوم نہیں کہ سہیل کے علاوہ کوئی آپکی اولاد میں سہیل بھی ہے یا نہیں۔ امام بخاری نے بھی کچھ نہیں لکھا اپنی تاریخ میں عبدالمجید کا تذکرہ کرتے ہیں اور سہیل بن عبدالرحمٰن ہی لکھتے ہیں۔ ۱۲ [3] انکی اولاد بصرہ منتقل ہو کر چلی آئی (معارف) ۱۲ [4] حضرت عبدالرحمٰن کے بھانجے مسور بن مخرمہ کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی ام ابراہیم پیدا ہوئی (ابن سعد) ۱۲ [5] انکا انتقال بعہد دونوں میں

تھا آپ کے تین لڑکے ام ولد سے تھے جن کے نام عروہ۔ یحییٰ۔ بلال تھے۔
آپ کا ایک نکاح ام حبیبہ بنت جحش سے (جو ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں) ہوا تھا[1]۔ ان کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن کی کوئی اولاد نہیں ہوئی ابن سعد کا خیال ہے کہ آپ کا نام حبیبہ ہے اور کنیت ام حبیب بعد میں لوگوں نے اختلاط کر دیا ہے آپ سات سال تک امراض نسوانی میں سخت مبتلا رہیں[2]۔

سعید ابن العاص فتح شام کے بعد جب مدینہ آئے تو ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نفر یجا جا رہے تھے۔ آبادی کے باہر چند عورتیں نظر آئیں جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام کیا حضرت نے ان کا حال دریافت کیا معلوم ہوا کہ سفیان بن عویف کی بیوی اور انکی بچیاں ہیں، انکی بیوی نے دربار خلافت میں یہ عرض کیا کہ سفیان تو شہید ہو گئے اب یہ لڑکیاں قابل نکاح ہو چکی ہیں آپ کچھ انتظام فرمائیں چنانچہ آپ نے ایک لڑکی کا نکاح سعید سے اور ایک نکاح حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف سے کر دیا[3]۔

تفصیل بالا میں آپ کو اکیس[۲۱] اولاد ذکور کے نام ملے ہونگے اور آٹھ[۸] اولاد اناث کے۔ غرضکہ مجکو یا آپ کو ابتک آپکی کل انتیس[۲۹] اولاد کا پتہ چلا ہے۔ مؤرخ نیشاپوری اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ آپ کا ذکر ہے مگر اس کا تذکرہ نہیں کہ آپ حضرت عبدالرحمٰن رض کے نکاح میں آئیں مگر علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی تصریح کی ہے کہ آپ حضرت عبدالرحمٰن کے نکاح میں آئیں یہ بادیہ وہی ہیں جن کے حسن و جمال کی تعریف مخنث نے کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق سے سن لیا تھا اور اسوقت یہ حکم فرمایا تھا کہ آج سے مخنث زنانہ میں نہ آیا کریں (فتح الباری کتاب النکاح باب ما نہیٰ من دخول المتشبہین) آپ عرصہ تک امراض نسوانی میں مبتلا رہیں ۱۲ منہ۔

[1] سنن نسائی کتاب الطہارۃ ۱۲ منہ [2] بخاری شریف باب عرق الاستحاضۃ ۱۲ منہ [3] طبری ۱۲ منہ۔

اور صاحب تراجم ابن اسحاق نے صالح بن ابراہیم آپ کے پوتے کو آپ کا بیٹا لکھدیا ہے، ابن قتیبہ نے معارف میں مسور بن عبد الرحمٰن صالح کے بھائی کو آپ کا بیٹا لکھا ہے اور لکھا ہے کہ حرّہ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔

مرض الموت اور آپکی وفات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۳۱ھ میں جب نکسیر کے مرض میں سخت مبتلا ہوئے[1] تو اکثر صحابہ کو آپ کی حیات سے ناامیدی ہوگئی تھی لوگوں نے آپ سے اپنا خلیفہ بنانے پر اصرار کیا[2] اسی اصرار کی بناء پر آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلاکر وصیت کی کہ میرے بعد میرے قائم مقام تم ہونا انھوں نے صاف انکار کردیا[3] اس کے بعد آپ نے حضرت عبد الرحمٰن کے متعلق اپنے کاتب حمران سے وصیت لکھادی اس نے ناسمجھی سے قبل از وقت ظاہر کردیا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور جلاوطن کرکے بصرہ بھیجدیا[4]۔ یہی واقعہ ابن مسکویہ نے تجارب الامم میں نقل کیا ہے "حمران کے جلاوطن کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عثمان نے اپنی بیماری میں اس سے کہا کہ میرے بعد کیلئے عبد الرحمٰن کے نام وصیت نامہ لکھو۔ اس نے وصیت نامہ لکھا اور حضرت عبد الرحمٰنؓ کے پاس چلا آیا اور بڑی مسرت وشادمانی کے لہجہ میں کہا کہ

---

[1] اس سال یہ مرض بہت کثرت سے پھیلا تھا چنانچہ اس سال کا نام ہی عام رعاف ہوگیا یعنی نکسیر کا سال ۱۲ر [2] بخاری باب مناقب الزبیر۔ بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ نے وصیت بھی کردی مگر کسکو منتخب کیا اس کا تذکرہ نہیں ہاں جب لوگوں نے حضرت زبیر کا اس موقعہ پر تذکرہ کیا تو آپ نے عمدہ الفاظ ان کے متعلق فرمائے ۱۲ر [3] ابن عساکر ج ۵ ص ۳۶۱ ۱۲ر

[4] فتح الباری جلد، مناقب زبیر ص ۶۴ ۱۲ر

خوشخبری اور مبارکباد ہو' حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے قاعدہ کے مطابق کہا کہ اللہ تعالےٰ تم کو بھی مبارک کرے اس کے بعد اس نے واقعہ کی اطلاع دی حضرت عبدالرحمٰن رضؓ اس کے لئے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے اور ان سے واقعہ کہا اس نے حضرت عثمان کو جو اس پر اطمینان تھا وہ جاتا رہا اس کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دیا اور سزاءً جلاوطن بھی کر دیا ۔ ؎۱

مختصر یہ کہ حضرت عثمان کی یہ وصیت آپ پر بہت شاق ہوئی آپ نے خدا سے دعا کی کہ اے میرے مولا! مجکو عثمان سے پہلے اپنے پاس بلا لے دعا اجابت کے وقت ہوئی تھی قبول ہو گئی عالم اسباب میں یوں سلسلہ جوڑا گیا کہ آپ بیمار ہو گئے اور علالت نے طوالت اختیار کی، آپ سن طبعی کو بھی پہنچ چکے تھے، ضعف بڑھتا گیا اب جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی کہ روح جیسی لطیف شئے کے بار کی بھی متحمل ہو۔ وفات کے قبل آپ پر غشی طاری ہوئی اس کے بعد ہوش آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دو فرشتے سخت مزاج آئے اور کہا اسکو خداوند ذوالجلال کے دربار میں لے چلو وہاں اس سے باز پرس کیجائیگی معاً دو فرشتے خوش خلق نرم گفتار ظاہر ہوے ان دونوں نے کہا کہ اس کی سعادت شقاوت پر ماں کے پیٹ ہی میں غالب آچکی ہے ؎۲ ۔

؎۱ الریاض المستطابہ ۱۲ ؎۲ ابن سعد وغیرہ حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو اس طور سے نقل کیا ہے کہ آپ پر غشی طاری ہوئی تو لوگوں نے سمجھا کہ آپ کی وفات ہو گئی لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ کو کپڑا اوڑھا گیا اور آپ کی بیوی ام کلثوم مسجد گئیں اور نماز میں مشغول ہو گئیں تھوڑی دیر کے بعد آپ کو افاقہ ہوا اور آپ نے اللہ اکبر کہی

کفن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک عورت ایک نئی چادر لیکر آئی اور عرض کیا کہ حضور اپنے ہاتھ سے بُن کر لائی ہوں آپ نے اس کو ازار کے طور پر استعمال فرمایا اور بڑی تعریف کی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حاضر تھے آپ نے طلب کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی باندھا تھا اس لئے کچھ دیر استعمال کے بعد آپ کو بھجوا دی آپ نے لوگوں سے بیان کیا کہ میں نے کفن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکو طلب کیا ہے ورنہ مجھکو کپڑے ضرورت نہ تھی راوی کا بیان ہے کہ وہی چادر آپ کے کفن میں استعمال کیگئی۔[1]

نماز جنازہ

جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وصیت کی[2] اور وصیت کے مطابق آپ ہی نے نماز پڑھائی[3]

مدفن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں رفیقوں سے آپ کے جو تعلقات تھے اس پر اس واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ کے مرض الموت میں حضرت عائشہ نے آپ کی استدعا کے بغیر یہ کہلا بھیجا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ تکبیر بلند کی آپ کی معیت میں سب گھر والوں نے تکبیر کہی پھر آپ نے پوچھا کیا مجھکو غشی ہوگئی تھی لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں اس کے بعد آپ نے فرمایا دو فرشتے میرے پاس آئے جس میں ایک سخت مزاج تھا اس نے کہا کہ چلو قادر مطلق کے دربار میں ۔ یکایک ان کو ندا آئی کہ اسکے پاس سے لوٹ جاؤ یہ تو ان لوگوں میں سے ہے جنکی تقدیر میں سعادت و نجات ان کے پیدا ہونے سے پہلے لکھدیجاتی ہے ۔ اور ابھی اس کی اولاد اس سے متمتع ہوتی رہیگی چنانچہ اس کے ایک ماہ کے بعد آپ نے انتقال فرمایا (مستدرک) ۱۲ منہ [1] بخاری باب النساج وباب من استعد الکفن ۱۲ [2] استیعاب ۱۲ [3] ابن سعد ۱۲ [4] الریاض المستطابہ ۱۲

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ہمنشینوں کے ساتھ دفن ہوں ! | ان یدفن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ

مگر آپ نے پاس ادب ملحوظ رکھتے ہوئے انکار کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ مجھ سے اور عثمان بن مظعون سے معاہدہ ہوچکا تھا کہ ہم میں جو آخر میں وفات پائے وہ پہلے کے پہلو میں دفن ہو چنانچہ آپ ان کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو آپ ہی کے پہلو میں دفن کیا تھا اور فرمایا تھا[۱]

ہمارے اگلے لوگوں یعنی عثمان بن مظعون سے ملگیا۔ | الحق بسلفنا عثمان بن مظعون

چنانچہ جنۃ البقیع میں تینوں حضرات ایک ہی قبہ میں آرام فرماتے ہیں[۲] اور عجیب اتفاق کہ آپ کی زندگی میں معلم الامۃ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق وجا ستھے مرنے کے بعد بھی وہ آپ کے پڑوسی رہے اور یہیں آپکے قریب دفن ہوئے[۳]

عمر شریف

۳۱ھ میں آپ کی وفات بیان کیجاتی ہے مگر میرے نزدیک ان مؤرخین کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو ۳۲ھ میں آپ کی وفات بیان کرتے ہیں کیونکہ سنہ عام فیل میں آپ کی پیدائش ہے اور آپکی ولادت کے تینتالیس ۴۳ برس بعد ۱ھ شروع ہوتا ہے اور ۳۲ھ میں وفات تسلیم کیجائے تو آپ کی عمر پچھتر برس کی ہوگی[۴]۔ اور عمر کے بارے میں صحیح ترین قول یہی ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ محدثین عام طور سے اسی کے مؤید پائے جاتے ہیں کہ ۳۲ھ میں وفات پائی[۵]

---

[۱] جمع الفوائد نقلاً عن الطبرانی الکبیر ۱۲ [۲] الریاض المستطابۃ ۱۲ [۳] ابن سعد ۱۲

[۴] مستدرک ۱۲ [۵] فتح الباری ج ۷ ص ۶۴ ۱۲

وصیت

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے چھوٹے بچوں کی نگہداشت کی وصیت کی[1]۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ آپ کے بعد آپ کے مال واسباب کی نگرانی کرتے اور آپکی اولاد پر حسب ضرورت صرف کرتے[2]۔

کاشت کے لئے جو زمینیں آپ کے پاس تھیں وہ تمام آپکی ملکیت میں داخل نہ تھیں بلکہ بعض حصوں کے اور لوگ مالک تھے اور آپ متعین شرح سے اس کا کرایہ (لگان) ادا کرتے تھے۔ کچھ کرایہ (لگان) باقی رہ گیا تھا۔ اپنے صاحبزادوں کو اس کے ادا کی وصیت کی[3]۔

آپکی وفات پر صحابہ کا رنج

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شیریں پانی تم پی گئے اور تلخ و ناگوار ہمارے لئے چھوڑ گئے[4]۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص کو آپ کی وفات کے صدمے نے ہوش بجا نہیں رکھا تھا ایک وارفتگی کے عالم میں چیخ چیخ کر پکارتے تھے واجبلاہ اے میرے پہاڑ۔ اے میرے پہاڑ[5]۔

آپکے رشتہ دار

آپ چار بھائی تھے۔ سب سے بڑے حسن تھے۔ آپ اسلام لائے اور اسلام میں آپ کی عمر ساٹھ برس گذری لیکن اپنے وطن سے اتنی محبت تھی کہ ایک بار بھی مدینہ تشریف نہ لائے[6] اور اکیسویں برس کی عمر میں وفات پائی[7]۔ ایک بھائی کا نام اسود تھا۔ یہ آپ کے حقیقی بھائی تھے۔ اور آپ کے متعلق صحیح قول یہ ہے[8] کہ قبل فتح مکہ ایمان لائے۔ اور ہجرت بھی کی[9]۔ حضرت عائشہ کے ساتھ واقعہ جمل میں

---

[1] ابن عساکر حالات زبیر ۱۲ [2] اصابہ تذکرۂ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ۱۲ [3] مؤطا الکھو باب کراء الارض ۱۲ [4] ابن سعد۔ آپکی نظر کے سامنے تمام واقعات تھے۔ خیر القرون کا دور گذر رہا تھا۔ باب فتنہ وا ہو چکا تھا انہی تمام امور کی طرف اشارہ ہے ۱۲

[5] طبقات ابن سعد ۱۲ [6] اصابہ ۱۲ [7] اسد الغابہ استیعاب [8] القول المختار فی طبقات الصحابۃ والتابعین الاخیار قلمی مخزونہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ۱۲

[9] صاحب اسد الغابہ کا بیان ہے کہ فتح مکہ میں ایمان لائے۔ استیعاب ابن سعد ۱۲

شریک تھے۔ اور اسی جنگ میں شہادت پائی۔[1]

ایک بھائی عبداللہ بن عوف تھے جو فتح مکہ میں ایمان لائے۔[2] اور مدینہ آکر قیام کیا۔ ابو لؤلؤ نے جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خنجر سے زخمی کیا تھا اور آپ کے علاوہ اور متعدد لوگوں کو زخم لگا چکا تھا اسوقت عبداللہ ہی کو یہ ترکیب سوجھی تھی کہ چادر اس پر اس طور سے ڈالدی جائے کہ اس کے ہاتھ بندھ جائیں اور اپنی تدبیر پر سب سے پہلے خود ہی عمل کیا اور اس پر اپنی چادر پھینکی اور انتہائی سرعت و تیزی سے اسکی گردن پکڑ لی اور اس طریقہ سے وہ گرفتار ہو گیا۔[3] حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات کے وقت آپ مدینہ ہی میں مقیم تھے۔ انکے لڑکے کا نام طلحہ تھا جنکی شادی مسور بن مخرمہ کی لڑکی ام ابراہیم سے ہوئی تھی۔ طلحہ کی ایک شادی ام ابراہیم کے بعد ان کی علاتی بہن امۃ الرحمٰن سے ہوئی تھی۔[4]

موطا مالک کی ایک روایت سے آپ کے ایک اور بھائی مکمل بن عوف کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ قبل از اسلام وفات پاگئے۔ ہاں! انکی اولاد مشرف باسلام ضرور ہوئی ہے۔ علامہ ابن حجر کا خیال یہ ہے کہ یہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بھائی نہیں چچا ہیں مگر نسب نامہ پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چچا نہیں ماموں ہیں۔ یہ امر دیگر ہے کہ رشتہ میں چچا بھی ہوتے ہوں۔

آپ کی والدہ کے تذکرہ میں آپ کی دو بہنوں شفا، عاتکہ، کا تذکرہ آچکا ہے دارقطنی کی ایک روایت ہے کہ آپکی بہن سیدنا حضرت بلالؓ کے نکاح میں تھیں۔ علامہ نے

---

[1] معارف ابن قتیبہ ۱۲ [2] اصابہ ۱۲ [3] فتح الباری جلد، واقعہ شہادت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۱۲ [4] ابن سعد ۱۲

تلخیص الحبیر میں ان کا نام ہالہ بتلایا ہے ۔ اصابہ میں صرف دارقطنی کے واقعہ کا تذکرہ کیا ہے ان کے اور حالات زندگی نہیں ہیں ۔ علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی آپ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ۔

آپ کے دو چچا زاد بھائی تھے ۔ طلیب بن ازھر ۔ مطلب بن ازھر ۔ یہ بھی ابتدائی عہد کے مسلمانوں میں ہیں مگر ہجرت حبشہ کی وجہ سے غزوۂ احد و بدر کی شرکت سے محروم رہے ۔ شاید طلیب کے ایک بھائی عبدالرحمٰن بن ازھر اور تھے ۔ غزوۂ حنین میں حاضر تھے۔ آپ کی ایک اخیافی پھوپی تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے چچا مصعب بن عبدالمطلب کی ماں تھیں[1] ۔

اخلاق، ذاتی اوصاف دینی خدمات

اتقا، پرہیزگاری آج ہم مسلمانوں میں ایک ایسا نقصان پیدا ہوگیا ہے جو یقیناً ہماری بہت سی اخلاقی بیماریوں کا سبب ہے ۔ اور اس کا ہم کو قعر مذلت میں دور تک پہنچانے میں بہت زیادہ حصہ ہے، وہ یہ کہ ہم نے اسباب معاش کے اختیار و دین کو دو خطوط متوازی تصور کر لیا ہے ۔ اور ایک ایسی خلیج حائل سمجھ رکھی ہے

---

[1] تجرید اسماء الصحابۃ ۱۱ر [2] ابن عساکر ج ۱ ص ۲۹۱) ۱۲ر

جو کہیں بھی جاکر ان کو ملنے نہیں رہتی ۔

ایک وہ برکت سے بھرا ہوا زمانہ تھا کہ ایک وقت ایک ہی ہستی ملائکان عرش کے رشک کا باعث ہوتی تھی تو دوسری طرف بڑے بڑے تجار کی آنکھیں ٹھٹک کر رہ جاتی تھیں ۔ جہاں آپ یہ ملاحظہ کریںگے کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ نے اتنا سونا اپنے متروکہ میں چھوڑا جو کلہاڑوں سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا[1] ۔ وہاں اس پر بھی آپ کی نظر پڑیگی کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ بہت طویل نماز پڑھتے تھے اور خدا کی بارگاہ میں عرض معروض کرنے میں ایک معتد بہ حصہ خرچ فرماتے تھے اذاں سنتے ہی مسجد جانے کی تیاری کرتے[2] ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شب کو اتفاقیہ طور پر آپ کے مکان چلے گئے تو آپ کو نماز میں مشغول پایا اور اس اطمینان کے ساتھ کہ مجبوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلد نماز ختم کرنے کا تقاضا کیا[3] ۔ مسور بن مخرمہ کو کچھ رات گذرنے کے بعد اٹھایا اور کہا جا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بلالاؤ اور خود نماز میں مشغول ہو گئے وہ دونوں صاحب آئے تو ختم نماز کا انتظار کیا[4] ۔

حافظ ابن عساکر اور علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ ظہر کے قبل بڑی طویل نماز پڑھتے تھے[5] ۔ آپ خیال فرمائیے جو شخص نفل نماز میں اتنا وقت صرف کرتا ہو وہ اپنے فرض کو کس طور سے ادا کرتا ہو گا ۔

اس میں کیا شک ہے کہ یہ تمام باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کا

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲ [2] اصابہ صفحہ ۹۹۵ مطبوعہ کلکتہ ۱۲ [3] تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۲ ۱۲ [4] تاریخ طبری واقعات ۲۳ھ ۱۲ [5] تہذیب ابن عساکر ۱۲

ادنیٰ کرشمہ تھیں مگر تاہم فطری قابلیت و صلاحیت شرط ہے ؎

صحبت اندر جوہر قابل کند تاثیر و بس　　ورنہ شاخ گل ز بوئے گل چرا محروم شد

اور اسی فطری صلاحیت کا ایک معمولی اثر تھا جس نے کفر کی حالت میں بھی ہمیشہ شراب سے مجتنب رکھا[1]

خشیت الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بلا واسطہ سُن چکے تھے کہ آپ نے بلا کسی شرط کے فرما دیا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف فی الجنۃ السابقون الاولون من المہاجرین[2] میں داخل تھے اس مبارک غزوہ میں شریک تھے کہ جس کے متعلق حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا فرمان ہے قد غفرت لکم فاعملوا ما شئتم، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ عبد الرحمٰنؓ نیک ہیں، صابر ہیں، سچے ہیں[3]، امین ہیں۔ صالح ہیں[4] مگر پھر بھی خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ ایک گھڑی کے لئے بھی اپنے خاتمہ سے بےخوف نہیں رہتے تھے۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ کے پوتے حضرت ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت روزہ سے تھے اور افطار کا وقت ہو گیا یکایک خداوند ذو الجلال کی بے نیازی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہوا اور اپنے رفیقوں کی یاد نے ایسا بےچین کیا کہ آپ زار زار

---

[1] اصابہ ۱۲ منہ [2] قرآن شریف کی آیت کا ٹکڑا ہے پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار کی جماعت میں جو لوگ مسلمان ہونے میں سابق ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے اخلاص سے انکی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے۔ اور اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں بنائی ہیں کہ جن میں نہریں بہتی ہیں اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہینگے اور یہ عظیم الشان کامیابی ہے ۱۲ منہ [3] ترمذی ۱۲ منہ [4] مسند حنبل ۱۲ منہ [5] علامہ ابن عبد البر اسکو مرض الموت کا واقعہ کہتے ہیں (فتح الباری غزوۂ احد) ۱۲ منہ

رونے لگے ۔ اور یہ کہتے جاتے تھے کہ بہت اچھے وقت چلے گئے دنیا میں جو اتنی مال و دولت دیگئی ہے کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ تو نہیں ہے جو دنیا ہی میں دیدیا گیا ہو اور وہاں کچھ باقی نہ رہا ہو ۔ یہ کہکر بے اختیار رونے لگے اور اس وقت کا کھانا بھی نہ کھاسکے[۱] ۔

اور آپ کے صاحبزادے ابراہیم کے لڑکے سعد واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عبدالرحمٰن رض روزہ سے تھے افطار کے بعد کھانا لایا گیا آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی

قتل حمزۃ فلم یوجد ما یکفن الا ثوب واحد[۲] | حضرت حمزہ کا انتقال ہوگیا ۔ بجز ایک کپڑے کے کچھ اور میسر نہوا ۔

رقت قلب

خشیت الٰہی کا یہ اثر تھا کہ قرآن شریف پڑھتے وقت آپ پر ایک خاص حالت طاری ہوتی تھی حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ

فلم ار رجلاً یجد من الاقشعریرۃ مایجد عبد الرحمٰن رض عند القرأۃ | میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ قرآن شریف پڑھتے وقت عبدالرحمٰن بن عوف رض کی طرح اسکے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہوں[۳]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس میں ایک شخص نے دردناک لہجہ میں قرآن شریف پڑھا تمام حاضرین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے حاضرین میں آپ ہی ایک شخص تھے جن کے آنکھ سے آنسو نہ نکلے تھے یہ بدگمانی کا موقع تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مخصوص تعلقات آپ سے تھے اس کا تقاضا ہوا کہ خاص طور پر اس بدگمانی کو رفع کریں چنانچہ آپ نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا[۴] ۔

---

[۱] بخاری شریف باب غزوۂ احد ص ۵۷۹ وکتاب الجنائز باب اذا لم یوجد الا ثوب واحد ص ۱۷۰ ۱۲ منہ [۲] اتحاف المہرۃ ۱۲ [۳] کتاب الحدود باب رجم الحبلی فتح الباری (ج ۱۲) ۱۲ منہ [۴] کنز العمال ۱۲ منہ

گو عبد الرحمٰن کی آنکھ سے آنسو نہ نکلے مگر ان کے قلب پر رقت طاری ہوئی ۔	ان لم یکن عبد الرحمٰن فاض علینہ فاض قلبہ

ایک اور واقعہ ابو رباح فرماتے ہیں کہ فرطِ خشیت سے طواف میں دعا فرماتے تھے اللّٰھم قنی شح نفسی اے اللہ مجھے نفسانی طمع سے محفوظ رکھیو[1]۔

یاد مرگ حضرت نوفل بن ایاس نے ایک روز اپنے احباب کے جلسہ میں حضرت عبد الرحمٰن کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کیا اور یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک روز ہم کو مکان پر لے گئے خود اندر جاکر غسل کیا اور ہاتھ میں روٹی اور گوشت کا پیالہ لیکر باہر نکلے اور آپ پر گریہ طاری تھا ۔ حضرت نوفل کے اصرار پر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے رحلت کر گئے اور جو کی روٹی بھی شکم سیر نہیں کھائی میں بجز اس کے اور کچھ نہیں سمجھتا کہ ہمارے لئے جو بہتر چیز تھی (یعنی موت) اس میں تاخیر کر دیگئی ہے[2]۔

حیا آپ کے صاحبزادے ابراہیم سے ایک شخص نے واقعہ بیان کیا کہ مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملکر ان سے گفتگو کروں گا چنانچہ وہ مدینہ آئے تو سب لوگوں سے ملاقات ہوئی حضرت عبد الرحمٰن کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ انکی زمین کچھ موضع جرف میں ہے وہاں گئے ہوئے ہیں وہ صاحب وہاں پہنچے تو حضرت لنگی باندھی ہوئے تولیہ سے بدن کے نیچے کا حصہ پونچھ رہے تھے

---

[1] استیعاب ۱۲ ۔ [2] شمائل ترمذی ۱۲

ان کا بیان ہے کہ مجھکو دیکھتے ہی تولیہ پھینکدیا۔ اور فوراً لنگی باندھ لی، انھوں نے اپنی گفتگو کا جواب لیا اور واپس چلے آئے[1]۔

مساوات کا سچا نمونہ فرزندان اسلام کے حلقہ میں جس کثرت سے نظر آئیگا اسکی نظیر سے دوسری قومیں عاجز ہیں، خدا کی تمام مخلوق کو ایک نظر سے دیکھنا، مالک اور مملوک کا فرق نکرنا، حاکم محکوم کے امتیاز کو عملاً بالائے طاق رکھنا مسلمانوں ہی کے لئے ہمیشہ طرۂ افتخار رہا ہے۔

صحابہؓ جو واقعی اسلام کی سچی تعلیم کے سچے نمونے ہیں اس میں اسکی نظیر بڑی کثرت سے پائی جاتی ہے۔

حضرت عبد الرحمنؓ کے تموّل اور عزت کے واقعات کچھ آگے آئینگے مگر باینہمہ آپ کی سادہ معاشرت کا نمونہ علامہ ابن قیم کے الفاظ میں یہ ہے[2] کہ

کان لا یعرف من بین عبیدہ } آپ میں اور آپ کے غلاموں میں کوئی امتیاز نہ تھا

حج آپ حج کو کل کئی بار تشریف لے گئے معلوم کرنا دشوار نظر آتا ہے مگر آپ کا سات حجوں میں موجود ہونے کا مورخین کی تصریح سے ذکر کرتے ہیں جو آپ نے مدینہ میں آنے کے بعد یعنی ہجرت کے بعد کئے۔ پہلی مرتبہ شاید حضرت ابو بکرؓ جب امیر حج بنا کر بھیجے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے عقب میں سورۃ براۃ کا اعلان سنانے گئے تھے اس سال آپ بھی تشریف لیگئے تھے اسکے بعد حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں اس کے بعد ۱۳ھ و

---

[1] ابن عساکر (ج ۲۷ صفحہ ۱۲۶) ۱۲ منہ [2] صفوۃ الصفوۃ قلمی از علامہ ابن جوزی ۱۲ منہ

سنہ ۱۲ھ اور سنہ ۱۳ھ میں لگاتار تشریف لیگئے اور سنہ ۲۳ھ و سنہ ۲۴ھ میں پھر گئے[1]، سنہ ۲۹ھ میں بھی آپ تشریف لیگئے تھے اور شاید اپنی وفات تک ازواج مطہرات کے ساتھ برابر حج کو آپ جاتے رہے جب مکہ تشریف لاتے تو اپنے قدیم مکان پر ٹھہرنا پسند فرماتے تھے[2]

امارت حج

سنہ ۱۳ھ میں حضرت عمرؓ نے آپ کو امیر حج بناکر روانہ کیا[3] اور حضرت عثمانؓ کو ازواج مطہرات کی خدمت کے لئے روانہ کیا تھا آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنا آگے رکھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ازواج مطہرات میں سے کسی کے قریب نہیں ہو سکتے تھے۔ اور خود اتنے پیچھے رہتے تھے کہ کسی کے قریب نہیں ہوتے تھے۔ سنہ ۲۴ھ میں بھی آپ نے حضرت عثمانؓ کیساتھ یہ خدمت انجام دی[4]

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بھی آپ نے ایک بار یہ خدمت اور انجام دی[5]۔ سنہ ۲۴ھ میں دوبارہ حضرت عثمانؓ نے امیر حج بناکر بھیجا۔ بعض مؤرخین سنہ ۱۱ھ میں عتّاب بن اسید کے عوض آپ ہی کو امیر حج لکھتے ہیں[6] اور بعض سنہ ۱۲ھ میں بھی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آپ ہی کو امیر حج بتاتے ہیں[7]۔

آپ کی فقاہت و افتا

یہ موضوع ایک مستقل اور بڑا موضوع ہے آپ کے فتاوی اور مسائل کے متعلق اگر اسے جمع کیجائیں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ اصابہ کے مقدمہ میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

الکثر الصحابۃ فتویٰ سبعۃ ویلیہم } صحابہ میں سات شخصوں کے فتاوی بہت زیادہ

---

[1] تاریخ کامل وطبری ۱۲ [2] ابن سعد ۱۲ [3] تاریخ یعقوبی ص۱۸۱ ۱۲ [4] بخاری شریف جلد ا باب حج النساء ۱۲ [5] فتح ج۴ ص۶۲ ۱۲ [6] ابن اثیر ج۲ ص۱۹۵ وطبری ۱۲ [7] ابن اثیر جلد ص۱۸۱ ۱۲

تعداد بیس ہیں اور ان ہی کے قریب ہیں اور صحابہ بھی ہیں کہ ان کے فتاوی کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوتی ہے گو نسبتاً ان سات سے کم ہے۔

عشرون وھم ابوبکر و عبد الرحمٰن بن عوف الخ ( ) ص۹

اس کے بعد ان بیس کے نام شمار کرائے ہیں اس میں حضرت عبد الرحمٰن رضؓ کا نام نامی بھی ہے، اسی وجہ سے اس موقعہ پر صرف اتنا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ فتوٰی دیتے تھے چنانچہ علامہ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ

کان عبد الرحمٰن بن عوف ممن یفتی علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عبد الرحمٰن بن عوفؓ ان لوگوں میں تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتوٰی دیتے تھے

اس کے بعد عہد صدیقی، عہد فاروقی، اور عہد عثمانی تینوں عہدوں میں بھی آپ کے متعلق افتاء کی خدمت رہی[۲] صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ سے مسائل میں مشورہ لیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ آپ کے فرمانے ہی پر مجوسیوں[۳] سے لیا۔

ذوق سخن، شاعری،

سیر و تاریخ کی صفحہ گردانی ہم کو کسی ایسے واقعہ کا پتہ نہیں دیتی کہ ہم فیصلہ کر سکیں کہ آپ شاعر تھے یا نہیں اور اگر تھے تو کس پایہ کے تھے۔ اور مجھکو اپنی اس

[۱] فصل سابع کتاب العلم (ص۳۲۹)۱۲ [۲] ابن سعد ۱۲ [۳] بخاری کتاب الجہاد باب الجزیۃ ص۴۴۷)۱۲

مایوسی پر کچھ افسوس بھی نہیں ہے کیونکہ میں نے ادب کی کتابوں میں پڑھا ہے۔[1]

کہ حضرت ابوبکرؓ نے شعر نہیں کہا اور نہ حضرت عمرؓ نے اور نہ حضرت عثمانؓ نے۔	ولم یقل ابوبکر ولا عمر ولا عثمان شعراً۔

جب آپ کے رفیق اور ہر وقت کے پاس بیٹھنے والوں نے وماینبغی له کا اتنا ادب ملحوظ رکھا تو اس فضیلت میں بھی آپ ان کے دوش بدوش نظر آتے ہیں تو کیا تعجب کی بات ہے میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا کہ تحقیق کی آخری حد یہی ہے لیکن صاحب تاریخ النحاۃ یہ دعویٰ فرماتے ہیں

صحیح طریقے سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی اور نہ ہی ہم کو معلوم ہوا کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شعر کہا بجز ان دو بیتوں کے۔	ماصح عندنا ولا بلغنا ان علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال شعراً الاهذین البیتین۔

فطرت انسانی کو عموماً اور عرب کی سرزمین کو خصوصیت کے ساتھ شاعری سے کیا نسبت ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہر معمولی پڑھا لکھا انسان بھی اس سے اچھی طرح واقفیت ہی نہیں بلکہ اس کے متعلق کافی معلومات رکھتا ہے گو آپ شاعر نہ ہوں تو ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آپ بدذوق تھے، آپ ایک حج[2] کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اپنی ایک ہمسفر خوات بن جبیر[3]

---

[1] حاشیہ مغنی اللبیب (۱/۲ ص ۱۹۶) ۱۲ منہ [2] ازالۃ الخفاء ص ۲۰۱ مقصد دوم ۱۲ منہ [3] خوات بن جبیر انصاری ذات النحیین کے شوہر تھے تمام غزوات میں شریک ہوئے بعض محدثین کو ان کی شرکت بدر میں اختلاف ہے اختلاف کی بنا میرے خیال میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مال غنیمت سے حصہ دیا

نامی سے فرمایا کہ ضرار[1] کے اشعار یاد ہوں تو پڑھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے ہی اشعار پڑھو چنانچہ حضرت خوات رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد کی اور تمام لوگ اس ذوق سے سنتے رہے کہ ساری رات گذر گئی اور صبح کی نماز کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمانے پر کہ بس کرو خبردار ہوئے۔ علامہ ابن حجر نے سائب کی روایت سے ایک واقعہ اور نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سفر میں تھے کہ آپ نے رباح بن مغترف سے کہا کہ کچھ اشعار پڑھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حالانکہ آپ جنگ میں شریک نہ تھے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جنگ سے قبل اسی جنگ کے تہیہ میں تھے کہ کفار کی طرف سے تیر آیا جس سے آپ کو سخت چوٹ آئی اور آپ بیکار ہو گئے (ابن سعد طبری) میانہ قد کے آدمی تھے۔ مہندی کا خضاب استعمال کرتے تھے۔ (ابن سعد) سنہ ۴۰ھ یا ۴۲ھ میں چوہتر برس کی عمر میں انتقال کیا ہے اور [1] ضرار بن الخطاب میدان رزم و بزم دونوں کے شہسوار تھے بڑے خوشگوار شاعر تھے ان کے باپ بنی فہر کے سردار تھے فتح مکہ میں اسلامی حیات کا دور شروع ہوا اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے مگر یہ غلط ہے کیونکہ آپ فتح مدائن اور فتح شام وغیرہ میں شریک رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ مؤرخ ابن اثیر جمادی الاولی سنہ ۱۳ھ اجنادین کے واقعہ میں انکی شہادت لکھتے ہیں اس کے بعد سنہ ۱۴ھ میں فارسیوں کا سب سے بڑے علم کے چھیننے والے کا نام ضرار ابن الخطاب ہی بیان کرتے ہیں اور سنہ ۱۵ھ میں حضرت سعد کے ساتھ فتح مدائن میں شریک بتلاتے ہیں اور تاریخ کامل ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۶ھ میں ایک فوجی دستہ کے سردار کی خدمت انجام دی مگر یہ امر یقینی ہے کہ آپ شہید ہوئے ہیں خواہ سنہ ۱۳ھ میں یا اس کے بعد اور شہادت کے بعد زندہ ہونا بھی مانی ہوئی بات ہے صرف یہ امر کہ اس عالم کے لوگ بھی ان کو دیکھ سکتے ہیں یا نہیں ضرور محل نظر ہے ایکدن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے آپنے فرمایا کہ ہم لوگ کی نسبت اپنے قبیلہ یعنی قریش کیلئے بہتر ثابت ہوا آپنے جس قریشی کو مارا جہنم رسید کیا اور میرے ہاتھ سے جس کی جان گئی وہ حوروں سے ہمکنار ہوا (اصابہ) ۱۲ منہ

کہا کہ اگر اشعار پڑھتے ہو تو ضرار[1] کے پڑھنا[2]۔ لیکن عرب میں ہجو اور فخریہ اشعار کا رواج تھا آپ کو اس سے نفرت تھی چنانچہ حضرت حسان نے آپ کے ایک حلیف موہب بن رباح اشعری کی ہجو کی موہب نے جواب دیا اس کا جواب الجواب حضرت حسان نے دیا تو حضرت حسان کو بلا کر کہا کہ تم نے موہب کو اپنے شعر میں غلام کہا ہے اپنے منہ بولے غلام کی جو قیمت مانگو وہ مجھ سے لو اب سلسلہ کو مسدود کر دو حضرت حسان نے آپ سے رقم وصول کر لی اور آیندہ کے لئے اس کو معافی دی[3]۔

غزوات میں شرکت اور جنگی مشاغل

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں رہے[4]۔

غزوۂ بدر

میں سواریوں کی قلت تھی چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور آپ باری باری سے ایک ہی اونٹ پر

---

[1] اگر یہ ضرار ابن الخطاب ہیں تو ان سے آپ ابھی ابھی واقف ہو چکے ہیں اور اگر ضرار بن الازور ہیں تو یہ بھی بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔ عرب کے مشہور شاعر ابن زبعری کے ہمپایہ تھے۔ ہمنام ہونیکی وجہ سے مؤرخین نے آپ کے واقعات ابن الخطاب کے واقعات میں اور ضرار بن الخطاب کے حالات کو آپ کے واقعات میں درج کر دیا ہے۔ ابن سعد نے آپ کا بھی یمامہ میں شہید ہونا لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ فتح دمشق میں شریک ہے اور ۱۳ھ میں فحل کو جو فوج روانہ کیگئی تھی اس میں سواروں کے دستہ کے سالار آپ ہی تھے۔ ۱۵ھ میں یرموک کی لڑائی میں حضرت عکرمہؓ نے اپنے دستہ کو مخاطب کر کے کہا کہ کون ہے جو موت پر بیعت کرتا ہے۔ چار سو آدمیوں نے موت پر بیعت کی اور اس سرفروشی اور جانبازی سے یہ دستہ لڑا کہ چار سو کا چار سو کام آگیا۔ انہیں ضرار ابن الازور بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو بنی اسد پر عامل بھی مقرر کیا تھا (تاریخ کامل ج ۲ وغیرہ) ص ۲۱۔ ۱۲ [2] اصابہ ۱۲ [3] ابن عساکر تذکرہ حسان (ج ۴ ص ۱۳۵) ۱۲ [4] ابن سعد ۱۲

سوار ہوتے تھے[1]۔ معاذ اور معوذ عفرا کے دونوں بیٹے قاتلانِ ابوجہل، ابوجہل کو پہچانتے نہ تھے ان دونوں نے آپ ہی سے دریافت کیا تھا کہ ابوجہل کون ہے[2]۔

غزوۂ بدر ہی[3] کے متعلق یہ خاص بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ کے قبیلہ بنوزہرہ کے ہاتھ نہ کسی مسلمان کے خون سے رنگین ہوئے اور نہ بنوزہرہ کی تلواریں اس موقعہ پر خونچکاں دیکھی گئیں یہ اس امر کا قوی قرینہ ہے کہ وہ قبیلہ جس میں آپ پیدا ہوئے تھے اس میں سعادت کا مادہ شقاوت کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

---

[1] تاریخ کامل سیرۃ ابن ہشام۔ حالات غزوۂ بدر ۱۲ [2] بخاری شریف باب من لم یخمس الاسلاب ص۴۴۴ مسند احمد حنبل کی روایت میں بجائے معوذ بن عفراء کے معاذ بن عمرو بن الجموح ہے ملاحظہ ہو مسند حنبل ج ۱ احادیث عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ [3] غزوۂ بدر میں مشرکین نے جو چڑھائی کی تھی اس کا مقصد عمرو حضرمی کے خون کا بدلہ تو تھا ہی لیکن ان قبیلوں کو جن کو حضرمی سے خاص تعلق نہ تھا بعض اور طریقوں سے جنگ پر آمادہ کیا گیا تھا۔ آپ کے قبیلہ سے یہ غلط بیانی کی گئی تھی کہ شام سے جو قافلۂ تجارت آرہا ہے اس پر مسلمان حملہ کریں گے۔ ابھی تمہارے قبیلہ کے سردار مخرمہ بن نوفل (حضرت عبدالرحمن کے بہنوئی) بھی ہیں اور ہمارے سردار بھی ہیں اس لئے انکی حفاظت جس طور پر ہم پر فرض ہے بعینہ اسی طور پر تم پر بھی اس کے حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے چنانچہ جب مسلمانوں نے اس قافلہ سے کوئی تعرض نہیں کیا اور وہ صحیح سالم نکل گیا تو ان قبیلوں نے واپس جانا چاہا اور عتبہ بن ربیعہ نے حضرمی کی دیت کا وعدہ کرکے اور تمام قبیلوں کو بھی واپس لیجانا چاہا مگر ابوجہل کی شرارت انگیز حکمت عملی سے مجبور ہو کر خود مع اپنے ہمراہیوں کے جہنم کا لقمہ بنا مگر بنوزہرہ کے حلیف خنیس بن شریق الثقفی نے جحفہ میں بنوزہرہ کو مخاطب کرکے کہا کہ خدا نے تمہارے مال اور تمہارے سردار مخرمہ کو بچا دیا اب واپس چلو (ابن ہشام ج ۲۶ و طبری ص۱۴) چنانچہ حضرت حکیم بن حزام جو ابتک مسلمان نہیں ہوئے تھے فرماتے ہیں فلم یشھد احد من مشرکیھم یعنی بنوزہرہ کے مشرکین سے ایک شخص بھی شریک نہیں ہوا۔ (ابن عساکر ج ۴۴ ص۲۱۹) ازمنہ

غزوۂ احد

میں نہایت ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے رہتے[1]، آپ کو اپنے پاس استقلال پر ناز تھا اور بجا ناز تھا۔ دو دانت آپ کے شہید ہوئے[2]۔ اس غزوہ میں اکیس[3] زخم آپ کے پیوند جسم ہوئے تھے لیکن سب کے سب سامنے تھے پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا حاکم صاحب مستدرک، ابن قیم کے علاوہ اور بھی محدثین کا خیال ہے کہ آپ کا لنگڑا پن اسی غزوہ کی یادگار تھا۔ اپنی تحقیق پہلے گذر چکی ہے۔ غزوۂ احد میں[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پریشان ہو کر فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھکو عبد الرحمن رض نظر نہیں آتے حارث ابن الصمۃ (راوی واقعہ) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضور! میں ابھی پہاڑ کی ایک طرف ان کو

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے اس میں علامہ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں آپ کا نام بھی گنایا ہے (صفحہ ۳۵۹ مطبوعہ انصاری دہلی) ۱۲ [2] اسد الغابہ ۱۲ [3] صفوۃ الصفوۃ قلمی مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ۱۲ [4] معجم کبیر طبرانی میں یہ واقعہ اس طور پر حضرت حارث سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درہ میں تھے اور خود مجھسے پوچھا کہ تم نے عبد الرحمن رض بن عوف کو دیکھا ہے میں نے عرض کیا حضور میں نے پہاڑ کے پہلو میں ان کو دیکھا تھا اور مشرکین کی ایک جماعت آئی تھی یکایک حضور دکھلائی دئے اور یہاں حاضر ہو گیا اس پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ہمراہ فرشتے مصروف جنگ ہیں حارث کہتے ہیں کہ میں لوٹ کر حضرت عبد الرحمن کے پاس آیا میں نے سات نعشوں میں آپ کو کھڑا پایا اس پر میں نے پوچھا کہ ان سب کو آپ ہی نے جہنم کے گھاٹ اتارا ہے (آپ نے دو کو متعین کر کے فرمایا) کہ اس کو اور اسکو تو میں نے تہ تیغ کیا ہے اور بقیہ کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو مجھکو نظر نہیں آئے (جمع الفوائد غزوۂ احد) ۱۲ منہ

دیکھکر آیا ہوں مگر ان کے مقابل مشرکین کی ایک جماعت ہے اور وہ صرف اکیلے ہیں میں اُدھر جا رہا تھا کہ یکایک جمال جہاں آرا پر نظر پڑی اور کشاں کشاں یہاں چلا آیا حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اکیلے نہیں ہیں ان کے ساتھ فرشتوں کی جماعت مصروف پیکار ہے۔ حارث کا بیان ہے کہ پھر میں دریافت حال کے لئے آپ کے پاس آیا تو بہت سے مشرکین کو آپ کے قدموں پر کشتہ پایا ان سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ اُن لوگوں کو ایسے لوگوں نے قتل کیا ہے جو اس سے قبل کبھی مجھکو نظر نہیں آئے۔[1]

غزوہ دومۃ الجندل سنہ ۶ھ شعبان[2] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی کہ دومۃ الجندل میں ایک بڑا لشکر مجمع ہوا ہے اور ان کا مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا قصد ہے[3] تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن کو بلاکر بہت سے صحابہ کے سامنے حکم دیا کہ سفر کی تیاری کرو آج یا کل تم کو دومۃ الجندل جانا ہوگا دوسرے دن آپ کو صبح کی جماعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضر پایا اور آپ کو رات ہی کو روانگی کا حکم دیدیا گیا تھا آپ نے اپنی فوج کے ساتھ سو

---

[1] زوائد مسند بزار تذکرہ غزوہ احد از علامہ ابن حجر عسقلانی قلمی مخزونہ کتبخانہ آصفیہ ۱۲ ر[2] ربیع الاول ۵ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تھی کہ کفار کا ایک بڑا لشکر دومۃ الجندل میں مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے مجمع ہوا ہے چنانچہ آپ نے بنفس نفیس ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ تشریف لیجانے کا قصد کیا مگر کفار بھاگ گئے۔ اسلئے کچھ دور جاکر واپس آگئے مگر تاہم شرارت سے باز نہیں آتے تھے اسکے استیصال کے لئے آیندہ سال آپنے حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا (ابن سعد) ۱۲ منہ [1] (ابن سعد ص۴۴) ۱۲ ر[3] مدینہ سے تیرہ مرحلے ہیں اور کوفے سے دس مرحلہ ہیں اسکے گرد نہریں ہیں مگر پھر بھی کنوؤں سے سیرابی کی ضرورت ہوتی ہے (ابن عساکر ج۱ ص۹۱) ۱۲ر

آدمیوں کو سویرے ہی جرف[۱] روانہ کر دیا تھا۔ آپ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے ساتھ کی فوج چلی گئی تم کیوں پیچھے رہ گئے آپ نے عرض کیا کہ میری آرزو یہ تھی کہ جاتے وقت سب سے آخری ملاقات آپ ہی سے ہو اس تمنا کے پورا کرنے کے ارادہ سے ٹھیر گیا ہوں تو اس وقت ایک کثیر مجمع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حاضر تھا شفقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھایا حضرت عبدالرحمن رض کے سر پر عمامہ تھا اور ایک عمدہ تلوار حمائل تھی آپ نے اپنے دست مبارک سے انکا عمامہ اتار کر اپنا سیاہ عمامہ اپنے ہی دست مبارک سے باندھا اور دونوں شانوں کے درمیان تھوڑا شملہ لٹکا رہنے دیا[۲] اور ایک عجیب انداز سے فرمایا کہ عبدالرحمن! عمامہ یوں باندھا کرو اور اس کے بعد وصیت کی کہ خدا کا نام لیکر جہاد کرنا خدا کے سرکش بندوں کے وجود سے دنیا کو پاک و صاف کر دینا۔ خیانت نہ کرنا۔ بدعہدی نہ کرنا۔ اور کسی بچہ کو نہ مارنا اور جب تم کو خدا تعالیٰ کامیاب کرے تو وہاں کے رئیس کی لڑکی سے تم خود نکاح کرنا[۳] اور اپنا ہاتھ پھیلا کر ور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر ایک عام خطبہ دیا۔
اے لوگو! بلاؤں کے نازل ہونے سے قبل پانچ باتوں کا خیال رکھو کسی ملک میں

---

[۱] اس موضع میں آپ کاشت فرماتے تھے ۱۲ [۲] طبرانی نے اوسط میں چار انگشت یا اس سے کچھ زائد مقدار بیان کی (عون المعبود ج۲ ص۹۶ باب فی العمائم) ۱۲ از منہ [۳] ابن سعد عورتوں سے متمتع ہونے کے اور طریقے اختیار میں تھے مگر مفتوح قوم کے دلوں پر گھر کرنے کیلئے اس سے بڑھکر موثر طریقہ کوئی اور نہیں کہ مفتوح قوم کی افراد کو عزت سے ہمنشینی کا موقع نہیں بلکہ حق دیا جائے اور اسکی اولاد کو اپنی اولاد کا سہیم و شریک بنایا جائے یہی باتیں ہیں جو ملک کے فاتح اور رحمت عالم میں امتیاز کا باعث ہیں فصلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ مر

جب کم تولنے کا رواج ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ قحط نازل کرتا ہے اور پھلوں میں کمی آجاتی ہے اور جب کسی قوم میں بدعہدی رواج پذیر ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور جب زکوٰۃ ادا نہیں کیجاتی تو بارش موقوف ہو جاتی ہے اگر بے زبان جانور نہوں تو ایک قطرہ بھی نہ برسے اور جب کسی قوم میں بے حیائی شائع ہو جاتی ہے تو طاعون پھیلتا ہے، اور جب قرآنی احکام پر عمل چھوڑ دیا جاتا ہے تو انہیں اختلاف پڑ جاتا ہے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

خطبہ سننے کے بعد حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے جاکر ملگئے اور دومۃ الجندل پہنچکر تین روز تک داعی اسلام کے سچے نائب کی حیثیت سے اسلام کی دعوت دیتے رہے پہلے تو انھوں نے جنگ پر آمادگی ظاہر کی مگر تیسرے دن ان کا سردار اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہوگیا اسکی وجہ سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش ہوگئے یہ شام کا سب سے پہلا غزوہ تھا[1]۔

حدیبیہ کے سفر میں آپ شریک تھے۔ اس موقع پر جو عارضی صلحنامہ لکھا گیا تھا اس میں آپ کی بھی شہادت تھی[2]۔

غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھوں کے حرام ہونے کا اعلان متعدد صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ذریعہ سے کیا تھا، نسائی کی روایت ہے کہ آپ کو بھی حکم دیا تھا کہ اعلان کردو جو شخص مجکو نبی اور رسول مانتا ہے اسکے لئے

امر عبد الرحمٰن بن عوف ان اذن فی الناس لا یحل لحوم الحمر الانس لمن یشهد انی

---

[1] اسکی تفصیل ابن عساکر ج۱ ص۴۱۹ سے درج کیگئی ہے ۱۲ [2] ابن سعد ۱۲ار

گدھوں کا گوشت حلال نہیں ہے ۔ } رسول اللہ (کتاب الصید ص۲۶۵)

سنن ابو داؤد کی روایت ہے کہ اسی غزوۂ خیبر میں آپ نے حضرت عبدالرحمٰن ہی کو حکم دیا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر اعلان کر دو کہ جنت بجز ایماندار کے اور کسی کیلئے حلال نہیں۔ { ارکب فرسک ثم ناد الا ان الجنۃ لا تحل الا لمومن (کتاب الخراج ص۱۳۵)

غزوہ تبوک ۹ھ کی شرکت اور ایک مخصوص فضیلت

اس غزوہ میں میمنہ پر حضرت طلحہؓ مقرر کئے گئے اور میسرہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ[1]

حضرت مغیرہ ابن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے کہ آپ نے اپنی اونٹنی کو قافلہ سے علیحدہ کر لیا اور دوسری طرف بڑھ گئے تو مجھکو خیال ہوا کہ آپ ضرورت سے تشریف لیجا رہے ہیں میں بھی ساتھ ہو گیا یہانتک کہ آپ لوگوں سے علیحدہ ہو کر دور نکل گئے پھر اپنی اونٹنی سے اتر کر اتنا آگے بڑھ گئے کہ میں آپ کو نہ دیکھ سکا پھر کچھ دیر کے بعد تشریف لائے اور مجھ سے دریافت کیا کہ تم کو کچھ کہنا ہے میں نے کہا کہ حضور مجھکو تو کچھ عرض کرنا نہیں ہے دوبارہ مجھ سے دریافت کیا کہ تمھارے پاس پانی ہے میں نے کہا جی حضور، اور یہ کہکر کجاوہ کے پچھلے حصہ میں مشکیزہ لٹکی ہوئی تھی اُس کو اتار لیا میں نے آپ کے ہاتھ پر پانی بہایا آپ نے اچھی طرح ہاتھ پہنچوں تک دھوئے ۔ اور مجھکو یہ بھی خیال آتا ہے کہ آپ نے ہاتھ مٹی سے بھی ملے پھر منہ دھویا اس کے بعد ہاتھ دھونے کے ارادہ سے آستین چڑھانے لگے مگر بہت تنگ تھی ۔ آپ نے

[1] تاریخ یعقوبی (ج۲ ص۷۲)

آستین سے ہاتھ باہر نکالے دھوئے پھر پیشانی پر عمامہ کے ساتھ مسح کیا اور جرابوں پر بھی مسح کیا پھر سوار ہوکر تشریف لائے تو لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے نماز شروع کردی تھی ۔ اور ایک رکعت ختم ہوچکی تھی راوی کا بیان ہے کہ میرا قصد ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو (جو نماز میں امام تھے) اسکی اطلاع کردوں مگر آپ نے منع فرمایا ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت جماعت سے پڑھی اور ایک رکعت نماز قضا کی ۔ نماز کے بعد فرمایا اُقبض نبیٌ قطّ حتیٰ صلّی خلف رجلٍ صالحٍ من اُمّتہٖ جب تک کہ اپنی امت کے ایک رجل صالح کے پیچھے نماز نہیں پڑھلی کسی نبی کی وفات نہیں ہوئی ۔ یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے[1] تمام صحابہ میں بجز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کوئی صحابی اس فضیلت میں آپ کا سہیم و شریک نہیں[2] ۔

سنہ ۱۴ھ میں قادسیہ کی جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت مصروفیت تھی حج سے قبل تمام اطراف میں لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دے گئے تھے ۔ حج کے بعد مدینہ میں آکر دیکھتے ہیں تو آدمیوں کا ایک جنگل نظر آیا ۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو اور فرمایا کہ میں خود سپہ سالار بنکر چلونگا ۔ ہراول پر طلحہ میمنہ پر زبیر میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوف رضوان اللہ علیہم مقرر کئے گئے ۔ حضرت عمر کی مستعدی سے ایک عالم امنڈ آیا تھا مگر بڑے بڑے صحابہ حضرت عمر کا تشریف لیجانا مناسب نہیں سمجھتے تھے مگر عوام یک زبان تھے کہ بغیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

---

[1] سنن نسائی باب المسح علی الخفین والعمامۃ ۱۲ [2] گو محدثین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپکی امامت نہیں کی مگر الفاظ حدیث صاف طور پر اسکے شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ بھی اس سعادت سے ایک مرتبہ ہم آغوش ہوئے تھے ۱۲

یہ مہم سر نہ ہوگی چنانچہ حضرت عمرؓ ایک منزل چلے بھی آئے اور صرار میں آکر مقیم ہوئے[1] یہاں آکر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں اگر شکست ہوئی اور اسلام کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے[2]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پر اثر خطبہ دیا اور لوگوں کو اس پر راضی کیا کہ وہ کسی منتخب شدہ امیر کے ساتھ جنگ میں جائیں اور خود حضرت عمرؓ مدینہ میں تشریف رکھیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد رضی اللہ عنہما شام کی مہم میں مصروف تھے حضرت علیؓ سے درخواست کیگئی انھوں نے انکار کیا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا نام پیش کیا[3] حاضرین نے تائید کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے نہ تھی مگر منظور کر لیا۔

مسلمانوں کی حراست یعنی چوکیداری

آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس خدمت کے انجام دہی کا موقعہ بھی ملا ہے ایک بار کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گشت میں تھا کہ دور سے روشنی کی جھلک معلوم ہوئی تو ہم دونوں نے روشنی کے پاس جانے کا ارادہ کیا جب قریب پہونچے تو کچھ شور وغوغا کی آواز سنی تو حضرت نے آہستہ سے میرا ہاتھ دبا کر پوچھا کہ تمکو معلوم ہے یہ کس کا مکان ہے میں نے نفی میں جواب دیا تو خود فرمایا کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کا یہ گھر ہے۔ اس وقت یہ لوگ مست ہیں تمھاری کیا رائے ہے حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہم بہت غیر مناسب جگہ چلے آئے

---

[1] ابن اثیر کامل ج ۲ ۱۲ منہ [2] تاریخ طبری ۱۲ [3] تجارب الامم ۲۱۵ ابن مسکویہ ۱۲

خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے لَا تَجَسَّسُوْا (لوگوں کے عیوب تلاش نہ کرو) حضرت عمرؓ یہ سنتے ہی خاموش ہو گئے اور واپس تشریف لے آئے۔[1]

دوسرا واقعہ یہ بیان فرمایا کہ عشاء کے بعد ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے مکان پر تشریف لائے میں نے عرض کیا کہ مجھکو بلوا لیا ہوتا خود کیوں تکلیف کی آپ نے فرمایا کہ مجھکو ابھی اطلاع ملی ہے کہ مدینہ کے باہر ایک قافلہ اترا ہے اور اہل قافلہ تکان سفر سے غافل ہو کر سو گئے ہیں میرے ساتھ چلو۔ آپ حضرت عمرؓ کے ساتھ گئے اور شب بیداری کے لئے نماز کو بہانہ بنا لیا غرضکہ صبح تک بجائے ایک فرض کے دو فرض انجام دئے۔[2]

۱۶ھ میں عراق کی فتوحات کے خاتمہ میں جب جلولاء سے مال غنیمت زیادہ لائے تھے تو شام ہونیکی وجہ سے تقسیم ہو سکا صحن مسجد میں رکھدیا گیا حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور عبد اللہ ابن ارقم میر منشی نے رات بھر پہرہ دیا۔[3] صبح کے وقت جب چادر ہٹائی گئی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر جواہرات پر پڑی آپ بے ساختہ رونے لگے حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا کہ یہ تو مسرت کا مقام ہے نہ رونیکا آپ نے فرمایا یہ سچ ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ جس قوم کے پاس یہ چیزیں آتی ہیں اس میں بغض و حسد پھیلجاتا ہے اور یہی بدبختی کی ابتداء ہے۔[4]

۲۱ھ میں نہاوند سے جب خمس آیا تھا اس وقت بھی آپ نے

---

[1] ابن عساکر ج ۵ ص ۱۹۹ و ازالۃ الخفاء ۱۲ [2] تاریخ طبری ص ۲۷۴۳ واقعات ۲۳ھ مطبوعہ یورپ ۱۲

[3] تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۵۱ ۱۲ [4] ایضاً [5] تجارب الامم ابن مسکویہ ۱۲

حراست کی خدمت انجام دی تھی[1]۔

اطمینان قلب

آپ کا تموّل اور ثروت ضرب المثل ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے غلبہ نے قلب میں انتہائی درجہ کا استغنا پیدا کر دیا تھا۔ مدینہ میں ایک دفعہ مال آیا تھا اور تمام لوگ خطبہ کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے[2]۔ گو اس فضیلت وسعادت میں تمام عشرہ مبشرہ اور معلّم الامۃ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور سیدنا حضرت بلالؓ بھی شریک تھے[3] کہ ان لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملازمت وصحبت کو دنیاوی مرافق ومنافع پر مقدم رکھا مگر حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو یہ ایک خاص فوقیت رہی باوجودیکہ آپ ہی کا مال آیا ہوا تھا[4] مگر آپ کے اطمینان میں ذرا فرق نہیں آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ میں تقرب وخصوصیت

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لیگئے تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو بھوک سے روتے دیکھا حضور اقدس کو بھی ان صاحبزادوں کے رونے سے ملال ہوا اتنے میں حضرت عبد الرحمنؓ کچھ سالن اور روٹی لیکر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کفاک اللہ امر دنیاک فاما الآخرۃ فانا لہا ضامن خدا تعالیٰ تمہارے دنیاوی امور کی کفایت کرے باقی رہا قصۂ آخرت سو اسکا میں ضامن ہوں[5]۔

---

[1] تاریخ طبری ۱۲ [2] بخاری شریف ۱۲ [3] قسطلانی کتاب البیوع باب قول اللہ اذا رأوا تجارۃ ۱۲ [4] فتح الباری کتاب الجمعہ باب اذا نفر الناس (صفحہ ۳۵) ۱۲ [5] ابن عساکر وغیرہ ج ۵ صفحہ ۳۶۱ انبیا علیہم السلام کے اختیارات کا مسئلہ ایک جدا مسئلہ ہے مگر اس موقعہ پر ضمانت اس ہستی کی ہے جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہے غزوۂ بدر کی شرکت کے علاوہ اور بہت فضائل کا جامع ہے ۱۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا کہ دنیا و آخرت دونوں میں تم میرے دوست ہو[1]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے خلافت ثالثہ کے شوریٰ کے وقت پوچھا کہ مجھکو وکیل بناتے ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امینٌ فی اھل الارض و امین فی اھل السّماء[2] کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے تو کیا میں آپکی وکالت سے ناراض ہو سکتا ہوں[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور اس کے بعد بعض بعض اصحاب کے لئے مخصوص دعائیں کیں چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے لئے اَللّٰھُمَّ وَقِّ عَبْدَ الرَّحْمٰن فرمایا[4]۔

غزوۂ دومۃ الجندل میں آپ سالار فوج تھے رخصت ہونے کے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو سر پر عمامہ تھا لنوار حمائل تھی غایت شفقت سے اپنے قریب آپکو بلایا اور اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے دست مبارک سے آپکا عمامہ کھولکر اتارا اور اپنا سیاہ عمامہ خود اپنے ہی مقدس ہاتھوں سے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سر پر باندھا اور ایک عجیب انداز سے فرمایا

هكذا فاعتم يا ابن عوف | عبدالرحمٰن! عمامہ یوں باندھا کرو

امام محمد[5] سیر کبیر میں اس واقعہ کے تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں۔

---

[1] انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ ۔ الریاض النضرہ ۱۲ منہ

[2] حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور صدق وحیا کا جبیں اتنا اثر اگیا ہو کہ اپنے ہمچشموں میں اس کو امتیازی حیثیت حاصل ہو اسکو امین کہتے ہیں (ازالۃ الخفا مقصد دوم صـ) ۱۲ منہ [3] استیعاب۔ طبقات ابن سعد ۱۲ منہ [4] ابن عساکر ۲۲۰ صفحہ ۱۲ منہ [5] شرح سیر کبیر باب العمائم فی الحرب (ج ۱ صـ) ۱۲ منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا اعزاز بڑھانے کیلئے ایسا کیا تمام صحابہ میں آپ کو اس شرافت و شفقت سے مخصوص فرمایا۔ | وانما فعل ذلک اکراما له خصه بهذه الکرامة من بین الصحابة

یہ آپ کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تعلقات کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک واقعہ مسند حنبل میں حضرت انسؓ کے واسطے سے اور تاریخ ابن عساکر میں ابوسلمہ کے واسطے سے منقول ہے کہ حضرت خالد سیف اللہ جب بنی جذیمہ سے واپس آئے اور آپ کی غلطی سے کچھ مسلم قتل ہو گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ حضرت خالد پر خفا ہوئے۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی خفا ہوئے اور کہا تم نے ان کو اس لئے مارا کہ انھوں نے تمھارے چچا کو مارا تھا حضرت خالد نے کہا کہ میں نے اس لئے ان کو مارا کہ انھوں نے تمھارے باپ کو مارا تھا۔ حضرت عبد الرحمٰن نے جواب دیا کہ یہ بالکل جھوٹ کہتے ہو میں نے اپنے باپ کے قاتل کو اپنے ہاتھ سے مار کر بدلہ لیا ہے۔ اور عثمان میرے گواہ ہیں اور فرض کر لیا کہ کفر کی حالت میں اگر انھوں نے مارا تھا تو ایمان اور اسلام کے بعد ان سے بدلہ لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے، حضرت خالدؓ سے غلطی ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ وغیرہ سب انؓ اسی معاملہ کے متعلق خفا ہوئے تھے ایسے وقت انسان کا غصہ میں آجانا ایک فطرتی

لہ اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ یمن سے مال تجارت لئے ہوئے حضرت خالد کے چچا فاکہ بن المغیرۃ اور حضرت عبد الرحمٰن کے والد عوف گذر رہے تھے راستہ میں بنی جذیمہ کا قبیلہ پڑتا تھا یہ لوگ چشمہ کے کنارے پانی کے لئے اترے تھے بنی جذیمہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے حملہ کر دیا فاکہ اور عوف دونوں کام آئے (تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۲۳) حضرت عبد الرحمٰنؓ اس واقعہ میں خود شریک تھے اور اپنے والد کے قاتل کو خود مارا تھا (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۶۳) ۱۲ منہ

امر ہے اس لئے غصہ میں حضرت عبد الرحمٰنؓ سے سخت کلامی کرنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ حضرت خالدؓ پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ اُحد کے برابر بھی اگر سونا خرچ کروگے تب بھی عبد الرحمٰنؓ کے نصف دن کی خدمتگزاری کا مقابلہ نہ ہوسکیگا

اسکی وجہ دیباچہ میں عرض کردیگئی ہے کہ آپ کی پوری زندگی کا کارنامہ پیش کرنا دشوار ہے مگر مذکورۂ بالا حالات کو آپکی سوانح زندگی کا نمونہ ضرور کہا جاسکتا ہے اور یہ واقعات اس بات کی تصدیق کیلئے کافی ہیں کہ آپ قومی خدمات میں بہت زیادہ منہمک رہے ہر شخص اپنے لئے اس سے اور زیادہ کیا تمنا رکھ سکتا ہے کہ اس کو قومی خدمات کا خوش اسلوبی سے انجام دینے کا موقعہ ملا ہو مگر آپ کی اس خوش قسمتی کے حسن کو ذاتی استغنا، اخلاص۔ اور تواضع نے اور دوبالا کردیا۔

استغنائے نفس و تواضع

ابن عساکر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت گستاخانہ لہجہ میں سوال کیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو کوئی اور پیغام پہنچا ہے یا کوئی ایسی بات بتلائی گئی ہے جس سے ہم لوگ محروم ہیں

هل جاءكم الا ما جاءنا
هل علمتم الا ما علمنا ـ

آپ نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ نہیں، جو تم جانتے ہو وہی میں جانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو پیامات تم تک پہنچے ہیں اُن ہی سے میں واقف ہوں مگر آپ کے اس نرم جواب پر اسکی تسکین نہیں ہوئی تو اس نے انتہائی بیباکی سے آپ سے کہا کہ

تو پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ ہم دنیا سے کنارہ کشی کرتے اور آپ لوگ

فما لنا نزهد فی الدنیا و ترغبون

۱؎ ابن عساکر ج ۵ ص ۹۹، مسند حنبل ج ۱ ر

اسکی طرف مائل ہوتے ہیں اور ہم لوگ جہاد کے لئے
کمر بستہ رہتے ہیں اور آپ لوگوں کو بار معلوم ہوتا ہے حالانکہ آپ ہی لوگ
ہمارے پیشوا ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت و تربیت یافتہ"

فیھا ونخف فی الجہاد و تتثاقلون
عنہ وانتم سلفنا وخیارنا
واصحاب نبینا۔

مگر حضرت عبدالرحمٰنؓ کو وقار و حلم نے نہایت ہی انکسار و فروتنی سے جواب دیا۔

کہ ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں خدا نے سختی و مصائب سے
ہمارا امتحان لیا تو ہم نے صبر و تحمل سے کام لیا اور جب
مال و دولت دیکر ہم کو جانچنا چاہا تو برداشت نہ کر سکے۔

لم یاتنا الا ما اتاکم ولم نعلم
الا ما علمتم ولکن بلینا بالضراء
فصبرنا و بلینا بالسراء فلم نصبر

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تموّل و دولت کی حالت میں بھی آپ کو خدا تعالیٰ سے وہی تعلق رہا جو فقر و فاقہ کی زندگی میں تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت میں قبل سے کوئی کمی نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرما دیا تھا۔

کہ اے عبدالرحمٰنؓ تم مالدار ہو بہت بوجھ تم پر ہے جنت
میں گھسلتے ہوئے جاؤگے خدا کی راہ میں خرچ کرو تمھارا بوجھ
ہلکا ہوگا اور تمھارے پیر کھل جائینگے۔

یاعبد الرحمٰن بن عوف انک من الاغنیاء
ولن تدخل الجنۃ الا زحفا فاقرض
اللہ یطلق لک قدمیک (ابن سعد)

آپکی ہمت

آپ نے فوراً مصرف پوچھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دریافت فرمایا کہ حضور سب مال خرچ کروں

امن کلہ اجمع یا رسول اللہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نعم سنا (یعنی ہاں سب مال) تو حضرت کی خدمت سے روانہ ہوئے روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

عبدالرحمٰن نکلے اور وہ اس دھن میں تھے یعنی انھوں نے اسکا
مصمم قصد کرلیا کہ سب مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیں!

فخرج ابن عوف وھو یھم
بذلک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ابھی آکر کہا کہ عبد الرحمٰن کو حکم دیدو کہ مہمانوں کی خدمت کریں اور مسکینوں پر صدقہ کریں اور سائل کو بھی محروم نہ رکھیں اپنے اہل وعیال پر سب سے پہلے خرچ کریں عبد الرحمٰنؓ اتنا کرینگے تو وہ سبکدوش ہوجائیں گے۔

خیال فرمائیے کہ حضرت کے ایک معمولی ارشاد پر تمام دولت علیحدہ کرنے پر آمادہ ہوگئے جس شخص کے دل میں مال وزر کی محبت اور رغبت ہوگی کیا وہ اس مستعدی سے اور اتنا جلد آمادہ ہوسکتا ہے۔ بجز اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے تحمل وانکسار نفس نے اسکو اس گستاخی کی اجازت دی اور آپ کی للّٰہیت واخلاص مانع ہوا کہ آپ اپنی زبان سے اپنے کارنامے دوسروں کے سامنے دہرائیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس جگہ یہ مطالبہ غیر مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ یہ سوال حل کیا جائے کیا وجہ ہے کہ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کثرت سے آپ قومی فتوحات میں شریک نظر نہیں آتے کیا اس شخص کا اعتراض واقعہ پر مبنی ہے۔ میرے خیال میں اس کے لئے پہلے اور دو سوالوں کا حل ضروری ہے اور اس شبہ کے جواب میں وہ ممد ثابت ہوگا۔

(۱) اول یہ کہ فتوحات ملکی کی فہرست میں خال خال آپ کا نظر آنا کیا اسکی دلیل ہوسکتی ہے کہ آپ صرف ان ہی میں شریک ہوئے اور باقی میں نہیں۔

تمام مؤرخین اور اہل سیر اور ائمہ رجال اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ آپ تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے اس تصریح کے باوجود چند ہی غزووں میں آپکا ذکر پایا جاتا ہے اور وہ بھی ضمناً۔ اس سے ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ

فتوحات کی شرکت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان فتوحات میں آپکا تذکرہ بھی ہو۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء اور تابعین کا آپ سے کیا تعلق رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا جزء قرار دیکر ایک ہی زمانہ سمجھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیران خاص میں آپ تھے[1] اہم معاملہ میں آپ کا مشورہ ضروری خیال کرتے تھے اور یہ حیثیت آپ کو خلافت فاروقی میں بھی حاصل تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بدامنی کے وجوہ کا تذکرہ جس موقعہ پر مورخین کرتے ہیں اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کا ذکر خاص طور پر ہے کہ مہاجرین کو آپ اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا باہر جانے نہ دینا مہاجرین سے مخصوص تھا یہ برتاؤ اور اہل مکہ کے ساتھ نہ تھا۔	کان یفعل ھذا بالمھاجرین ولم یکن یفعلہ لغیرھم من اھل مکۃ

اور حضرت عثمان نے اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی نہیں کی۔

گو اس واقعہ سے انکار نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس اصول کے پورے طور پر پابند نہ تھے تاہم اس تذکرہ میں ایسے واقعات آپ کو ضرور نظر آئینگے جس سے آپ یہ معلوم کر سکینگے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر جس حیثیت سے آپ کا اثر تھا وہ حیثیت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کچھ کم نہیں ہوگئی تھی اور نیز حضرت عثمانؓ نے اس کا خیال بھی کیا اور آپ کو اپنے پاس سے جدا ہونے نہیں دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کو ابن سعد نے بہت صاف

[1] ابن سعد ۱۲

لفظوں میں یوں ادا کیا ہے ۔

کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صحابہ میں عمرو بن العاص رض اور معاویہؓ اور مغیرۃ بن شعبہ جیسے لوگوں کو مختلف خدمتوں پر مقرر فرماتے تھے اور ان سے جو افضل ہوتے تھے ان کے سپرد اس قسم کی خدمت نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کو میں آلودہ کرنا نہیں چاہتا ۔

عمر کان یستعمل رجلاً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل عمرو ابن العاص ومعاویۃ ومغیرۃ بن شعبۃ ویدع من ھو افضل منھم مثل عثمان وطلحۃ وزبیر و عبد الرحمن ویقول لا ادنسھم من العمل

(طبقات ابن سعد تذکرہ فاروقی)

ان دونوں سوالوں کے حل کے بعد اسکی ضرورت نہیں رہی کہ میں یہ کہوں کہ اس اعتراض میں کچھ بھی جان نہیں ۔ اور اس کی تائید کے لئے میرے پاس اس سے زیادہ قوی دلیل نہیں کہ جب کبھی خلیفہ بنفس نفیس فتوحات میں شریک ہوا ہے تو آپ کی شرکت بھی ضرور سمجھی گئی ہے ۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتح بیت المقدس میں تشریف لے گئے تھے تو آپ ہمراہ تھے ۔ صلحنامہ پر جو جابیہ میں لکھا گیا تھا اس پر آپ کی بھی گواہی تھی ۔ طاعون عمواس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ہی کے فتوی کے بعد تمام فوج کو واپس لائے ۔

ان امور سے واقف ہونے کے بعد ایک منصف مزاج کو بجز اس اقرار کے چارہ نہیں کہ عبد الرحمن کا مذکورہ بالا جواب تواضع اور فروتنی پر مبنی تھا ورنہ اصل اعتراض کا خود معترض کے کلام میں موجود تھا ۔ کیونکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لڑائیاں ایسی قوموں سے ہوئی ہیں جن کے پاس مال و دولت کے انبار تھے۔ مسلمانوں کو جن شدائد و مصائب سے دوچار ہونا پڑتا تھا اس کا کافی معاوضہ حقہ کی صورت میں ملجاتا تھا بہ خلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جنگیں ہوئی ہیں انکی یہ صورت نہ تھی۔ اب اگر معترض کا یہ کہنا کہ ترغبون فیھا کہ دنیا کی طرف آپ لوگ مائل ہوتے ہیں صحیح ہوتا تو پھر یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا کہ تثاقلون عنہ کہ لڑائی سے آپ لوگ گھبراتے ہیں کیونکہ اس وقت مال و دولت حاصل کرنے کا شرکت جہاد آسان آلہ تھا تو مال و دولت کا طالب و خواہشمند ایسے وقت میں ہرگز شرکت سے پہلوتہی نہیں کرسکتا۔ میں کہتا ہوں کہ جہاد کی شرکت سے جو ثواب اور فضیلت اُخروی حاصل ہوسکتی تھی یا ہوسکتی ہے اس کو آپ بدرجہ اتم حاصل کرچکے تھے۔ اب بجز ازیں مزید کے آپ کے لئے کیا باقی رہگیا تھا۔ اعتراض کے اس جملہ تثاقلون عنہ کہ آپ پر جہاد گراں اور شاق ہے اس کے رد کے لئے آپ کے حالات کا پڑھجانا کافی ہے مگر مزید اطمینان کے لئے تاریخ یعقوبی[1] سے یہ واقعہ نقل کرتا ہوں کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ مجھکو آپ باہر جنگ میں جانے سے کیوں روکتے ہیں حضرت عمر نے یہ کہکر ٹالدیا کہ جواب دینے سے اس کا جواب نہ دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ تو اب کیا اس تصریح کے بعد بھی اس وہم کی گنجائش ہے کہ آپ قومی کاموں سے جی چراتے تھے۔

آپ کی زندگی کی نمایاں خصوصیت

آپ کے پورے حالات کو غور سے پڑھجائیے تو

[1] (ج ۲ ص ۱۶۱) ۱۱ار

آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ نے افتاء کی خدمت بھی انجام دی لڑائیوں میں سالار فوج بھی بنائے گئے خلفاء کے مشوروں میں شریک رہے ان سب کے علاوہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کی رائیں آپ کی دماغی اور عملی قابلیت کا بہترین ثبوت ہیں مگر پھر بھی ذمہ داری کے کاموں سے بہت دور رہتے تھے اپنے کو ہمیشہ الگ رکھتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ نے تو اسکو ایک خاص موقعہ پر لکھا ہے کان عبد الرحمن ابعد الناس عن الاغراض کہ آپ تمام لوگوں کے اعتبار سے بہت بے لگاؤ تھے مگر مجھکو یہ بات آپکی زندگی کی نمایاں خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی سے باہمہ بے ہمہ رہنے کا بے نظیر نمونہ پیش کیا ہے ہر ضرورت اور کام کے وقت موجود رہے اور فارغ ہونے کے بعد اس طرح علیحدہ ہو جاتے کہ گویا آپ کو کچھ واسطہ ہی نہ تھا۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں مع ان عبد الرحمن شاور جمیع الناس باوجود اس کے کہ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق تمام امور انجام دئے مگر کوئی غرض متعلق نہ رکھی اور بے لگاؤ رہے

احتیاط

احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ شخصوں کو منتخب کرکے آپ کو بھی نامزد کیا تو آپ نے لوگوں سے بیان کیا کہ خدا کی قسم مجھکو یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میرے گلے پر چھری رکھی جائے اور اس طرف سے اس طرف تک اتر جائے بجائے اس کے کہ میرے متعلق یہ خدمت کیجائے حضرت سعد ابن وقاص نے بہت ہی اصرار کیا کہ خلافت کی ذمہ داری کو قبول کیجئے مگر آپ اپنے انکار پر مصر رہے[1]۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۸۳ مطبوعہ یورپ ۱۲

ذمہ داری کے آپ متحمل ہو جائے تو ہم لوگ آرام سے اپنی زندگی کے دن گذار دیںگے۔[1]

احادیث کی روایت میں احتیاط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باریابی کا موقعہ جتنا آپ کو ملا ہے اس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہو گیا ہو گا مگر اس پر آپ کی احادیث کی روایت کی کل تعداد حضرت شیخ محی الدین ابن عربی پینسٹھ بیان فرماتے ہیں[2]۔ روایت میں احتیاط کا یہ حال تھا کہ سائب بن یزید بیان کرتے ہیں۔

صحبت عبد الرحمن بن عوف و طلحة بن عبید اللہ والمقداد و سعدًا فما سمعت احدًا منهم یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا انی سمعت طلحة یحدث عن یوم احد (بخاری شریف[3])

کہ میں عبد الرحمن بن عوف، طلحہ، مقداد اور سعد بن وقاص کے ساتھ رہا ان میں سے کسی کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے نہیں سنا ہاں! صرف طلحہ کو احد کے واقعات بیان کرتے سنا

---

[1] ثقات ابن حبان قلمی ص۱۳۱ ج۱) ۱۲ ار [2] اس موقعہ پر کچھ غیر مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ بعض اور بڑے بڑے صحابہ کے مرویات و احادیث کی تعداد بیان کر دی جائے امین امت حضرت ابو عبیدۃ عامر بن الجراح سے صرف چودہ[14] حدیثیں مروی ہیں عشرۂ مبشرہ کے دو اور رکن حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے صرف اڑتیس اڑتیس ہی حدیث بیان کیں حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے بھائی حضرت سعیدؓ ابن زید سے صرف اڑتالیس حدیثیں منقول ہیں حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیل سے صرف چھ حدیثیں مروی ہیں ۱۲ ار [3] محاضرۃ الابرار ج۲ ص۵۸) ۱۲ ار کتاب المغازی باب اذ ہمت طائفتان ص۵۸۱ وکتاب الجہاد ص۳۵۶) ۱۲ منہ

آپ کے بھانجے مسور نے آپ سے بدر کے واقعہ کو دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ آل عمران کی آیت ایک سو بیس کے بعد پڑھو۔ اور آیت پڑھدی۔ خود شروع سے آخر تک موجود تھے لیکن زبانی واقعہ کے بیان میں اس قدر احتیاط برتی۔

خدمات امہات المومنین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو آپ کو محبت تھی وہ ایسی سچی اور مستقل تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اس کا تقاضا اور منشا پورا ہوتا رہا اور آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کی خدمت میں مصروف رہے۔ حضور اقدس صلعم نے بعض ازواج سے اس امر کو ظاہر بھی کر دیا تھا' حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص میرے بعد تم لوگوں کی خبر گیری کریگا وہ سچا اور پاک نفس ہوگا اور آپ کے حق میں یہ دعا دی اللّٰھم اسق عبد الرحمٰن بن عوف من سلسبیل الجنۃ اے اللہ عبد الرحمٰن کو چشمہ سلسبیل سے سیراب کر۔[1]

ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمٰن نے کیدمہ کا (جو بنی نضیر میں ہے) حصہ فروخت کر کے چالیس ہزار دینار یعنی چار لاکھ درہم ازواج مطہرات کی خدمت میں پیش کئے حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کا حصہ لیکر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہاری خدمت صابر لوگ کرینگے اور حضرت عائشہ نے آپ کو یہ دعا دی کہ اے اللہ عبد الرحمٰن بن عوف کو چشمہ سلسبیل سے سیراب کر۔

---

[1] ابو یعلیٰ قلمی ۱۲ و [2] مسند حنبل ۱۲

(اب جن لوگوں کے سامنے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ دعا دیتے ہیں وہ اسی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔)

آپ کے احباب یوں تو تمام ابتدائی عہد کے مسلمانوں سے خواہ مہاجر ہوں یا انصاری آپ کے تعلقات دوستانہ تھے مگر حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروق اعظمؓ حضرت عثمان غنیؓ سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت عامر ابو عبیدہؓ ابن الجرّاح کا شمار مخصوص دوستوں میں تھا۔

حضرت ابوبکرؓ آپ پر اعتماد کرتے تھے اور آپ کا اعتماد حضرت ابوبکرؓ پر تھا یمن کے سفر میں جب عسکلان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی خبر دی ہے اور آپ وہاں سے واپس تشریف لائے ہیں تو سب سے پہلے اس واقعہ کا اظہار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کیا۔

حضرت ابوبکرؓ آپ سے خانگی گفتگو کیا کرتے تھے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے پہلے آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے کے بارے میں مشورہ کیا آپ نے جواب دیا اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا۔[2]

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت طلحہؓ سے جب عمر (رضوان اللہ علیہم) کے خلیفہ بنانے[3] کا ذکر کیا تو طلحہ نے عرض کیا کہ۔

استخلفت علی النّاس عمر } آپ نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا۔ حالانکہ آپ

---

[1] تاریخ یعقوبی (ج ۲ ص ۱۹۵) ہر [2] تاریخ طبری ص ۲۱۳۷) ہر منہ

واقف ہیں کہ ان کا لوگوں کے ساتھ آپ کی زندگی میں کیا سلوک تھا اور جب آپ نہ رہینگے تو اس حالت کا بھی آپ کو اندازہ کرنا چاہئے۔ خصوصًا اس حالت میں کہ آپکا آخری وقت ہے اور بہت جلد خدا کے سامنے حاضر ہوکر آپکی جوابدہی کرنی ہوگی۔

وقد رأیت مایلقی الناس منہ وانت معہ فکیف بہ اذا خلا بھم وانت لاق ربک فسائلک عن رعیتک (تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۰۰)

حضرت ابوبکر یہ سنکر بہت برہم ہوئے علالت کے ضعف کی وجہ سے خود اٹھکر بیٹھ نہیں سکتے تھے مگر آپ نے فرمایا اجلسوانی مجکو بٹھاؤ مجکو بٹھاؤ چنانچہ بتعمیل ارشاد کیگئی آپ نے غصہ کے لہجہ میں فرمایا اباللہ تخوفنی کہ تم مجکو خدا سے ڈراتے ہو۔ جب خدا مجھ سے پوچھیگا تو عرض کرونگا استخلفت علی اھلک خیر اھلک یعنی تیری مخلوق پر بہترین مخلوق کو سردار بنا کر آیا ہوں[۱]۔

بعینہ یہ اعتراض جب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کیا کہ

آپکی رائے نہایت مناسب ہے مگر ان کے مزاج میں سختی ہے — ولکن فیہ غلظۃ

اس کا جواب حضرت ابوبکر نے نہایت نرم لہجہ میں ان الفاظ میں دیا[۲]۔

کہ ہاں تم سچ کہتے ہو مگر اسکی وجہ یہ تھی کہ مجھکو وہ نرم پاتے تھے جب وہ بااختیار ہوں گے تو تمام سختی چھوڑ دینگے۔

قال ابوبکر ذلک لانہ یرانی رقیقا ولو افضی الامر الیہ لترک کثیرا مما ھو علیہ

اصل اعتراض کے جواب دینے کے بعد کینت سے مخاطب کو کے (عرب میں عزت کے

---

[۱] تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۰۰ ۱۲ منہ [۲] تاریخ طبری (ص ۲۲۳۰) ۱۲ منہ

مواقع کے لئے مخصوص ہے) اپنا ذاتی تجربہ بھی بیان فرمایا کہ

اے عبدالرحمن میں نے متعدد بار ان کا تجربہ کیا ہے جب میں نے غصہ میں ہوتا تھا تو وہ درگذر کرنے کے خواہشمند ہوتے تھے اور جب میں نرمی برتتا تھا تو وہ سختی کرتے تھے۔	یا ابا محمد قد مقتد فرائیتنی اذا غضبت علی الرجل اد انی الرضیٰ عنہ واذا لنت لہ ارانی الشدۃ علیہ ۔

دونوں حضرات کی طرف سے جو اعتراض ہوا اس کو آپ نے ملاحظہ کیا اس میں گو الفاظ ولب ولہجہ کا فرق ہے مگر اس میں کوئی بات ہم ایسی نہیں پاتے کہ جس کی بناء پر ان کو دو اعتراض علیحدہ علیحدہ قرار دیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات کی طرف یہ سوءظن کہ لب ولہجہ کے اختلاف سے وہ اتنے زیادہ متاثر ہو گئے کہ اصل اعتراض پر کوئی توجہ نہیں کی کسی طریقہ سے جائز نہیں ہو سکتا۔

بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے دوستانہ تعلقات نے حضرت ابو بکرؓ کو اصل اعتراض کے جواب پر مجبور کیا اور یہی دوستانہ تعلقات اس کا بھی باعث بنے کہ آپ اپنا تجربہ بھی بیان فرماویں۔

اس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی بات کا وزن افضل الصحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کتنا تھا۔

حضرت عمرؓ سے بے تکلفی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اور آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوتے تھے راوی کے لفظ یہ ہیں[1]۔

[1] ازالۃ الخفاء جزء دوم ۱۲ار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے بہت خوش ہوتے تھے | کان ینبسط علیہ

گذشتہ سطوروں میں کچھ آپ کے تعلقات کے واقعات نظر آئے ہوں گے دو اور واقعہ بھی درج ہیں۔

ایک روز عشا کی نماز کے بعد فاروق اعظمؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مکان پر گئے دروازہ بند تھا زنجیر ہلائی اندر سے ایک بی بی صاحب نے آکر دروازہ کی زنجیر کھولی اور اُس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ جب تک اپنے مقام پر میں نہ پہنچ جاؤں اُس وقت تک یہیں کھڑے رہنا۔ حضرت عمرؓ اتنے انتظار کے بعد اندر تشریف لے گئے دیکھا حضرت عبدالرحمٰن نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے ان بی بی صاحب سے دریافت کیا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے انھوں نے جو اوسوقت موجود تھا حاضر کیا آپ بے تکلفی سے کھانے لگے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو دیکھا کہ اپنے اُسی اطمینان سے نماز میں مشغول ہیں اس عالم میں دیکھکر حضرت عمر نے فرمایا نماز جلد ختم کرو مجکو تم سے کام ہے[۱]۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تجارتی اغراض کے لئے چار ہزار درہم کی ضرورت ہوئی حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہلا بھیجا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا لاکھوں درہم تمھارے قبضہ میں رہتے ہیں دو چار روز کے لئے مجھ سے چار ہزار درہم مانگتے ہو۔

حضرت عمر سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر ان پر بہت خفا ہوئے اور کہا کہ بیت المال کا روپیہ ادا کرنے سے پہلے مرجاؤں تو تم ہی لوگ کہوگے معاف کردو

[۱] طبری واقعات ۲۳ھ

اور خدا کے یہاں مجھ سے باز پرس ہوگی میں چاہتا ہوں کہ تم جیسے بخیل[1] آدمی سے روپیہ قرض لوں کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو وہ کسی نہ کسی طرح ضرور وصول کریگا۔[2] گو حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر فرمایا کہ میرے مرنیکے بعد آپ وصول کر لینگے مگر ظاہر ہے کہ خلافت کے زمانہ میں آپ کی آمدنی بہ مشکل آپ کی ضروریات کو کافی ہوتی تھی چہ جائیکہ اتنا پس انداز ہو کہ قرض ادا کیا جائے بلکہ اپنے تعلقات کی بنا پر حضرت عمرؓ کو یہ قوی امید تھی کہ عبدالرحمٰنؓ قیامت میں ہرگز مؤاخذہ نہ کیجئے اور معاف کر دیجئے۔

تاہم با ایں ہمہ بے تکلفی حضرت عمرؓ آپ کی بہت عزت کرتے تھے اور آپکی باتوں کا خاص اثر ان پر ہوتا تھا۔

اپنی وفات کے وقت چھ شخصوں کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا اور ساتھ ہی فرما دیا تھا کہ اگر آپس میں اختلاف ہو تو اس رائے کو ترجیح ہوگی جس کی طرف عبدالرحمٰنؓ ابن عوف ہوں گے۔[3] اور یہ مجلس شوریٰ اسیوقت قائم کی گئی تھی جب آپنے انکار فرما دیا تھا ورنہ پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ہی کو منتخب فرمایا تھا۔

---

[1] حضرت عمرؓ نے یہ لفظ صحیح معنے میں استعمال نہیں فرمایا بلکہ مزاح کے طور پر کہا تھا اس کے ثبوت کے لئے ائمہ رجال کے آپکی سخاوت کے متعلق جو الفاظ ہیں ان کے دیکھنے کی سفارش کرونگا مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ بہت خرچ کرتے تھے اور خرچ میں آپ کو خط حاصل ہوتا تھا اگر کسی کو وسوسہ ہو کہ نہیں یہ لفظ اپنے معنے میں مستعمل ہوا ہے تو اسکو چاہئے کہ آپ کے غیر معمولی مخارج جس جگہ تحریر ہیں اس پر نظر ڈالے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ لقب کثرت صدقہ و خیرات کا صلہ ہے (جمع الفوائد) ۱۲ [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ (ص ۱۹۹) ۱۲ م

[3] فتح الباری باب البیعۃ والاتفاق علی عثمان رضی اللہ عنہ ۱۲

اسی موقع پر یا کسی اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ

عبدالرحمن درست کام کرنیوالے ہیں اور لائق ہیں خدا کی طرف سے انکو ایک نگہبان ہے۔ تم ان کی اطاعت کرو۔

عبد الرحمن مسدد له من الله حافظ فاسمعوا منه (تاریخ طبری)

آپ کو یہ عزت و وقعت حاصل تھی کہ آپ کو کوئی بات اگر ناگوار معلوم ہوتی تھی تو آپ ٹوک دیتے تھے[۱]۔

تمام صحابہ میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کرنے میں آپ کو زیادہ جرأت تھی۔

كان اجرأهم على عمر عبد الرحمن بن عوف۔

چنانچہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ کے رعب سے کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ بات کر سکے آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ سے لوگ بہت خوف کرتے ہیں آپ نرمی کا برتاؤ کیجئے[۲]۔

اپنے ہمچشموں میں قدر و منزلت

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی شہادت کے بعد اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جانشین آپ ہوں گے۔ حضرت سعید ابن زید جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں ان سے آپ نے پوچھا کہ مستحق خلافت کون ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں تو تم کو اس کا اہل سمجھتا ہوں[۳]۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے متعدد لوگوں کا تذکرہ کیا سب لوگوں کے متعلق آپ نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا مگر حضرت عبد الرحمنؓ کے

---

[۱] ابن سعد ج ۳ (صفحہ [illegible]) ۱۲ [۲] طبری (صفحہ [illegible]) ۱۲ [۳] تاریخ طبری واقعات سنہ ۲۴ ہجری ۱۲

متعلق جو رائے تھی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت اچھے شخص ہیں صرف اتنی بات ہے کہ سفارش جلد قبول کر لیتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ اور نیز حضرت عمرؓ کے جو اصحاب شوریٰ تھے۔ یعنی وہ لوگ جن سے آپ دونوں حضرات سلطنت و خلافت کے امور میں مشورہ لیتے اس فہرست میں حضرت عبد الرحمٰنؓ کا نام بھی ہے[1]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ

فیہ العدل الرضی — کہ ان میں عمدہ انصاف ہے

اور حضرت عمرؓ کا آپ کے متعلق قول تھا کہ

سید من سادات المسلمین — کہ مسلمان سرداروں میں وہ ایک سردار ہیں[2]

حضرت عمرؓ کو جب ابو لؤلؤ نے زخمی کیا تو آپ نے حضرت عبد الرحمٰن ہی کا ہاتھ پڑھا نماز کی امامت کے لئے آگے کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے وقت جب سب لوگ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تھے تو آپ نے بھی مختصر خطبہ دیا تھا، آپ کے مؤثر الفاظ اب تک آپ کی قابلیت و اعزاز کی شہادت ہیں آپ نے فرمایا[3]

یا معشر الانصار انکم وان کنتم علی فضل فلیس فیکم مثل ابی بکر وعمر وعلی۔

اے انصار ہم بیشک تمہاری فضیلت کے معترف ہیں تمہاری بزرگی سے ہم کو انکار نہیں بحث طلب امر صرف یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں کوئی بھی ایسا ہے جو حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت علیؓ کا مساوی ہو۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج۳ ص۱۹ قسم دوم ۱۲ ار [2] تاریخ بخاری وغیرہ ۱۲ ار [3] تاریخ یعقوبی ج۲ (ص۱۳۷) ۱۲ ار

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ۱۲ھ جب شام کے فتح کرنے کا قصد کیا تو سب سے پہلے تمام اہل الرائے یعنی عشرہ مبشرہ اصحاب بدر اور مہاجرین، انصار کے سمجھدار لوگوں کے علاوہ اور بھی ذی فہم حضرات کو جمع کر کے اس طور سے مشورہ کیا کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اس سارے مجمع کے سامنے اپنے ارادہ کا اظہار اس عنوان سے کیا کہ خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد مسلمانوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ اس وقت تمام عرب ایک ماں باپ کی اولاد ہوگیا ہے، شیطان ہمیشہ کے لئے ناامید ہوگیا ہے کہ تم خدا کے سوا کسی اور کے سامنے سر جھکاؤ یا اپنی خواہشات و جذبات کو خدا کے سوا اور کسی کا بندہ بناؤ۔ اس وقت ہم کو اپنے اتفاق و یکدلی سے نفع و تمتع حاصل کرنا چاہئے اسلئے شام میں جو رومیوں نے تسلط جما رکھا ہے اس کو دور کرنا چاہتا ہوں اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور انشاء اللہ مسلمان ذیلی منافع سے محروم نہ رہینگے۔ ہم میں سے جو کام آئیگا وہ شہید ہوگا، زندہ رہکر وہ جو کچھ بھی (مال غنیمت، اعزاز، شہرت) وہ حاصل کرنا اس سے بہت زیادہ اور بہتر وہ خدا کے نزدیک حاصل کریگا۔ جو کامیاب رہا تو جہاد کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگا آپ کو اس قصد کے ظاہر کرنے کے لئے جمع کیا گیا ہے تاکہ آپ اپنے مشورہ سے مجھے فائدہ پہنچا سکیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی زور سے اس رائے کی تائید کی اور کہا کہ یہ تو وہ بات ہے جو میں آپ سے خود عرض کرنا چاہتا تھا مگر یہ متعدد بار کا تجربہ ہے کہ ہم نے بہت چاہا ہے کہ نیک کام اور دینی خدمت میں آپ سے سبقت لیجائیں مگر ہمیشہ آپ ہی آگے رہے۔ اللہ کا نام لیکر سوار پر سوار، فوج پر فوج، لشکر پر لشکر روانہ فرمانی شروع کر دیجئے، خدا اپنے دین کا مددگار ہے، اسلام اور اس کے پیروؤں کی عزت کو اوج کمال تک

پہونچا ئیگا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تحریک اور تائید دونوں سنیں، مشورہ کی حقیقت سے ناواقف نہ تھے سمجھے کہ رسمی تائید کا اگر سلسلہ رہا تو مشورہ کا اصل مقصد فوت ہوجائیگا ہر شخص کو اپنی فہم پر بار ڈالنا چاہیئے اور معاملہ کی اہمیت پر نظر رکھنی چاہیئے، حضرت عمرؓ کے بیٹھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا، خطبہ میں آپ نے مشکلات بیان کرنے کے بعد اُن مشکلات اور دشواریوں پر قابو پانے کی تدبیر بھی پیش کی اور فرمایا۔

اے خلیفۃ الرسول وہ لوگ رومی اور بنو الاصفر ہیں سخت جان قوی ہیکل ہیں یہ رائے صحیح نہیں کہ ہم یکایک ان پر حملہ کر بیٹھیں بلکہ یہ ہو کہ ہم سواروں کی ٹولیاں بھیجیں جو ان کے ملک کے دور دور حصوں پر حملہ کیا کریں اور پھر آپ کے پاس واپس آجایا کریں اور ایسے متعدد حملوں سے ان کو نقصان پہنچیگا اور اپنے قریب کے ملک کو وہ غنیمت سمجھکر اپنے دشمنوں کے (ہمارے) مقابلہ سے عاجز ہوجائیں گے۔ پھر آپ یمن، ربیعہ اور مضر کے پاس سوار بھیجکر انکو اپنے پاس جمع کریں اس کے بعد خود عنان امارت افواج اپنے ہاتھ میں لیکر جہاد کریں یا یہ عنان امارت کسی

یا خلیفۃ رسول اللہ انما الروم وبنو الاصفر حدّ حدید رکن شدید ما اری ان نقتحم علیھم اقتحامًا لکن نبعث الخیل فتغیر فی قواصی ارضھم ثم ترجع الیک واذا فعلوا ذلک بھم مرارًا اضروا بھم وغنموا من ادانی ارضھم فقعدوا بذلک عن عدوھم ثم تبعث الخیل الی اراضی الیمن و اقاصی ربیعۃ ومضر ثم تجمعھم جمیعًا الیک ثم ان شئت بعد ذلک

۱؎ علامہ ابن عربی نے بھی محاضرۃ الابرار میں اس کا ذکر کیا ہے خطبہ کے بھی الفاظ میں تھوڑا اختلاف ہے ۱۲ ؎۲ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۷

وان شئت اغزیتہم بنفسک وتہم غزو } دوسرے کے ہاتھ میں دیکر اس سے یہ خدمت لیں۔"

آپ کے خطبہ کے بعد دیر تک سکوت رہا حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا یہ اجتماع مشورہ کے لئے ہے مشورہ دو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے حج کے موقع پر سے منیٰ میں سُنا کہ چند لوگوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فلاں شخص کو خلیفہ بنائیں گے اور اپنے اس منصوبے کے پورا کرنیکی تدبیر یہ ٹھانی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہم سب سے پہلے اسکی بعیت لیں اور یہ رائے قائم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو خلیفہ بنے تھے اسکی بھی یہی صورت ہوئی تھی کہ چند لوگوں نے یکایک حضرت ابوبکرؓ سے بعیت کرلی تھی اور وہ خلیفہ منتخب ہو گئے تھے اسی طرح فاروق اعظمؓ کے بعد بھی جب ہم کسی سے اوّل اوّل بعیت کرلینگے تو وہی خلیفہ منتخب ہوجائیگا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس خام خیالی کا علم ہوا تو آپ بہت برہم ہوئے اور یہ قصد کیا کہ بے سوچے سمجھے کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے کیا برے نتائج پیدا ہوتے ہیں اور اتنا عظیم الشان اور اہم "انتخاب سلطان" جیسے امر میں بغیر غور و مشورہ کے پیشقدمی کرنا کتنے خوفناک و برے نتائج سے ہم کو دوچار کرائے گا اس سے لوگوں کو باخبر کردیں اور کسی گذشتہ حسن اتفاق کی بناء پر یہ اُمید قائم کرلینا آیندہ بھی ایسا ہی اتفاق پیش آئیگا یہ ایک سخت غلطی ہے۔

یہ سب واقعہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے گوش گذار ہوا تھا اور آپ ہی کے سامنے حضرت فاروق اعظم نے غصہ کی حالت میں اس قصد کا اظہار کیا تھا کہ آج ہی شام کو اس فرض سے سبکدوش ہولوں آپ نے

فوراً فرمایا۔

"اے امیر المومنین! آپ ایسا نہ کیجئے کیونکہ حج کا موقعہ ہے اس میں رذیل اور شریر النفس کمینہ لوگ بھی جمع ہوتے ہیں اور جب آپ خطبہ دینے کو لوگوں میں کھڑے ہوتے ہیں تو یہی لوگ سب کو مغلوب کر کے آپ کے قریب ہو جاتے ہیں مجھکو خوف ہے کہ آپ کوئی بات کہیں تو ہر شخص اس کو اڑالیگا اور نہ اس کو اچھی طرح محفوظ کرینگے اور نہ صحیح طور پر سمجھینگے آپ مدینہ پہنچنے تک (اس قصد سے) رکیے وہ دار الہجرۃ ہے اور علوم نبوت کا منبع ہے وہاں سمجھدار اور شریف لوگ آپ تک پہنچیں گے جو کچھ آپ کہیں وہ وہاں آپ وقار سے کہیں تو اہل علم آپ کی بات کو اچھی طرح محفوظ کریں گے اور صحیح سمجھینگے"۔

یا امیر المومنین لا تفعل فان الموسم یجمع رعاع الناس وغوغاءھم فانھم ھم الذین یغلبون علی قربك حین تقوم فی الناس وانا اخشی ان تقول فتقول مقالۃ یطیرھا عنك كل مطیر وان لا یعوھا وان لا یضعوھا علی مواضعھا فامھل حتی تقدم المدینۃ فانھا دار الھجرۃ والسنۃ فتخلص باھل الفقہ واشراف الناس فتقول ما قلت متمكنا فیعی اھل العلم مقالتك ویضعوھا علی مواضعھا (بخاری باب رجم الحبلی صفحہ ۱۰۰۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے مشورہ کو تسلیم کیا اور فرمایا۔

کہ خدا کی قسم ان شاء اللہ مدینہ میں جب پہلے خطبہ کا اتفاق ہوگا تو ان شاء اللہ اسی کے متعلق ہوگا۔

اما واللہ ان شاء اللہ لا قومن بذلك اول مقام اقومہ بالمدینۃ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک سفر میں جا رہے تھے اور ان کے ساتھ حضرت عبد الرحمنؓ کے بھانجے مسور بن مخرمۃ بھی تھے اور حضرت عبد الرحمنؓ قافلہ میں حضرت عثمانؓ سے اتنے فاصلہ پر تھے کہ ایک دوسرے کی آواز نہیں سن سکتے تھے

حضرت عثمانؓ نے مسورؓ سے کہا کہ اگر لوگ خیال کریں کہ ان دونوں ہجرت کرنیوالوں (حضرت عبدالرحمٰنؓ اور اپنی طرف اشارہ تھا) میں مجکو فضیلت ہے تو یہ بالکل غلط ہے[1]۔

حضرت عثمانؓ جب عام رعاف میں علیل ہوئے تو آپ ہی کے متعلق وصیت کی کہ میرے بعد قائمقام ہوں۔

حضرت عثمانؓ کی وصیت اور آپؓ کی ناراضگی کی تحقیق

اس واقعہ کو ایک جگہ فتح الباری اور تجارب الامم سے پورا نقل کرچکا ہوں صاف سیدھا واقعہ ہے مگر وہ دماغ جن کو ہمیشہ مشکل گتھیاں سلجھانے کی مشق ہو اور اسی میں انکو لذّت آتی ہو وہ اس بے مزگی کو کیونکر گوارا کریں سچ ہے کہ صرف ہمارے مذاق کا قصور ہے اور اسکی ساری کی ساری ذمّہ داری ہماری نکتہ آفرین طبع کے سر ہے۔ ؎

ذوقِ عشق است کہ دشوار پسند افتاد است   ورنہ سود اۓ سر زلف تو دشوار نبود

ورنہ واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ امر دیگر ہے کہ ہم اسکو اپنے مذاق پر ڈھال لیں اور صرف اپنے لطف و حظ کیلئے اپنے سے ہزارہا درجہ مہذب اور عمدہ اخلاق رکھنے والی ہستیوں پر باہمی بے لطفی کی داستانیں گھڑیں۔ سادہ واقعہ نظر سے گذرا اب مورخ یعقوبی کا خود ساختہ بیان بھی ملاحظہ کیجیے۔

یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ سخت بیمار ہوئے تو آپ نے حمران کو بلا کر وصیت لکھوائی	روی ان عثمان اعتل علة شديدةً اشتدت به فدعا حمران بن ابان

---

[1] مستدرک حاکم ج سوم ۱۲۷

اور نام کی جگہ خالی چھوڑ دیگئی پھر حضرت عثمان نے اپنے ہاتھ سے خالی جگہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لکھدیا، یہ وصیت نامہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس روانہ کیا راستہ میں حمران نے پڑھکر حضرت عبدالرحمٰنؓ کو آکر خبر کردی آپ بہت غصہ ہوئے اور کہا کہ ہم نے انکو علی الاعلان امیر بنایا تھا اور وہ مجھکو پوشیدہ پوشیدہ امیر بنانا چاہتے ہیں پھر یہ بات پھیل گئی اور تمام مدینہ والے واقف ہو گئے اور بنی امیہ بہت ناراض ہوئے حضرت عثمانؓ نے حمران کو بلاکر سو کوڑے لگائے اور جلاوطن کر کے بصرہ بھیجدیا، یہی بات حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما میں عداوت کا سبب ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے لڑکے سے یہ کہلا بھیجا کہ میں نے تم سے بیعت کی تھی حالانکہ مجھ میں تین باتیں موجود تھیں۔

وكتب عهداً لمن بعده وترك موضع الاسم ثم كتب بيده عبد الرحمن بن عوف وربطه وبعث به الى ام حبيبة بنت ابي سفيان فقرأه حمران في الطريق فاتى عبد الرحمن فاخبره فقال عبد الرحمن وغضب غضبا شديدا استعمله علانية ويستعملني سرا ونمى الخبر وانتشر بذلك في المدينة وغضب بنو امية فدعا امير عثمان بحمران مولاه فضربه مائة سوط وسيره الى البصرة فكان سبب العداوة بينه وبين عبد الرحمن بن عوف ووجه اليه ابنه فقال قل له والله لقد بايعتك وان في ثلاث خصال (تاریخ یعقوبی ج ۲)۔

اس کے بعد تین باتوں کا تذکرہ ہے جو اس رسالہ میں کسی دوسری جگہ مذکور ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر صرف مورخ یعقوبی ہی اس واقعہ کو نقل کرتے اور دوسرے مؤرخین اس سے ساکت رہتے تو بھی ہم اس روایت میں ایسی باتیں پاتے ہیں جنکی وجہ سے

ہم کو اس کے صحیح ماننے میں تامل ہے چہ جائیکہ حافظ ابن حجر جیسا وسیع النظر شخص اس واقعہ کو لکھتا ہے مگر ان بانوں تک ان کے وہم کی بھی رسائی نہیں جو مورخ یعقوبی کی ایزاد بندہ ہیں بلکہ علامہ ابن حجر نے تہذیب میں صحیح طریقہ روایت سے جو واقعہ نقل کیا ہے اسمیں صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حمران سے وصیت لکھوائی اور اس نے قبل از وقت اس کو ظاہر کردیا اس کی پاداش میں حضرت عثمانؓ نے اسکو جلاوطنی کی سزا دی۔

یہ بات قابل غور ہے کہ وصیت نامہ لکھکر حضرت ام حبیبہؓ کے پاس بھیجنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے خفا ہونے کے کیا معنے ہیں کیا آپ خلافت کے آرزومند تھے اگر یہ واقعہ یہ ہے تو خود انکی غلطی تھی ان کو تو خلیفہ بننے کا اچھا موقعہ ملا تھا خود اپنے ہاتھ سے ضائع کردیا۔

حضرت عمرؓ کی آپکی خلافت کے متعلق رائے

کیونکہ مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ نہیں قائم کی بلکہ آپ کو خلیفہ بنانا چاہا مگر جب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انکار کردیا تو آپ مجلس شوریٰ کرنے پر مجبور ہوئے

اسکے بعد کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن پر خلافت کو پیش کیا اور انھوں نے انکار کیا	بعد ان عرضها علی عبد الرحمٰن بن عوف فابی۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس انکار کے باوجود بھی در پردہ آپ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کردیا[1] اور فرمادیا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ اچھے صاحب الرائے ہیں ان کی بات سنو	نعم ذو الرای عبد الرحمٰن بن عوف

[1] ابن اثیر ۱۲ ار۔

اور انکی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ | فاستمعوا منه واطیعوه

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں پر نکتہ چینی کی حضرت سعد کے متعلق بدگمانی تھی اس کو رفع کیا صرف حضرت عبدالرحمٰن ہی کی ایک ذات ہے جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ بیش قیمت الفاظ ہیں۔

جلیل القدر صحابہ کا آپ سے خلافت کے متعلق اصرار

ٹھیک اسوقت جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بیعت لینے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے ہیں حضرت سعد بن ابی وقاص کا قاصد پہنچتا ہے اور انتہائی لجاجت کے الفاظ میں ان کا پیغام پہنچاتا ہے۔

سوچئے اور امۃ محمدیہ پر رحم کیجئے اور اپنے لئے بیعت لیجئے۔ | ارفع راسك وانظر لامة محمد وبايع لنفسك[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت سعید ابن زید رضی اللہ عنہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابی آپ سے مصر ہے کہ ہم لوگوں کے قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیجئے مگر آپ اپنے انکار پر قائم رہے۔

جیسا کہ اس روایت سے مترشح ہے کہ آپ کی خفگی صرف اتنی بات پر تھی۔

میں نے علی الاعلان ان کو امیر بنایا تھا اور وہ مجھکو پوشیدہ طریقہ پر خلیفہ بناتے ہیں۔ | استعمله علانية ويستعملني سرًا

یہ بات بھی ایسی نہیں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حالات پڑھنے کے

[1] فتح الباری ج ۱۳ کتاب الاحکام باب الاستخلاف ۱۲ منہ

بعد کوئی شخص یقین کرے کہ آپ کے دل و دماغ سے نکلی ہوئی بات ہے۔

حضرت عثمان سے بیعت کرنے کی وجہ

کیا حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے میں مستقل تھے[1]۔ اور ذاتی رائے سے خلیفہ بنا دیا تھا۔ سقیفہ بن ساعدہ میں خلافت کے موقعہ پر حضرت علیؓ کا نام لیتے ہیں، حضرت عثمانؓ کا تذکرہ بھی نہیں فرماتے اب بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس تبدیل رائے کا سبب اور حضرت عثمان کے تعین کی وجہ وہی ہے جو آپ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

فانی نظرت فی احوال الناس وشاورتهم فلم اجدهم یعدلون بعثمان (ثقات ابن حبان ج۱ ص۱۳۱ قلمی)

میں نے لوگوں کے حالات کا اندازہ کیا اور لوگوں سے مشورہ کیا تو وہ لوگ خلافت کے لئے حضرت عثمانؓ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ ذاتی رائے نہیں تھی۔ اور نہ یہ کہ ذاتی انتخاب پر آپ نے حضرت عثمانؓ کو متعین کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وقعت و عظمت خاص خاص لوگوں کے دلوں میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[2]۔

ما ابن ابی قحافة باولی بعمل الحق منك ولا ابن الخطاب باولی بشیء من الخیر منك وما سبقاك الی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے کارناموں کے لحاظ سے آپ سے بہتر تھے اور نہ فاروق اعظمؓ اپنے اعمال صالحہ کے لحاظ سے آپ سے افضل تھے اور یہ دونوں

---

[1] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ آخر کتاب میں آیا ہے وہاں ملاحظہ کریں ۱۲ منہ [2] تاریخ طبری واقعات سنہ ۳۴ھ ۱۲ منہ

حضرات آپسے کسی بات میں غلبہ اور سبقت نہیں لیگئے۔ | شئ ۔

حضرت معلم الامۃ عبداللہ بن مسعودؓ نے جب کوفہ میں آکر خطبہ دیا ہے تو فرمایا ہے کہ[1]

ہم تمام صحابہ نے اتفاق کرلیا اور ہم نے جو ہم سب میں بہتر اور افضل تھا اور اسکو فوقیت تھی اسکے تلاش کرنے میں کمی نہیں کی پھر ہم نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔ | انا اجتمعنا اصحاب محمد فلم نال عن خیرنا ذی فوق فبایعنا امیر المومنین عثمان

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اپنی دیانت اور امانت کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بنانے پر مجبور تھے۔

اور پھر یہ کونسی ناراض ہونے کی بات ہے۔

میں نے ان کو علی الاعلان امیر بنایا تھا اور وہ مجھکو پوشیدہ پوشیدہ خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ | استعملہ علانیۃ ویستعملنی سرًا۔

کیا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے لئے وصیت نامہ نہیں لکھدیا تھا اور اس کے بعد لوگوں میں اعلان کیا' حضرت عبدالرحمنؓ نے یہ کیسے معلوم کرلیا کہ حضرت عثمانؓ ایسا نہ کرینگے۔

حضرت عبدالرحمنؓ نے تو حضرت عثمانؓ سے عہد لیا تھا کہ

قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے قوانین کی پیروی حضرات شیخین جس طریقہ سے | ان نسیر فینا بکتاب اللہ وسنۃ نبینا وسیرۃ ابی بکر

---

[1] طبقات ابن سعد ج۳ ص

کرائے تھے اسی انداز سے آپ بھی کرائیں ۔ | عمر (تاریخ یعقوبی)

اگر اب حضرت عثمانؓ نے وصیت کر کے حضرت ابو بکرؓ کی تقلید کی اور اپنا وعدہ اور عہد پورا کیا تو یہ حضرت عبد الرحمٰنؓ کی خفگی کا موجب نہیں ہو سکتا اگر آپ خلافت کے آرزومند نہ تھے تو آہستگی سے منع کر دیتے کیا حضرت عبد الرحمٰنؓ کے بغیر قبول کئے ان کے ذمہ ہو جاتی خفا اور غصہ ہونے کی کیا بات تھی اور وہ بھی خفگی اور ناراضی امام واجب الاطاعۃ سے ۔

اور اگر ایسے ہی ذمہ ہو جاتی اور گردن پڑ جاتی تو خلافت ثالثہ کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد وغیرہ گردن میں نہ ڈال دیتے ۔

اس کے بعد آپ کا اپنے لڑکے کو بھیجکر وجوہ افضلیت کا ظاہر کرنا کیا معنے رکھتا ہے ان باتوں کے ظاہر کرنے سے مقصد کیا تھا

غلط باتوں کی بنا چونکہ واقعات کے سطح پر نہیں ہوتی اس لئے اس میں بے تک اور بے جوڑ باتوں کا جمع ہو جانا نہ کچھ تعجب انگیز ہے اور نہ ہونا چاہیئے ۔ اسمیں شک نہیں کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ کو اس سے نفرت تھی حضرات شیخین نے جس ایثار سے زندگی گذاری تھی وہ منظر انکی آنکھوں کے سامنے تھا وہ اس کا احساس کرتے تھے کہ میں اتنا ایثار نہیں کر سکتا تو ایسی ذمہ داری کیوں لوں جس میں اتنے ایثار کی ضرورت ہو ۔

حضرت عثمانؓ کے رنج کی نوعیت

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ کو اس سے رنج وصدمہ ضرور ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے آپکے بغیر استمزاج آپ کے نام کیوں وصیت کی مگر اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اپنے کو اس اہم ذمہ داری سے علیحدہ رکھنا چاہتے تھے اور نہ اس رنج کا وہ اثر ہوا جو مورخ یعقوبی نے لکھا یا سمجھا ہے بلکہ اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ انھوں نے خدا سے اپنے پاس جلد بلانے کی دعا کی جو قبول ہوئی اور

اور آپ اسی سال وفات پا گئے اسکی بڑی قوی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے جنازہ کی نماز پڑھانا ان ہی کا حق تھا اور کوئی پڑھا نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے وصیت کی کہ حضرت عثمانؓ نماز پڑھائیں اگر صدمہ ورنج کی وہ نوبت ہوتی جو مورخ یعقوبی اور ان کے ہم مشرب نے سمجھی ہے تو بجائے اس وصیت کے انکو یہ وصیت اپنی کتاب میں درج کرنی چاہیئے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کو شرکت کی اجازت نہیں دی حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ہر بدری کو چار سو دینار سُرخ دینے کی وصیت کی تھی چنانچہ حضرت عثمانؓ نے وصیت کے مطابق یہ رقم وصول کی[1] اگر دونوں صاحبوں میں صفائی نہ ہوتی اور ناراضگی ہوتی تو حضرت عثمان غنیؓ کبھی یہ رقم نہ لیتے۔

تھوڑی دیر کے لئے اگر ہم مورخ یعقوبی کے بیان کو صحیح سمجھ لیں اور حضرت ام حبیبۃ رضی اللہ عنہا کے پاس وصیت نامہ رکھنے کی یہ توجیہ کریں کہ آپ تمام امہات المومنین میں حضرت عثمانؓ سے ایک خاص اور تعلق رکھتی تھیں جسکی وجہ سے آپ کے پاس وصیت نامہ کا رکھا جانا بنو امیّہ اور بنو ہاشم دونوں کے لئے باعث اطمینان تھا' آپ کے پاس وصیت نامہ رہنے کی صورت میں دونوں خاندان میں سے کسی کو بھی بدگمانی کا موقع نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ امر ظاہر ہے کہ آپ سے خاندانی تعلقات رکھنے والی ہستی پر دوسرے لوگ اسی وقت اتہام لگا سکتے ہیں کہ جب وصی ان ہی کے قبیلہ کا ہو اور جب حضرت عبدالرحمٰنؓ کے نام وصیت ہے تو دوسرے لوگوں کو بھی اتہام و بدگمانی کا موقع نہیں ہو سکتا اور جب حضرت ام حبیبۃ رضی اللہ عنہا کے پاس وصیت نامہ محفوظ ہے تو بنو امیّہ کے غیظ و غضب میں آنے کی

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۱ر

کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

اور اتنے ہی دیر کے لئے ہم حضرت عبدالرحمٰنؓ کا غصہ ہونا بھی مان لیتے ہیں مگر مؤرخ صاحب کا یہ اجتہاد

یہ امر باہمی کشاکشی اور عداوت کا سبب بنگیا۔	فکان سبب العداوة بينه و بين عبد الرحمٰن بن عوف

ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا، اگر حضرت عبدالرحمٰنؓ رضی اللہ عنہ غصہ اور خفا ہوئے اور فرمایا

میں نے عام مجمع میں خلیفہ بنایا تھا اور وہ پوشیدہ طور پر مجھکو بناتے ہیں۔	استعمله علانية و يستعلي سرًا۔

تو اس کا صحیح منشا کیوں نہیں پیدا کیا جاتا اور کیوں نہیں کہا جاتا کہ غصہ و ناراضگی صرف اس وجہ سے تھی کہ انھوں نے تعین خلافت کے لئے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے نزدیک صحیح و درست یا مناسب نہ تھا بلکہ ان کی رائے میں سب سے بہتر طریقہ وہ تھا جو خود انھوں نے اختیار کیا تھا کہ رائے عامہ حاصل کیجائے اور اس کے مطابق خلیفہ کا انتخاب کیا جائے جسکی نظیر خود انھوں نے اپنے عمل سے قائم کر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے از خود بلا مشورہ ایسا کیا اس کو وہ صحیح یا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

وللناس فی ما یعشقون مذاهب

دوستانہ تعلقات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور واقعہ جس میں آپ نے خطبہ کی حالت میں یا سارية الجبل الجبل (اے ساریہ پہاڑ کی طرف خیال کرو[1]) فرمایا تھا

[1] حضرت عمر جمعہ کے دن منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ یکایک آپ نے فرمایا یا سارية الجبل الجبل اسوقت

حضرت عمرؓ کے جلال سے کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس بے موقعہ جملہ کے استعمال کا منشاء دریافت کرتا مگر حضرت عبد الرحمٰنؓ کے لوگوں کے اصرار پر آپ نے دریافت فرمایا۔

زبرقان[1] کی حطیئہ[2] نے ہجو کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ نہاوند میں جنگ ہو رہی تھی اور مسلمان آگے بڑھتے جاتے تھے اور پہاڑ کے ایک درے میں کفار چھپے ہوئے تھے اور پیچھے سے حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلنا شروع کر دیا تھا کہ یکایک ان لوگوں کے کانوں میں یہ آواز آئی لوگوں نے پہاڑ کی طرف بڑھکر دیکھا تو کفار کا ایک لشکر حملہ کرتا ہوا نظر آیا عین وقت پر فوج نے اس طرف منہ کیا اور کفار کو ہزیمت حاصل ہوئی (تاریخ الخلفاء وغیرہ) [1] زبرقان آپ کا تو نام تھا مگر عربی میں چاند کو کہتے ہیں اور تھے بدر کے بیٹے لیکن حسن و جمال میں خود ہی بدر تھے۔ آپ کہیں منہ ڈھانپکر تشریف لاتے تھے اس خوف سے کہا کہ آپ کے عالم سوز دلربائی کی لپیٹ میں کوئی نہ آجائے ابن عساکر ج ۵ ص ۲۶۸) اور احتیاط کا اقتضا بھی یہی تھا کہ آپ اپنے آتشین رخسار کے شرر انگیز شعلوں سے خدا کی مخلوق کو محفوظ رکھیں جاہلیت میں بھی معزز تھے اور اسلام میں بھی آپ کی عزت و عظمت کچھ کم نہ تھی ۹ھ میں اپنے قبیلہ کی طرف سے وفد میں آئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کو وہاں کے صدقات کا عامل بنا دیا تھا صدقات کی پہلی رقم آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نہ لاسکے۔ جس زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے فتنۂ ارتداد بپا کر رکھا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو اپنی خدمت پر قائم رہنے دیا حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بھی آپ کی اس عزت کو برقرار رکھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ صدقات کا مال و اسباب لیکر دربار خلافت میں حاضر ہو رہے تھے کہ راستہ میں حطیئہ سے ملاقات ہوئی حطیئہ قحط کیوجہ سے مع اہل و عیال عراق جا رہا تھا زبرقان نے کہا کہ مع اہل و عیال ہمارے یہاں چلے آؤ اور مہمان رہو اور علامت کے لئے ایک چیز دیدی اور کہدیا کہ وہاں دکھلا دینا اس سے لوگ پہچان لینگے کہ تم میرے بھیجے ہوئے ہو (اسد الغابہ) اس احسان کا جو بدلہ حطیئہ نے دیا اسکو آپ پڑھ چکے ہیں خلافت معاویہؓ کا دور آپ نے دیکھا اخیر عمر میں آنکھ سے معذور ہو گئے تھے فصاحت و بلاغت میں حسن جمال کی طرح شہرہ آفاق تھے (اصابہ) [2] اصل انکا نام جرول تھا

دع المکارم لا ترحل لبغیتها	واقعد انک انت الطاعم الکاسی
عزت کی باتوں کا تو خیال چھوڑ دے اور اس کی طلب میں مت دوڑ	اور بیٹھ جا تجکو صرف کھانا کپڑا چاہیے

زبرقان نے دربار خلافت میں شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت سے پوچھا[1] یہ ہجو ہے۔ حسان نے جواب دیا کہ بیشک یہ ہجو ہے حضرت عمرؓ نے اُس کو تہ خانہ میں بند کر دیا پھر حضرت عبد الرحمٰنؓ کی سفارش پر اُس کا قصور معاف ہوا اور اُس اقرار پر اسکو چھوڑا گیا کہ آیندہ کسی کی ہجو نہ کریگا۔[2] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے آپ کے تعلقات

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ گو شعر کی ہر صنف میں استاد تھے مگر افتاد طبع سے مجبور تھے۔ مرزا رفیع سوداؔ کی ہندوستان میں اتنی شہرت نہیں جتنی کہ آپ کی عرب میں تھی۔ آپ نے ہجو میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اپنے باپ، ماں، بھائی، بیوی، سبکی ہجو لکھ ڈالی (اغانی) مزاج میں بخل و شرارت کے ساتھ ساتھ قدرے حماقت بھی تھی قادسیہ کی جنگ میں اپنی آتش فشانی سے آگ لگادی تھی (تاریخ کامل ج ۲ صـ۲۲۱) آپ نے بڑی عمر پائی۔ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگئے تھے مگر الحمد للہ کہ خاتمہ بالخیر ہوا (اصابہ) ۱۲

[1] حضرت عمرؓ نے اس کا فیصلہ خود کیوں نہیں کیا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا اس سوال کے جواب کا ذمہ دار تذکرہ فاروقی ہے نہ حضرت عبد الرحمٰن کا تذکرہ، مگر پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست پر ایک بدنما داغ ہے جسکے دفع کرنے کے لئے ہم ذو اہل فن کی شہادت نقل کرنا ضروری اور کافی سمجھتے ہیں۔ جاحظ لکھتا ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شعر کے بہترین واقف کار تھے	کان عمر ابن الخطاب اعلم الناس بالشعر (البیان و التبیین) (صـ۹۶ مطبوعہ مصر)

ابن رشیق القیروانی کے شہادت کے الفاظ یہ ہیں۔

اپنے زمانے کے بہترین نقاد تھے اور آپ کا فیصلہ سب سے زیادہ نافذ ہوتا تھا۔	کان من انقد اھل زمانہ و انفذھم فیہ (کتاب العمدۃ ذکر اشعار الخلفاء)

[2] ازالۃ الخفا مقصد دوم ۱۲

بہت وسیع تھے آپس میں کبھی کبھی ظرافت بھی ہوتی تھی۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شرف صحبت نے اپنے ابناء جنس سے ممتاز کر کے اتنے اعلیٰ اور ارفع مرتبہ پر پہنچا دیا تھا کہ بسا اوقات اسلام سے قبل کی حالت کا اسلام کے بعد کی حالت کے مقابلہ کرنے سے دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ دو جماعت یا دو شخص کے حالات ہیں؟ اسلام کے بعد جو کایا پلٹ ہوا ہے اس کو دیکھکر یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ عمر ابن الخطاب وہی ہیں یا کوئی دوسری ہستی ہے۔ تاہم اقتضائے بشری سے معرا نہ تھے۔ آپس میں شکر رنجی ہو جایا کرتی تھی اور ایسے مواقع پر اپنی شان سے کم درجہ کی باتوں کا سرزد ہو جانا کوئی زیادہ بعید امر نہیں ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ کے کچھ ایسے گہرے تعلقات تھے کہ کوئی معمولی سی بات ان کے خلاف شان صادر ہوتی تو آپ کو سخت صدمہ اور بڑی تکلیف ہوتی اور جو دل میں آتا کہہ دیتے حضرت عثمان نے اپنی خلافت چھٹے سال منیٰ میں بجائے دو رکعت کے چار رکعت نماز پڑھی یعنی قصر نکیا آپ نے سختی سے ٹوکا اور حسب ذیل گفتگو کی[1]

کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہاں دو رکعت نماز نہیں پڑھی اور حضرات شیخین کے ساتھ اور خود بھی آج سے قبل دو رکعت نماز نہیں پڑھی۔	اولم تصل فی هذا المکان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و ابی بکر و عمر رکعتین و صلیتها انت رکعتین۔

حضرت عثمان نے اپنے عذر بیان کیے کہ دور دور سے لوگ آتے ہیں اور

---

[1] تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۱۲

مجھکو بحالت سفر دو رکعت نماز پڑھتے دیکھکر اپنے گھروں میں بھی دو ہی رکعت پڑھینگے اسکے علاوہ میں نے مکہ میں شادی کر لی ہے اور میری تجارت طائف میں ہے ۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا کہ جتنی باتیں آپ نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک بھی اس قابل نہیں ہے کہ جسکو عذر کہا جا سکے ۔ میں نے مانا کہ آپ نے مکہ میں شادی کی ہے تو صرف شادی کرنے سے کیا آپ مقیم ہو جائینگے ۔ طائف میں اگر آپ کی تجارت ہے تو طائف بھی یہاں سے مسافت قصر پر ہے ۔ اور لوگوں کے غلط استدلال کا عذر بھی کوئی عذر نہیں ہو سکتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو بھی بعینہ یہ عذر درپیش تھا مگر اُن حضرات نے ایسا نہیں کیا ۔

آپ کو جو کچھ کہنا تھا کہدیا مگر پھر بھی حضرت مُعلّم الاُمّۃ عبد اللہ بن مسعود سے کہا کہ میں بھی چار ہی رکعت پڑھونگا اپنے امام سے اختلاف اور مخالفت دونوں سے پرہیز کرتا ہوں ۔

اسیطرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ صدقات کے اونٹ آئے، آپ ان اونٹوں کو لیکر بازار گئے اور بازار میں جو انکی انتہائی قیمت ہوئی وہ ادا کرکے خود لے لئے لوگوں نے شکایتاً یہ واقعہ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ تک پہنچایا حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور خلافت پر بیعت کرتے وقت جو عہد ان سے لیا تھا وہ یاد دلایا اور کہا کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے ان سب اونٹوں کو واپس کر دیجئے۔[1]

---

[1] شرح سیر کبیر ج ۲ صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۲

یہ واقعہ سیر کبیر سے نقل کیا گیا ہے جو دوسری صدی کی تصنیف ہے اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو حق بین آنکھوں میں کھٹکے بجز اس کے کہ حضرت عثمان رضی کی شان اس سے ارفع تھی اور حضرت عبدالرحمن رضی کے محبت والفت کے تعلقات نے اسکو بھی گوارا نہیں کیا۔ اور انہوں نے اس معاملہ کو فسخ کرا دیا۔ مگر مرور زمانہ کو واقعہ کی صورت بدلنے میں بڑا دخل ہے میرا یہ منصب نہیں ہے کہ اس پر روشنی ڈالوں کہ کیا وجوہ ہوتے ہیں کہ امتداد زمانہ غلط باتوں کو صحیح اور سچے اور صحیح واقعات کو غلط باور کرا دینے لگتی ہے۔

مؤرخ جزری اس واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

ان ابلا من ابل الصدقة قدم بها علی عثمان فوهبها لبعض بنی الحکم فبلغ ذالك عبد الرحمن بن عوف فاخذها وقسمها بین الناس وعثمان فی الدار۔

ان وجوہ سے جن کے سبب سے حضرت عثمان رضی پر لوگوں کی جرأت بڑھی یہ واقعہ ہے کہ صدقے کے اونٹ آئے تھے حضرت عثمان رضی نے اپنے خاندان (یعنی بنی الحکم) کو دیدیے حضرت عبدالرحمن کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے اس شخص سے چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور حضرت عثمان گھر میں تھے انکو اطلاع تک نہ ہوئی۔

اب دونوں روایتیں آپ کے سامنے موجود ہیں پہلی روایت میں جو غلطی بیان کیجاتی ہے وہ ایسی ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی ہستی سے ممکن ہے اور دوسری روایت میں جو الزام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے ہیں وہ اس سے ناممکن ہیں۔

یہ یقینی امر ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو قریب زمانہ کے ہیں ان کو جتنی صحیح اطلاع پہنچی ہوگی وہ ان کے صدیوں بعد والے مؤرخین کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ دملو؟

روایتوں کے مقابلہ سے مقصد یہ ہے کہ روایت کا کتاب میں ہونا اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ واقعہ ہوا بھی ہے بلکہ اصول روایت کے لحاظ سے وہ ممکن بھی ہو اور روایت کے منضبطہ قوانین کے ذریعہ سے مروی ہو۔ اس تذکرہ میں بعض اور ایسی روایتیں ملینگی وہاں یہ اصول ملحوظ رہنے چاہئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکر رنجی کے موقعہ پر یہ کہلا بھیجا کہ میں جنگ اُحد میں بھاگا نہ تھا ثابت قدم رہا تھا۔ اور بدر میں بھی شریک تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو میں نے نہیں چھوڑا[۱]

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر میں اتر کر اپنے ہاتھ سے ۲۴ھ میں بتاریخ یکم محرالحرام یوم یکشنبہ آغوش صدیقی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم سلایا تھا۔[۱]

ایک روایت اور اس کے معنے

امام بخاری نے کتاب الحدود باب الرجم میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ۔

---

[۱] حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کے ذریعہ سے جواباً یہ کہلا بھیجا کہ جس قصور کو خداتعالیٰ نے معاف کردیا ہو اس پر کسی مسلمان کو نادم کرنا مسلمان کے شایان شان نہیں بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضور کی صاحبزادی کی تیمارداری میں اور ان کے انتقال کے بعد ان کی تجہیز و تکفین میں مشغول و مصروف رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں حصہ دیا اور حضرت عمرؓ کی پیروی کا ذکر فضول ہے وہ نہ آپ اچھی طرح کرتے ہیں اور مجھکو تو اپنے جرم کا اقرار ہے کہ مجھ سے پوری طور پر نہیں ہو سکتی (ازالۃ الخفا ج ۲) ۱۲ ر

میں مہاجرین میں سے چند لوگوں کو پڑھاتا تھا جن میں سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی ہیں۔	کنت اقرئ رجالاً من المهاجرین منهم عبد الرحمٰنؓ بن عوف

علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ مہاجرین میں سے اور کس کس کو پڑھاتے تھے اس کا پتہ مجھکو نہیں چلا۔ علامہ موصوف ہی فرماتے ہیں کہ مالک کی روایت میں فی خلافۃ عمر کا لفظ بھی زائد ہے یعنی حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں پڑھاتا تھا علامہ عینی لکھتے ہیں کہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے یعنی حضرت عمر کی وفات سے ایک سال پہلے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مرنے کے آٹھ نو سال قبل کا واقعہ ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بعثت کے کچھ ہی دنوں بعد اسلام لائے ہیں پھر سفر حضر ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے صرف غزوۂ دومۃ الجندل میں کچھ دنوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مفارقت رہی ہے۔

جس پابندی سے دربار نبوت میں حاضر رہتے تھے اس کا ذکر اسی کتاب میں کسی جگہ ہے۔ پورا قرآن آپکی نظروں کے سامنے نازل ہوا۔ بیسوں صحابہ نے آپ کے سامنے قرآن حفظ کرلیا مگر آپ نے نہیں پڑھا یہ بات میرے سمجھ سے بہت بالا ہے اور پڑھنے بیٹھے تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حالانکہ اس وقت حضرت معلم الامۃ عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذ بن جبل (حضرت عبداللہ ابن عباس کے استاد) ابی ابن کعب، ابوالدرداء زید بن ثابت وغیرہ موجود تھے جنھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف پڑھا تھا۔ حضرت ابن عباس تو خود فرماتے ہیں[1]۔

---

[1] بخاری شریف کتاب فضائل القرآن باب تعلیم الصبیان ۱۲

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں دس برس کا تھا اور میں نے آخری منزل پڑھ لی تھی۔

توفی رسول اللہ علیہ وسلم وانا ابن عشر سنین وقد قرأت المحکم یعنی المفصل

علامہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ابن عباس نے آخری منزل مہاجرین اور انصار سے پڑھی تھی۔

انما حفظ المفصل من المهاجرین والانصار۔

خود علامہ ابن حجر نے اصابہ اور مقدمہ فتح الباری میں آپ کا شمار مفتیانِ عہد نبوی کے ممتاز طبقہ میں کیا ہے علامہ ابن سعد نے طبقات میں آپ کو عہد نبوت کے مفتیوں کی فہرست کے علاوہ عہد صدیقی، عہد فاروقی، عہد عثمانی کے مفتیوں کی فہرست میں بھی درج کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ افتاء کے لئے اس زمانہ میں جس علم کے کمال کی سند لابدی اور ضروری تھی وہ صرف قرآن کا علم تھا۔ قرآن کے علم کے بغیر اس عہدہ جلیلہ پر فائز نہیں ہو سکتا تھا۔ غزوۂ تبوک میں حضرات شیخین کے علاوہ تمام جلیل القدر صحابہ موجود تھے مگر آپ کو لوگوں نے نماز کے لئے آگے بڑھایا، اس واقعہ کے ساتھ یہ ارشاد نبوی پیش نظر رکھیئے۔

قرآن شریف کا زیادہ جاننے والا تمہارا امام ہو۔

ولیؤمکم اقرأکم

جس شخص نے حضرات شیخین اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کی ہو اس کو اب بھی حضرت ابن عباس کے سامنے

لہ ج ۱۲ ص ۱۳۸ ۱۲

زانوئے ادب تہ کرنیکی ضرورت باقی ہو۔

بخاری کتاب التفسیر[1] میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباسؓ کو بڑے لوگوں کے ساتھ بٹھاتے تھے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اعتراض کیا تھا کہ وہ ہمارے بچوں کی عمر کا ہے اس کو آپ ہمارے برابر بٹھاتے ہیں اگر حضرت ابن عباس حضرت عبدالرحمٰنؓ کے استاد ہوتے تو یہ اعتراض ہرگز نہ کرتے ان ہی وجوہ سے میرا یہ خیال ہے کہ اس روایت کے جو معنے علامہ داؤدی نے کئے ہیں وہ صحیح ہیں" کہ میں چند مہاجرین سے پڑھتا تھا اور وہ مہاجرین عبداللہ ابن عباسؓ کو پڑھ پڑھکر سناتے تھے تاکہ عبداللہ ابن عباس ویسا ہی پڑھیں (فی زماننا بھی تعلیم قرآن میں یہی طریقہ مروج ہے)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے

میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے پاس جاتا تھا۔	کنت اختلف الی عبد الرحمٰن بن عوف

جدید تعلیم و تہذیب سے قطع نظر کیجیے تو عام دستور یہی تھا اور ہے کہ شاگرد استاد کے پاس جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر کا یہ عذر۔

کہ اکثر صحابہ جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے پورا قرآن مجید یاد نہ کر سکے	وکان کثیر من الصحابة لاشتغالهم بالجهاد لم یستوعبوا القران حفظاً

ان لوگوں کے متعلق صحیح ہو سکتا ہے جو ہجرت کے بعد یا ہجرت کے کچھ ہی قبل داخل اسلام ہوئے تھے اور جو لوگ ہجرت سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے

[1] تفسیر سورۂ نصر ۱۲

خصوصاً ۶ سنہ بعثت کے قبل ان کے متعلق تو یہ عذر صحیح نہیں مانا جاسکتا۔

جہاد کا حکم ۱۳ سنہ بعثت کے بعد نازل ہوا تھا یعنی مدینہ آنے کے بعد۔ اور مکہ کی زندگی میں بجز قرآن شریف یاد کرنے کے ایک معنی میں اور کوئی مذہبی شغلہ نہ تھا اتقان میں علامہ سیوطی نے تحقیق کے بعد یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف کی زیادہ سورتیں مکہ ہی میں نازل ہوئی ہیں۔

راستگوئی یا آزادی رائے

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مرض الموت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارے میں حضرت عبدالرحمن سے مشورہ لیا اس وقت آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب پر مسرت ظاہر کی اور کہا کہ ان سے زیادہ مستحق اور کوئی نہیں ہے۔

مجھکو اگر خیال ہے تو اتنا کہ ان کے مزاج میں درشتی وسختی ہے مسلمانوں کی امارت کی زمام جسکے ہاتھ میں ہو اس کا اتنا تیز مزاج ہونا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسلامی تعلقات کے علاوہ ذاتی تعلقات بھی بہت تھے مگر مذہبی اور اسلامی مصالح پر یہ تعلقات اثر رساں نہ ہو سکے۔ اور بغیر اس خیال کے کہ اس موقع کا منظر اپنے مخلص دوست سے ایسی بات سنکر کتنا ملول ورنجیدہ ہوگا آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے جو کہنا چاہئے تھا کہدیا اور آپ کی راستگوئی آپ کی خاموشی کی مانع رہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب سب سے پہلے روم پر حملہ کرنیکا قصد کیا تمام اکابر صحابہ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا سب نے مستعدی ظاہر کی مگر آپ نے نہایت تفصیل کے ساتھ

لے یہ عام انسانی جذبات کی تصویر ہے۔ اس سے حضرت عمرؓ کے متعلق کسی قسم کا خیال کرنا خوش نصیبوں کی فہرست میں داخل کر دیتا ہے۔

اس میں جو مشکلات اور دقتیں تھیں ان پر روشنی ڈالی[1]

عقل معاش، حسن تدبیر

آپ کی فہم و فراست اور خداداد قابلیت جس اعلیٰ پیمانہ پر تھی اس کا ضمناً تذکرہ متعدد جگہ آچکا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے آپ کے جو تعلقات آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں اس سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آپ کے متعلق جو بیش قیمت الفاظ ہیں وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گزر چکے اس موقعہ پر چند واقعے نمونتًا درج ہیں۔ پہلا واقعہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپکو اور آپ کے ساتھ اور پانچ آدمیوں کو امارت مسلمین کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ آپ نے جس خوبصورتی سے اس کو انجام دیا ہے وہ آپ کی فراست کے اعلیٰ درجہ پر ہونے کا ناقابل رد شاہد ہے۔ میں اس واقعہ کو اس موقع پر صحیح بخاری کی کتاب المناقب سے نقل کرتا ہوں۔

آپ کی فراست کا نمونہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجہیز سے فراغت کے بعد ایک جگہ سب لوگ مشورہ کے لئے جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے ان سب سے کہا کہ تم میں سے تین شخص بقیہ تین شخصوں کو اپنا وکیل بنا دیں چنانچہ حضرت زبیر رضؓ نے حضرت علیؓ کو اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کو اپنا وکیل بنایا، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ دونوں میں سے جو دست بردار

---

[1] ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۱۲ ۱۳

دیگا اس کو میں امیر بناؤں گا اور میری اس بات کا خدا گواہ ہے مگر دونوں صاحبوں میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ آپ دونوں مجھکو وکیل بناتے ہیں خدا کی قسم تم دونوں میں جو افضل ہوگا اس کا حق ضائع نہ کروں گا دونوں نے کہا کہ ہم اپنے اختیار آپ کو سونپتے ہیں پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تخلیہ میں بلاکر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو آپ کو قرابت ہے اس کا مجھے علم ہے اور آپ کے قدیم الاسلام ہونے سے بھی میں واقف ہوں اگر میں آپ کو امیر بناؤں تو آپ عدل کریں اور اگر حضرت عثمانؓ کو بناؤں تو آپ انکی اطاعت کریں اور انکی بات سنیں پھر حضرت عثمانؓ کو تخلیہ میں لیجاکر ایسے ہی گفتگو ان سے کی پھر جب دونوں سے عہد لیلئے تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ہاتھ بڑھایئے انھوں نے ہاتھ بڑھایا پہلے حضرت عبدالرحمنؓ نے بیعت کی اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی اس کے بعد اور لوگوں نے بیعت کی[1]۔ یہ واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ آگے آتا ہے وہاں انشاء اللہ العزیز اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی جائیگی اسوقت مقصود صرف اتنا ہے کہ اس واقعہ میں دیکھئے کس خوبصورتی سے چھ مدعیان خلافت کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لیکر جس کو موزوں ومناسب سمجھا اسکے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس واقعہ میں بظاہر کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں معلوم ہوتی مگر آپ نظر کو ذرا وسیع کیجئے تو آپ کو اسکی اہمیت اور وقعت کا علم ہوگا۔ اور خواص کے طبقہ میں جو آپ کو ایک مافوق فراست عطا ہوئی تھی اس کا پتہ چلیگا۔

کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ آپ کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنیؓ حضرت علیؓ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت طلحہؓ حضرت عمرو ابن العاصؓ اور ان کے

---

[1] بخاری کتاب المناقب صفحہ ۵۲۳ باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ ۱۲

علاوہ اور بڑی بڑی ہستیاں موجود تھیں مگر آپ کی وفات کے بعد جو اختلاف و انتشار امت محمدیہ میں پیدا ہوا ہے اس کا انسداد نہ ہو سکا۔ گویا کہ آپ کی ذات کیا تھی فتنہ کا سد باب تھی میرے موضوع سے خارج ہے کہ اسکی تحقیقات کروں کہ حضرت عثمان سے شکایات کا منشا صحیح تھا یا غلط مگر آپکی شہادت کے بعد بھی اور بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں باقی رہیں مگر بجائے اسکے کہ اختلاف و افتراق میں کمی ہوتی یا بالکل فنا کر دیا جاتا اس کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہی۔

غور کا مقام ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اور کوئی دعویدار خلافت نہ تھا۔ مگر پھر بھی حکومت و سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے۔ اور اس کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہی ساتھ حضرت علیؓ پر بھی لوگوں کی نظریں اٹھتی تھیں مگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے آپ زندہ تھے اور صرف آپکی فراست و دانائی نے اختلاف پیدا ہونے نہیں دیا اور اسلامی سلطنت کی قوت ایک جگہ مجتمع رہی۔

ممکن ہے کہ صرف اس نئی تہذیب کا اثر ہو مجھکو اس سے بحث نہیں مگر متواتر تجربوں نے خود اس زمانہ کی خبروں کا وثوق ہم سے اٹھا دیا ہے، تو ہم آج تیرہ سو ۱۳۰۰ برس کے عرصہ کی باتوں کا فیصلہ کرنے بیٹھیں تو یہ بڑی سخت جرأت ہوگی۔

مگر یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ جلیل القدر ہستیاں خود بھی اس فتنۂ اختلاف و افتراق میں مبتلا ہوئیں۔

گو ان کے ارادے پاک تھے اور نیت خالص۔ ان کے مطمح نظر صرف اتنی بات تھی کہ یہ اختلاف آخری اختلاف ہے اور اس تیرہ و تار گھٹا کے برسنے کے بعد مطلع صاف ہو جائیگا۔ اور پھر اتفاق و دلجمعی کا نظارہ مسلمانوں کی ایمان کی تازگی کا باعث ہوگا۔

بات طویل ہوتی جاتی ہے اس موقعہ پر مجھکو صرف اتنا عرض کرنا تھا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی تدبیریں ان کی معاصرین کی تدبیروں کے اعتبار سے کتنی زیادہ عمدہ اور بہتر تھیں۔ آپ کے معاصرین پہلی مرتبہ اختلاف پیدا ہونے کو نہ روک سکے۔ حالانکہ آپ کی وفات کے فوراً بعد کوئی ایسا موقعہ نہیں آیا تھا۔ مگر پھر بھی اختلاف رونما ہوگیا۔ اور آپ کی حیات میں شدید اختلاف کا موقعہ آیا مگر آپ کی فہم و فراست اور اخلاص و ایثار نے اس پھوٹنے والے چشمہ کو اس طور سے بند کر دیا کہ آپ کی زندگی تک تو کسی قسم کا اختلاف امتِ محمدیہ میں نہیں پیدا ہوا۔

آپ کے بعد والے حضرات اسمیں منہمک رہے کہ موجودہ اختلاف فرو ہو کر سطح صاف ہموار ہو جائے اور آپکی فراست و فرزانگی نے اسکا موقعہ ہی نہ آنے دیا۔

یہ واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ اخیر کتاب میں آئیگا۔ اس وقت آپ معلوم کرینگے کہ آپ کے عدیم النظیر ایثار اور بے مثل اخلاص اور قابلِ صد رشک فہم و فراست نے کس عظیم الشان فتنہ کا کس طور سے سدِ باب کیا ہے کہ اس کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ موقعہ اختلاف اور باہمی ناچاقی کا تھا یا نہیں۔

دوسرا واقعہ آپ کو خداوند جلّ جلالہ نے کتنی بہتر عقل معاش عطا فرمائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ جب آپ حضرت سعدؓ کے مہمان ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو میرا بھائی بنا دیا ہے میری دو بیبیاں ہیں ایک کو طلاق دیدیتا ہوں۔ عدت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیجیے۔ اور میرے پاس جتنا مال ہے اسے تقسیم کئے دیتا ہوں نصف لیکر اپنے قبضہ میں کیجیے[1]

[1] السنن نسائی آخر کتاب النکاح (ص۵۳۰) ۱۲ ار

عالی ہمتی کی ایک نظیر

یہ سچ ہے کہ انصار کے ایثار کی مثال یہ چرخ لاکھوں گردش کے بعد بھی آجتک نہ پیش کر سکا تو کیا مہاجرین کی بے نیازی اور عالی ہمتی کی کوئی نظیر پیش کیجا سکتی ہے۔

ناظرین! ایک ستم دیدہ اپنے اہلِ وطن کے جور و جفا سے تنگ آکر ایک ایسی جگہ آجاتا ہے۔ کہ اس کے بعد اپنے رشتہ داروں سے بھی کسی قسم کی امید باقی نہیں رہتی۔ اسکی نگاہ کے سامنے جب یہ منظر پیش ہو تو اسکی کیا حالت ہوگی اور حاجت و نیاز سے بھرا ہوا دل اس وقت کیا جواب دیگا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے استغنا کو ملاحظہ فرمایئے اور سنیئے کہ کتنا بلند حوصلہ جواب ملتا ہے آپ فرماتے ہیں[۱]۔

بارک اللہ فی اهلك ومالك	اللہ تعالیٰ تمھارے مال اور اہل میں برکت دے
دُلُّونِی علی السُّوقِ	مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔

چنانچہ آپ اسی روز شام کو جو واپس آئے تو اپنی حسن تدبیر سے تھوڑا پنیر اور تھوڑا گھی نفع میں کما لائے۔ اور چند ہی روز بعد نکاح کر لیا اور دین مہر فوراً ادا کر دیا[۲]۔ اور ایسی بہتر حالت ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ میں کم سے کم ایک بکری ذبح کرنیکا حکم دیا[۳]۔

وجہ معاش یا آمدنی کے ذرائع

آپ نے اپنے خانگی اخراجات کے لئے کاشت کا

[۱] بخاری کتاب النکاح باب قول الرجل لاخیہ صفحہ ۷۵۹ ۱۲ منہ۔ [۲] امام محمد مؤطا میں اس دین مہر کی مقدار دس درہم یعنی ڈھائی روپیہ کلدار مروجہ بیان کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ [۳] بخاری کتاب الدعوات صفحہ ۹۴۵ باب الدعاء للمتزوج ۱۲ منہ

سلسلہ کر رکھا تھا مگر یہ سلسلہ آپ کی حیثیت کے لحاظ سے زیادہ لمبا چوڑا نہ تھا۔ تاہم بنی مجر (بیں) کی کھیتی معمولی طور پر کرتے تھے[1]

بعض کھیت (زمین کے حصّے) آپ کے ذاتی تھے مثلاً جُرُف میں جو زمین تھی اور بعض زمین کے حصّے آپ کرایہ سے (لگان پر) لوگوں سے لیا کرتے تھے[2] جُرُف[3] کی جو زمین تھی اس پر بذاتِ خود کبھی کبھی تشریف بھی لیجایا کرتے تھے[4] سنہ ۴ھ میں بنی نضیر کی زمین کے حصّے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اصحاب کو عنایت کئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کو بھی عطا ہوا تھا[5]

وظیفہ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام بدریین کے لئے جو پانچ پانچ ہزار درہم کا وظیفہ مقرر فرمایا تھا وہ بھی ضرور ملتا ہوگا[6]
تجارت	لیکن آپ کی زیادہ آمدنی تجارت سے تھی[7]

[1] مستدرک جلد سوم ۱۲ منہ [2] مؤطا مالک باب کراء الارض ۱۲ منہ [3] یہ گاؤں شام کے راستہ میں ہے مدینہ کے غربی دروازہ سے جانا ہوتا ہے (صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۲۸۰) اسکے کچھ آگے وادی عقیق ہے۔ اسی کے متصل وادان بھی ہے۔ یہاں بنو سہم کے قبیلہ کے لوگ آباد تھے تقریباً مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے جب کبھی باہر فوج روانہ کیجاتی تھی تو تمام لوگوں کو اسی گاؤں میں جمع ہونے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اور یہیں سے لشکر مرتب ہوکر باہر جایا کرتا تھا اسی نام کا ایک گاؤں دیار عبس میں بھی ہے (معجم ما استعجم از ابو عبید وزیر بکری) یہ جگہ بھی یہیں ہے جہاں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی فوجیں بعض عنہ پر داؤں کی شرارت و فساد انگیزی کا شکار ہوگئی تھیں۔ مکہ کے اطراف اور یمامہ کے علاقہ میں بھی ایک ایک گاؤں اسی نام کے ہیں (معجم البلدان حموی) ۱۲ [4] ابن عساکر ج ۷ ص ۲۳۶ [5] فتوح البلدان للبلاذری ۱۲ [6] بخاری شریف غزوہ بدر ۱۲ [7] تہذیب ابن حجر ۱۲

تجارت میں خدا تعالیٰ نے آپ کو صاحب نصیب بنایا تھا اور آپ نے اسی کے اندازہ سے خرچ بھی کیا۔	کان مجدوداً فیما و انفق بقدر ذلک (الریاض المستطابہ)

آپ نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں تجارت شروع کر دی تھی۔ تجارت کے لئے آپ نے اپنے باپ کے ساتھ سفر بھی کئے[1]۔ اسلام کے قبل آپ کے مداخل (آمدنی) کا ذریعہ یہی تجارت تھی۔

اصولِ تجارت تو اب ظاہر ہے کہ اصول تجارت سے آپ سے زیادہ واقف کام کون شخص ہو سکتا تھا۔ اسی خیال کی بناء پر لوگوں نے آپ سے دریافت بھی کیا۔

کہ آپکی تجارت کے کیا خاص اصول ہیں جس کی وجہ سے وہ کامیاب رہی اور آپ کو اتنا مالدار بنا دیا۔	مِمَّ کَثُرَ مالُکَ

تجارت نام ہے خریدی ہوئی چیز کو اس سے زیادہ پر دوسرے کو دینا جتنے میں کہ خود لی ہو۔ عرب میں تجارت بہت عام اور شائع تھی اسلئے مذکورہ بالا استفسار میں سوال مداخل اور ذریعۂ معاش سے نہ تھا بلکہ تجارت ہی کے وہ خاص اصول دریافت کئے گئے تھے جس نے آپ کو اپنے اقران[2] میں ممتاز بنا دیا تھا۔

---

[1] تاریخ یعقوبی (جز ۲ صفحہ ۶۲) [2] یہ لکھ چکا تھا کہ احیاء علوم الدین مصنفہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے باب آداب الکسب والمعاش میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے ملا جس سے نہ صرف میری تائید ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ تجارت کی کامیابی کے بہترین اور اصول پر بھی مشتمل تھی اس لئے میرے لئے ناگزیر ہوا کہ اس کو نقل کروں۔

جو امر آگے عرض کیا گیا ہے اور تجارت کے تشریف پیشہ ہونے کی دلیل میں لکھا گیا ہے اسی کا امام غزالی تذکرہ

چنانچہ آپ کے جواب سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں[۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ فرماتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے آپ کے عملدرآمد سے یہ اصول متعین کیا تھا اور یہاں اصول پہلے سے متعین ہے اور یہ واقعہ اسکی نظیر ہے۔

جو شخص تھوڑے نفع پر قناعت کریگا اس سے لین دین (خرید و فروخت) زیادہ ہوگا۔ اور الٹ پلٹ سے وہ بہت نفع حاصل کریگا۔ | ومن قنع بربح قليل كثرت معاملته واستفاد من تكررها ربحا كثيرًا۔

اسکے بعد یہ جملہ ہے جس کو آپ شاید صرف اعتقادی بات کہدینگے۔ میرے خیال میں یہ کوئی تعجب نہیں ہے کہ تعدد و تکرار خرید و فروخت کے ساتھ امامؒ کے ذہن میں مشہور مقولہ فی الحركة بركة (حرکت میں برکت ہی) وارد ہوا ہو اور فوراً فرمادیا۔

کہ اس تکرار ہی سے برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ | وبه تظهر البركة

اسکے بعد ابو تراب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نصیحت آمیز جملہ ہے۔

تھوڑے نفع کو واپس نہ کرو شاید وہ زیادہ نفع سے محروم نہ کردے۔ | لاتردوا قليل الربح فتحرموا كثيره

اسکے بعد اسکی نظیر میں یہ واقعہ درج کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مالدار ہونے کا سبب کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ تین باتیں ہیں ایک تو میں نے ملتے ہوئے نفع کو کبھی نہیں واپس کیا دوسرے یہ کہ مجھے جب کبھی کسی نے | قيل لعبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه ما سبب يسارك قال ثلاث ما رددت ربحا قط ولا طلب مني حيوان فأخرت بيعه ولا بعت

[۱] شرح اسماء اہل بدر از علامہ طرزی رہنما مطبوعہ مصر ۱۲

میں نے کبھی ملتے ہوئے نفع کو واپس نہیں کیا خواہ	ما ہ د ث ہ بحافظ قلّ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کوئی جانور خریدنا چاہا تو میں نے اس کے بیچنے میں دیر نہ کی تیسرے یہ کہ کبھی اُدھار نہیں بیچا (ہمیشہ نقد بکری کا سلسلہ رکھا)	نسیئۃ (باب احسان فی المعاملۃ ص ۳۹)

پہلے اصول کے متعلق کافی بحث ہو چکی دوسرا اصول بھی کچھ زیادہ تشریح کا محتاج نہیں ہے بے جان اور جاندار چیزیں دونوں اس میں مساوی ہیں کہ روپیہ دونوں میں گھرا ہوا رہتا ہے۔ ہاں جاندار چیزیں بے جان چیزوں سے نگرانی اور دیکھ بھال میں قیمت اور وقت زیادہ صرف کراتی ہیں اور روز انکی خوراک مزید برآں ہے اور اگر بدقسمتی سے ان جانداروں کو بھی بے جان بننے کا مرض یا شوق ہو جائے تو پھر سرمایہ کا خدا ہی مالک ہے۔

تیسرے اصول کے متعلق جو کہ نہایت سادہ اور مختصر ہے یورپ کے بڑے بڑے تاجر اور کمپنیوں کے حالات پڑھنے کی سفارش کرونگا۔

ان اصول اور قوانین کے ذکر کے بعد آپ کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

انصاف یہ ہے کہ انتخاب واقعہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے سیکڑوں واقعات میں سے وہ واقعہ منتخب کرتے ہیں کہ جس میں ایک ساتھ ان تینوں اصولوں پر عمل کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

آپ نے ہزار اونٹنیاں بیچیں جس میں ان کی رسیوں کے سوا کچھ نہ بچا ہر رسی ایک ایک درہم کو بکی اور ان کے [illegible] نے میں ہزار درہم جو خرچ ہوتے وہ اور بچ سب ہے۔	ویقال انہ باع الف ناقۃ فما بقی الا عقلھا باع کل عقال بدرھم وربح فی نفقتہ علیھا لیومہ الفا۔

اس مجموعی طور پر دو ہزار درہم (سکہ مروجہ کے نرخ سے پانچ سو روپیہ) صرف ایک معاملہ میں آپ کو مل گئے۔

کتنا ہی کم کیوں نہ } اَدْجَلّ

یہ اصول صرف اسی ایک وجہ سے قابل قدر اور ہماری توجہ کا مستحق نہیں ہے کہ ایک بہت بڑے صحابی کی زبان سے نکلا ہے بلکہ بجائے خود اتنا صحیح اور کار آمد ہے کہ اسکے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم اسکی طرف معمولی التفات سے کام لیں بلکہ اس کو ہم اپنی تجارت کا عملی اصول بنائیں اور اس پر عمل پیرا اور کاربند ہوں۔

موہوم نفع کی امید پر ملتے ہوئے نفع کو چھوڑ دینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے تھوڑے نفع سے اگر مال بیچ لیا گیا تو دوسرا مال یقیناً پہلے مال سے زیادہ مقدار میں خرید کر بیچا جاسکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دو بکریوں کا مجموعہ نفع صرف ایک بکری سے ضرور زیادہ ہوگا۔

اسکے علاوہ شریعت یا صحیح اصول تمدن نے تجارت کو جو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے تو اسکی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ ایک شخص خواہ وہ کسی طبقہ کا کیوں ہو اپنی تمام ضروریات کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتا۔ اول تو یہ سخت دشوار ہے کہ دس برس کے بعد جس چیز کی ضرورت پیش آنیوالی ہے اس کو ہم آج سمجھ لیں اور بالفرض ہم کو اس کا احساس ہو جائے تو اسکے مہیا کرنے کے سامان بھی فراہم ہو جائیں ان ہی ان گنت دقتوں کے سبب سے کچھ لوگ مخصوص کر دیے گئے کہ لوگوں کی ضرورت اور حاجت کے وقت مطلوبہ اشیاء مہیا کر دیا کریں اور اس اعانت اور امداد کے سلسلہ کو برابر جاری رکھنے کے لئے اجازت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ آپ نے تین اصول بیان فرمائے تھے ایک تو یہ کہ ملتے نفع کو نہ پھیرنے واپس کیا آپ فی اونٹ صرف ایک درہم ملا آپ نے اسکو جانے نہیں دیا دوسرا یہ کہ جانور کے بیچنے میں تاخیر نہیں کی کہ اصل کی جو قیمت بھی وہ ملے اسکے ساتھ ان کے اخراجات سے سبکدوشی ہی کافی نفع ہے تیسرا یہ کہ اُدھار نہ تھا۔

دیدی گئی کہ اتنا نفع اس میں لے لیا کریں جس سے ان کی اور ان کے متعلقین کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ بغیر اس کے اس سلسلہ کا باقی رہنا دشوار ہے۔

در اصل تجارت کی غایت اصلی خلق اللہ کی خدمت اور اعانت ہے مال و دولت پیدا کرنے کا آلہ نہیں ہے اسی وجہ سے اس کو نہایت ہی شریف اور عمدہ پیشہ کہا گیا ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچا تاجر صدیقوں کا ہمنشیں ہوگا۔ مگر اس پیشہ کی عزت شرافت اسی وقت تک باقی رہ سکتی ہے جب تک اپنے اصلی اور صحیح جادہ سے نہ ہٹے۔ مگر جب ہم تجارت کے اس مقصد (تعاون) کو پس پشت ڈالدینگے اور شریعت اور اصول تمدن کے منشاء سے بعد ہو جائے گا اور اس کو روپیہ و سرمایہ جمع کرنے کا ایک ذریعہ بنالینگے تو ہم ہرگز اس عزت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ تو در اصل حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا یہ قول تجارت کی صحیح تعریف ہے جس تجارت کا منشاء زیادہ نفع کمانا ہو وہ در اصل تجارت نہیں ہے۔ اسکے لئے دوسرا نام زیادہ موزوں ہوگا۔

یوں تو مسلمانوں کے عام طبقہ میں اپنے بزرگوں کے کارنامے کی ناواقفیت کیوجہ سے تجارت کی طرف سے بے التفاتی ہے۔ ایک مختصر گروہ جو متوجہ ہے تو وہ اس کا متمنی رہتا ہے کہ زیادہ نفع کا کام اسکو بتلایا جائے ان کو چاہیئے کہ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اس اصول کو حرز جان نہیں بلکہ قانون عمل بنا کر ہر قسم کی تجارت میں ہاتھ ڈالیں اور پھر دیکھیں کہ وہ دوسری قوموں سے آگے ہیں یا دوسری قومیں ان سے۔

مال و دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جو دعائیں دی تھیں الکا اثر خود آپ نے اپنی زبان سے بیان فرمایا۔

میں اپنے کو اتنا بابرکت پاتا ہوں کہ اگر پتھر بھی اٹھاتا ہوں | فلقد رأیتنی ولو رفعت حجراً

لوجوت ان اصیب ذھبًا او فضۃً | تو مجھکو سونا چاندی ملنے کی امید ہوتی ہے[1]

دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنے کر سکتے ہیں کہ حضور اقدسؐ کی دعا کی بدولت مٹی بھی آپ کے ہاتھ میں سونا بنجاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں پر چار روز کا فاقہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھسے دریافت فرمایا کہ کچھ موجود نہیں ہے میں نے عرض کیا کہ حضور جو کچھ آتا ہے وہ حضور کے سامنے پہلے آتا ہے۔ آپ اتنا سنکر باہر تشریف لیگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھ سے دریافت کیا کہ ام المومنین! حضرت کہاں ہیں میں نے پورا واقعہ ان سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ آپ نے مجھکو یا عبدالرحمٰنؓ بن عوف یا ثابتؓ ابن قیس جیسے مالدار لوگوں کو کیوں نہیں اطلاع دی اب جب کبھی ایسی ضرورت پیش آئے تو ہم غلاموں کو ضرور یاد فرمائیے[2]۔

محدثین نے آپ کے متروکہ کی جو فہرست دی ہے اس کے لحاظ سے متروکہ کی مقدار ساڑھے چھتیس لاکھ دینار ہوتے ہیں، مؤرخین نے جو تعداد بیان کی ہے وہ اس سے زاید ہے آپ کی وفات پر آپ کے اصطبل میں سو گھوڑے اور ایکہزار اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں[3]۔

ہر بدری کو چار سو دینار سُرخ دینے کی وصیت کی تھی، مؤرخین کا بیان ہے کہ اس وقت بدرین کی تعداد سو تھی[4] یعنی چالیس ہزار دینار صرف شرکا بدر کو دئے گئے۔

---

[1] فتح الباری باب الولیمۃ ولو بشاۃ ۱۲ [2] ازالۃ الخفا مقصد دوم صـ۲۲۳ـ ۱۲ [3] (ابن سعد و مستدرک ج ۳) ۱۲
[4] تاریخ صغیر بخاری ۱۲

آپ کی ایک بیوی کو حضرت عثمانؓ نے اسی ہزار درہم پر راضی کیا تھا۔ ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور کہا کہ میں مال کی زیادتی سے بہت ڈرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ خدا کے راستہ میں خرچ کرو[1]۔

ترکہ میں اتنا سونا چھوڑا تھا کہ کلاڑیوں سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔

گذشتہ واقعات سے آپ کے تموّل کا پتہ تو چلتا ہی ہے مگر سخاوت کے عنوان میں واقعات نقل کئے جائیں گے اس سے زیادہ اس پر روشنی پڑیگی۔

آپ کی سخاوت یا غیر معمولی مخارج

آپ کو خدائیتعالیٰ نے غناء ظاہری اور غناء باطنی دونوں سے مالامال فرمایا تھا علامۂ یافعی مرأۃ الجنان میں لکھتے ہیں۔

صنائعہ معروفۃ وسعۃ غناہ بالمکارم محفوفۃ	آپ کے کارنامے مشہور ہیں اور آپ کی دولت کی افزائش عزت کی باتوں میں ڈھکی ہوئی ہے۔

قبل کے عنوانوں میں مختصر حال آپ نے پڑھا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت کا اثر تھا کہ دنیا کے وافر حصہ ملنے کے باوجود آپ کے قلب کو اس سے بالکل تعلق نہ تھا۔

آپ خود اپنے غناء قلبی کا ایک واقعہ اس طور سے بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کچھ عطایا کا وعدہ کیا تھا جب قریظہ فتح ہوا تو میں اس نیت سے حاضر ہوا کہ اسوقت موقع ہے کہ میں حضرت کو اپنا وعدہ یاد دلاؤں تو پورا کر دیا جائیگا فرمائیے

---

[1] اسد الغابہ ۱۲

میں جب حاضر ہوا ہوں تو یہ کلمات طیبات زبان مبارک سے سنے کہ

من یستغن یغنه الله ومن یقنع یقنعه الله۔	جو مستغنی ہوتا ہے اللہ اس کو غنی کر دیتا ہے اور جو قناعت اختیار کرتا ہے اللہ اس کو قناعت دیتا ہے۔

ان الفاظ کا گوش گزار ہونا تھا کہ مصمم قصد کر لیا کہ ہرگز آپ آپکا وعدہ یاد نہ دلاؤنگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے تمام مال خرچ کر دینے کا خیال ظاہر فرمایا تو آپ سارا مال خرچ کرنے پر آمادہ ہو گئے پھر حضرت ہی کے منع فرمانے سے رُکے۔

علامہ یحیٰی عامری نے جہاں آپ کے تجارت میں بانصیب ہونے کا ذکر کیا ہے وہیں یہ بھی لکھا ہے

وانفق بقدر ذلك	آپ نے اسی کے اندازے سے خرچ بھی کیا۔

علامہ نووی شارح مسلم تہذیب الاسماء میں لکھتے ہیں کہ

وکان کثیر الانفاق فی سبیل الله	آپ خدا کے لئے بہت خرچ کرنیوالے تھے۔

القول المختار میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

وکان کثیر الصدقه	بہت زیادہ صدقہ کرنے والے تھے

آپ کے بھتیجے کے لڑکے طلحہؓ بن عبد الرحمٰنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ کی خدمت کا شرف حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف کو حاصل تھا۔ تقریباً ایک تہائی کو آپ صلہ رحمی کے طور پر دیتے تھے اور ایک تہائی کے قرضوں کو آپ اپنے پاس ادا کر دیا کرتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنکی ضرورتوں اور حاجتوں کیلئے آپ انکو قرض روپیہ عنایت کیا کرتے تھے۔ اس طریقے سے ساری اہل مدینہ کے آپ متکفل تھے۔

سے بنا. نقلاً عن الترغیب للمنذری ۱۱ر ملے الریاض النضرۃ

حضرت انس رضی اللہ عنہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز سات سو اونٹ گیہوں اور آٹے اور خرموں سے لدے ہوئے آئے[1]۔ انکی رفتار سے مدینہ گونجنے لگا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ یہ شور کیا ہے لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا مال تجارت آیا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عبدالرحمٰن جنت میں گھسٹتے ہوئے جائیں گے، حضرت عبدالرحمٰنؓ کو جب اس کا علم ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ اونٹ مع تمام اسباب کے خدا کی راہ میں وقف ہیں......

ایک دن میں تیس[3] غلام آزاد کئے آپ کے تمام آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تیس ہزار لکھی ہے[2]۔ ایک معمولی غلام کی قیمت کم سے کم ڈیڑھ ہزار روپیہ ہوتے تھے اور غلام کی قیمت میں صنعت وحرفت اور خوش سلیقگی وخوبصورتی وغیرہ کی وجہ سے اضافہ ہوتا تھا۔ اسکے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ اس رقم سے جس کے سکہ مروّجہ کے حساب سے ڈیڑھ ہزار روپیہ بلکہ زائد ہوتے ہیں اس زمانہ میں کتنی ضروریات زندگی فراہم ہوتی تھی اور اب اتنی مقدار وتعداد میں ضروریات زندگی کے بہم ہونے کے لئے کتنی رقم کی ضرورت ہے۔

شُتر ان کو آپ ہی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں پیش کیا تھا[3]۔

غزوۂ تبوک کے واقعات میں حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ

---

[1] صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی ۱۲ [2] مستدرک حاکم ج ۳ و اسد الغابہ ۱۲ [3] تاریخ طبری واقعات سنہ ۹ھ ۱۲

اس دن سب سے زیادہ اور بہتر چیز کا جس نے صدقہ کیا تھا وہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہیں۔	افضل ما تصدق به یومئذ احد عبد الرحمٰن بن عوف۔

دوسو اوقیہ[1] سونا حاضر کیا تھا اور اس کے علاوہ آپ کے پاس کچھ نہ رہا تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر جواباً عرض کیا کہ خدا کے اور اسکے رسول کے وعدہ کو اہل و عیال کے لئے چھوڑ کر آیا ہوں۔

شاید عام رمادہ[2] کا واقعہ ہے کہ قحط میں آپ نے پانچسو اونٹ کا غلہ خیرات کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ نے اپنا نصف مال صدقہ کر دیا جو چار ہزار کی تعداد میں تھا۔ اسکے بعد چالیس ہزار دینار پھر صدقہ کئے۔ پانچسو سوار فوج کے لئے تیار کئے اور ان کے مصارف اپنے ذمہ رکھے۔ اسی زمانہ کے قریب ایک ہزار پانچسو اشتر سوار کے مصارف اپنے ذمہ رکھے۔

محنت و جفاکشی آپ کام کرنے میں اپنے غلاموں سے کوئی امتیازی حالت نہیں رکھتے تھے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ

آپ اپنے غلاموں میں کسی بات سے امتیاز نہیں رکھتے تھے	لا یعرف بین عبیدہ

[1] ایک اوقیہ نقرہ تقریباً دس روپیہ مروج کے برابر ہوتا ہے ۱۲ر [2] ۱۸ھ میں جس سال طاعون عمواس ہوا تھا اسی سال ۹ ماہ تک سخت قحط پڑا تھا۔ بارش نہ ہونے کے ساتھ ساتھ آفتاب کی تپش نے زمین کو سیاہی مائل بنا دیا تھا اسلئے اسکو راکھ سے تشبیہ دیکر عام رمادہ کہتے ہیں۔ اس سنہ کے واقعات میں یہ واقعہ ابتک میری نظر سے نہیں گذرا یہ صرف قیاس ہے ۱۲ر

اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے جرف میں ایک صاحب آپ سے ملنے گئے تو آپ کو دیکھا کہ چادر اتارے پھاوڑہ (کدال) ہاتھ میں لئے کھیت میں کھڑے اس کیاری کا پانی اس کیاری میں کر رہے تھے[1]

آپ کی مال و دولت کا اندازہ آپ کی نظروں سے گذرا۔ مال و دولت بغیر سخت محنت و جانفشانی کے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ جس تجارت سے آپ کو اتنی دولت حاصل ہوئی تھی اس میں آپ کتنا وقت صرف کرتے ہوں گے اور کتنی دماغی کاوش سے آپ کو کام لینا پڑتا ہوگا اس کا اندازہ کچھ اس پیشہ کے اصحاب زیادہ کر سکیں گے پھر اسی کے ساتھ زراعت کا کاروبار بھی اچھے پیمانہ پر جاری تھا جو خود مستقل توجہ کے بغیر ناممکن ہے صرف اسکی نگرانی کے لئے اچھے خاصے وقت کی ضرورت ہے۔ مگر ان تمام کاموں کو آپ کامیابی سے انجام دیتے تھے۔

آپ کے مشاغل کا خاکہ اپنی نظر کے سامنے رکھیے پھر اس وقت آپ کی محنت و جفاکشی کا پتہ چل سکیگا۔

غزوات کی شرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تائید و نصرت کی بدولت کتنی تکلیفوں کو آپ نے برداشت کیا ان کا اعادہ اگر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائیگی نہایت اختصار کو مدنظر رکھکر کلی امور درج کرتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مبارک دور میں اکثر و بیشتر حصہ آپ کا حضوری میں گذرتا تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

---

[1] الریاض النضرۃ ۱۲/۲

ہم چار پانچ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے تھے اور اس ملازمت کی پابندی منشاء صرف یہ ہوتا تھا کہ آپ کو دن یا رات کے حصہ میں جو ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں اس میں آپ کو تکلیف نہ ہو

کان لا یفارق منا خمسۃ او اربعۃ اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ینوبہ من حوائجہ باللیل والنہار۔ (مسند ابویعلیٰ قلمی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی سفر ایسا نظر نہیں آتا جس میں آپ ہمراہ تشریف نہ لے گئے ہوں اور نہ اسلام کا کوئی اہم واقعہ ایسا ملتا ہے جس میں آپ شریک نہ ہوں یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مسجد نبوی کے عقب میں اپنے قیامگاہ سے بالکل متصل زمین عنایت کی تھی۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کا دربار خلافت سے خاص تعلق تھا[1] خلافت سے مفوضہ امور انجام دیتے ہوتے تھے اہم امور میں آپ کا مشورہ ضروری اور وقیع سمجھا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کے بعد تمام لوگوں کے خیالات وجذبات عامہ کے معلوم کرنے میں آپ ہی نے زیادہ حصہ لیا تھا اور مختلف سرداران قبیلہ اور متعدد صوبوں سے تبادلہ خیالات کرنے میں آپ ہی نے اپنا دماغ و وقت صرف کیا تھا اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ستر سال کی عمر کے بعد تخت نشین خلافت ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفوں کے زمانہ میں جسمانی تکالیف اور دماغی مشقتوں سے واسطہ

---

[1] طبقات ابن سعد جز ۲ صفحہ ۱۰۹ قسم دوم ۱۲

پڑچکا تھا، تکسیبر کے مرض نے یقیناً آپ کے دماغ پر خاص اثر کیا تھا، تاریخ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض متعلقین کی وفات کے رنج نے آپ کو بہت چور کر دیا تھا دوست احباب کی ایک بڑی تعداد آپ سے جدا ہو چکی تھی، حضرات شیخین کی دو بڑی ہستیاں اپنے عہد خلافت میں آپ کے مشورہ سے مستفید ہوتی رہیں مگر جب آپ کو مشورہ لینے کا موقعہ آیا تو یہ دونوں کی دونوں ہستیاں آغوش لحد میں آرام کرتی رہیں ایک بار بھی آپ کو اپنے مشورہ سے فائدہ حاصل کرنیکا موقعہ نہیں دیا۔

یہ داخلی اسباب کے چند امور شمار کرائے گئے ان کے علاوہ داخلی اور خارجی اسباب اور بھی ہیں جن سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا، غرضکہ مختلف وجوہ کی بناء پر اس اقرار کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ آپ کے عہد میں شکایتیں پیدا ہوئیں مگر یہ سب شکایتیں براہِ راست حضرت عبدالرحمنؓ کے پاس آتیں اور آپ مناسب تدارک میں اپنا وقت خرچ فرماتے اور اس کے ضمن میں جو تکالیف پہونچتیں اس کا آپ ہی تحمل فرماتے۔

آپ کثیر الاولاد تھے۔ متعدد بیویاں تھیں۔ ان میں سے بعض کی بدمزاجی کے واقعات آپ کی نظر سے گذر بھی چکے ہیں اور بعض کے امراض مزمنہ میں مبتلا ہونے کا حال بھی آپ پڑھ چکے ہیں ان خانگی امور کی صعوبات کا تحمل بجز آپ کے کون کرتا تھا؟ خدا کی یاد کی لذت نے اتنا محو بنا رکھا تھا کہ نفل کی نمازوں میں معقول وقت آپ کا خرچ ہوتا تھا۔

ظہر کے قبل جو پابندی سے نماز ادا فرماتے تھے جسکے غیر معمولی طویل ہونے کا تذکرہ علامہؒ ابن حجر کرتے ہیں ممکن ہے کہ مسنون نماز ہو، مگر عشا کے بعد جس نماز میں آپ کو حضرت عمرؓ نے اتفاق سے مشغول دیکھ لیا تھا یقیناً ایسی نماز نہیں ہے جس کو ہم فقہی اصطلاح میں

مسنون کہتے ہیں۔

نفل کے روزے بھی آپ رکھا کرتے تھے، اتنی مصروفیتوں کے باوجود تجارت اور زراعت کے دو عظیم الشان کارخانوں کا نہایت کامیاب طریقہ پر انجام دینا کیا ایسی بات ہے کہ ہر فراست و قوت والا انجام دے سکتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف ایک واقعہ تفصیل سے نقل کر دیا جائے جس سے آپ کے محنت کے عادی ہونے کا ثبوت اپنے انتہائی حد پر دستیاب ہو جائے

شوریٰ کے واقعہ میں آپ کی انتھک کوشش

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ شخصوں کی مجلس شوریٰ مقرر کی تھی اس کے ایک رکن آپ بھی تھے مگر آپ نے جس تن دہی و جانفشانی سے اس معاملہ کو یکسو کیا ہے وہ آپ کی محنت و مشقت کے عادی ہونیکا زبردست ثبوت ہے آپکی حالت علامہ ابن حجرؒ کے الفاظ میں یہ ہے۔

آپ تینوں شب برابر صحابہ میں گھومتے رہے۔	انه دار تلك الليالي كلها على الصحابة۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک سے گفتگو کرنا، اسکی باتوں کو سننا اور اسکے خیالات کے انداز کے مطابق اس کو جواب دینا اور پھر اپنے خیالات کو اسکے دماغ میں اتارنا، یوں تو الفاظ بہت تھوڑے ہیں۔

وہ صحابہ ان تینوں شب آپ سے مشورہ اور تخلیہ	يشاورهم ويناجونه

لہ ج، صہ۵۶ ھر

کرتے رہے۔ } ثلث اللیالی

مگر جن لوگوں نے کبھی قومی کام انجام دیا ہے اور ان کو اس کوشش کا اتفاق ہوا ہے کہ پوری کی پوری قوم ایک مرکز پر آکر جمع ہو جائے وہ اس کا اندازہ اچھی طرح کر سکینگے کہ اس میں کتنی دقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور کس درجہ کی دماغ سوزی سے واسطہ ہوتا ہے اور کتنے زیادہ صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا ہے

قوم ایک جماعت کا نام ہے جسکی افراد میں ہر قسم کے لوگ اور ہر قابلیت کے اشخاص ہوتے ہیں ان سب کا ایک نقطہ پر جمع کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ طبائع کا فطری اختلاف اور جذبات و خواہشات کا تنوع و تشتت ادنی ادنی باتوں میں ایک امر پر مجتمع و متفق نہیں ہونے دیتا چہ جائیکہ اتنی اہم بات پر آپ خود اندازہ کیجئے کہ جس شخص کی کوشش و سعی کا نتیجہ اتنا بڑا اتفاق ہو اسکی جد و جہد کتنی عظیم الشان ہوگی، پھر اس جد و جہد و دلسوزی کو تین دن میں محصور کر کے اسکی وقعت کو اور بھی بڑھا دے رہے ہیں کہ صرف تین شبانہ روز کی انتہائی مصروفیت کے یہ نتائج ہیں۔

سچ یہ ہے کہ آپ نے جتنی شفقت و محنت اس معاملہ میں کی ہے اس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے خصوصاً جب ہم عرب کی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں تو آپ کی محنت کی وقعت اور بڑھجاتی ہے۔

یوں تو اب تک اہل عرب کے دل و دماغ میں جس آزادی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ آج بڑی سے بڑی تعلیم یافتہ قوم اور بڑی سی بڑی مالدار قوم میں نہیں پائی جاتی گویا آزادی زمین عرب کی خصوصیت ہے۔

ایک نہیں ہزاروں سے متجاوز نظیریں موجود ہیں کہ معمولی بدوی کو بھی بڑے سے بڑے

رعب و جلال والے بادشاہ کے سامنے گفتگو کرنے میں ذرا جھجک نہیں ہوتی ہم نہیں کہتے آپ نئی روشنی یا نئی تعلیم کو بدنام کیجئے مگر یہ امر واقعہ ہے کہ فی زمانہ یہ انتہائی درجہ کی تہذیب سمجھی جاتی ہے کہ آپ سے جو شخص جو بھی گفتگو کرے عام اس سے کہ اسکے متعلق آپ کے موافق خیالات ہیں یا مخالف مگر آپ اس کے سامنے ایسی سخت تائید سے کام لیجئے کہ اسکو یقین ہو جائے کہ وہ اس امر کے متعلق خود بھی اپنے دل و دماغ میں اتنی قوت نہیں پاتا جیسی کہ آپ کے دل و دماغ میں ہے، اور اپنی گفتگو سے اس شخص کے ذہن میں یہ خیال راسخ کر دیجئے کہ آپ اس کام کو اس سے زیادہ مفید اور بہتر سمجھتے ہیں۔ گو اسکے قدم دہلیز سے باہر ہونے کے ساتھ ہی آپ دوسرے ہمنشینوں پر ظاہر کر سکتے ہیں کہ ہم نے اُسے احمق بنایا تھا۔

مگر زمانے کے اُس دور میں یہ تہذیب (نفاق) مروج نہ تھی اور نہ اچھی نظروں سے دیکھی جاتی تھی، اب جس سے حضرت عبدالرحمٰنؓ گفتگو کرتے ہوں گے اس کے دل و دماغ میں جو کچھ ہوتا ہوگا وہ فوراً ظاہر کرتا ہوگا اور آپ انتہائی بردباری سے سُن کر واقعی حالات اسکے سامنے پیش کر کے اسکی سعی کرتے ہوں گے کہ وہ بھی تمام مسلمانوں کا یک زبان ہو جائے

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا تمام مسلمانوں کو متفق بنا لینا آپ کی انتہائی جفاکشی اور محنت کا ثمرہ ہے اور پھر ایسا عظیم الشان اتفاق کہ امام احمد فرماتے ہیں۔

کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت جیسا اتفاق ہوا ایسا اتفاق کسی کی بیعت کے وقت نہوا	لم یجتمعوا علی بیعۃ احد ما اجتمعوا علی بیعۃ عثمان (منہاج السنۃ)

آپ نے صرف مدینہ کے اصحاب سے گفتگو اور مشورہ پر اکتفا کی ہو یہ نہیں بلکہ

ومن وافی المدینۃ من اشراف الناس | جو روسا اور شرفا مدینہ میں آئے سب سے مشورہ اور گفتگو کی

ان کے علاوہ حسن اتفاق سے پانچ صوبوں کے گورنر بھی مدینہ آگئے تھے انسے بھی تبادلہ خیال قابل لحاظ اور ضروری تھا۔

جس صبح کو بیعت خلافت کیگئی ہے اس شب کو کچھ ہی دیر آرام کیا تھا کہ اٹھکر آگئے اور حضرت سعد اور حضرت زبیر سے گفتگو کرتے رہے پھر حضرت علی[1] کو بلا لیا اور نصف شب تک ان سے گفتگو میں مصروف رہے پھر حضرت عثمان (رضوان اللہ علیہم) کو بلا لیا اور صبح کی اذان تک انسے باتیں کرتے رہے[2]۔ یہ پوری شب مشورہ کے نذر ہو گئی اور یہ صرف ایک ہی رات نہیں بلکہ آپ کے بھانجے مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد میرے پاس آئے اور مجھکو جگایا اور نہایت تعجب سے کہا۔

اراك نائما فواللہ ما اکتحلت ھذہ الثلاث بکثیر نوم[3]۔ | تم سو رہے ہو؟ تین رات سے مجھکو تو زیادہ سونے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔

یہ شب بیداری اور محنت بغیر اسکے ممکن ہے کہ آپ کو اسکی عادت نہو

واقعہ شوریٰ

یہ واقعہ اس تذکرہ میں ایک سے زیادہ جگہ آچکا ہے اور میرے خیال میں جس حد تک اس کا تعلق حضرت عبدالرحمن بن عوف کی

---

[1] عمرو بن میمون جو اس واقعہ کے بخاری میں راوی ہیں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ مجھکو اس گفتگو کا علم ہے جو مابین حضرت علی اور حضرت عبدالرحمن یا حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن (رضوان اللہ علیہم) کے مابین ہوئی تو وہ شخص جھوٹا ہے (ملاحظہ ہو طبری - ابن اثیر - وغیرہ) ۱۲ منہ [2] بخاری شریف کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس [3] بخاری جلد ۱۳

شخصیت سے وابستہ تھا اُس کا ذکر مفصل آچکا ہے مگر بعض پہلو اسکے ابتک یقیناً تشنہ ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پورا واقعہ اخیر رسالہ میں لکھدیا جائے، مگر اُس سے قبل چند ضروری اُمور عرض ہیں، اوّل یہ کہ کسی واقعہ کے معلوم کرنیکی کیا صورتیں ہیں جہانتک میں سمجھ سکتا ہوں کسی واقعہ کی حقیقت و واقفیت معلوم کرنیکے لئے اُس سے زیادہ بہتر اور عمدہ صورت اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ صحیح ترین طریقۂ روایت سے جن لوگوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہو ان پر اعتماد کیا جائے اور انھوں نے جس طرح وہ واقعہ نقل کیا ہو اسکو تسلیم کیا جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ درایت کے مسلّمہ اصول سے بھی بے التفاتی نہ برتی جائے۔

دوسرا امر یہ کہ اب جو کوئی واقعہ صحیح ترین طبقۂ روایت سے مروی ہو اور عقل سلیم اسکے خلاف کسی قسم کا اعتراض نہ رکھتی ہو تو اسکے ماننے میں چون وچرا کی گنجایش نہونی چاہئے اور جو کوئی واقعہ قوانین روایت کی پابندی کے بعد ہم تک پہنچایا جائے اور اصول درایت اسکی تائید میں ہوں تو اسکی تسلیم میں شک وشبہ کرنا قوی قرینہ اُس امر کا ہوگا کہ ہمارے دل ودماغ میں صدق پسندی اور حق پژوہی کے مادہ کی کمی ہے اور ہمارے دل ودماغ ایسی آلایشوں سے پاک نہیں ہیں جو حق کے ماننے میں مانع آتی ہیں۔

تیسرا امر یہ کہ تاریخ کے اصول وقوانین کی تدوین وتہذیب کی اوّلیت کا فخر جس طرح مسلمانوں کو حاصل ہے اسی طرح ان قواعد وضوابط کی پابندی میں بھی وہ اور قوموں سے پیش پیش رہے ہیں جو اُس مفید وکار آمد فن کے لئے انھوں نے مرتب کئے تھے۔

اصول تاریخ کی پابندی میں مسلمانوں کا امتیاز

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ص ۱۲۹ برحاشیہ فتح الباری ۱۲

اس سے خاموشی یا انکار ہرگز ممکن نہیں کہ اسلامی مؤرخین نے جس سختی کے ساتھ ان اصول کو برتا ہے اسکی نظیر کسی اور قوم کے مؤرخین نہیں پیش کر سکے۔

اسلامی مؤرخین میں اس مخصوص طبقہ کو جسکو ہم محدثین کے مقدس لقب سے یاد کرتے ہیں جو امتیاز و تفوق حاصل ہے وہ اسلام کا صرف معجزہ ہے اور اسکی صداقت کا ایک نشان ورنہ فلسفہ عمران ملت یا قوموں کے عروج و نزول کی تاریخ کی صفحات گردانی ہمارے سامنے اسکی ایک مثال بھی نہیں پیش کرتی کہ کسی قوم وملت نے اپنی علی الاطلاق مقتدا ہستی کے کارنامے اور ارشادات وکلمات طیبات اس طور سے محفوظ رکھے ہوں کیا یہ اسلام کی حقانیت اور صداقت سے مملو ہونے کا زبردست ثبوت نہیں ہے کہ انھوں نے صرف اپنی علی الاطلاق مقتدا ہستی کے کارنامے نہیں بلکہ اپنے کثیر التعداد پیشرووں کے مفصل کارنامے اور ان کے بتائے ہوئے اصول وقوانین (خواہ وہ مذہبی ہوں یا صرف تمدنی) اس طور سے محفوظ رکھے کہ آج کسی کے منہ میں یہ کہنے کے لئے زبان نہیں ہے کہ ان باتوں کی اون پیشرووں کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے۔ اور آج تمام عالم کو ان کے اس کارنامے سے حیرت ہے۔

مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ خداوند عالم کو صرف اسی مذہب کا بقا منظور تھا اس لئے صحابہ اور اُن کے بعد کے اصحاب کے دل ودماغ کو اسطرف متوجہ کردیا کہ وہ ایسے ضوابط اور اصول مرتب کریں جس سے انکی مذہبی اور قومی باتیں ایسی محفوظ ہوجائیں کہ آیندہ نسلوں کا سلسلہ کتنا ہی کیوں نہ طویل ہوجائے مگر ان کو اس نسبت میں ذرا شک وشبہ نہیں ہوسکے۔

ان ہی مقدس گروہ کی محنت وجانفشانی کا یہ ثمرہ ہے کہ مذہب کے صرف اصول کلی ہی نہیں بلکہ ہزاروں سے متجاوز جزئی مسائل اُس عہد کے آج ہمارے پیش نظر ہیں۔

محدثین کے بیانِ واقعات کا طرز | کسی واقعہ کو بھی بغیر سند قبول نہیں کرتے

اور سلسلہ سند کے جتنے اشخاص ہوں ان کے پوست کندہ حالات سے واقفیت کے بعد ان سے نقل کرتے ہیں۔ اور پھر ایک سند پر اکتفا نہیں کرتے ایک سلسلہ سند حاصل کرنے کے بعد دوسرے تیسرے سلسلہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔

جس نے اس مقدس گروہ کے حالات کو پڑھا ہے اور ان حضرات نے اپنی تصنیفات میں جو محنت و کاوش اٹھائی ہے اسکے اندازہ کا جس کو موقع ملا ہے اسی کے دل میں ان لوگوں کی وقعت قائم ہو سکتی ہے۔

امام بخاری

پھر اپنے طبقہ میں امام بخاری نے طبعی ذکاوت و تفقہ کے ساتھ ساتھ اپنی محنت و جانفشانی سے جو درجہ اور مرتبہ حاصل کیا ہے وہ کسی اہل نظر پر مخفی نہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء حدیث کے تمام دفتر سے قطع نظر کیجئے۔ امام بخاری کی صحیح کے علاوہ اور صحاح کو لے لیجئے اور امام بخاری کی ان تصنیفات کو اسکے مقابلہ میں لائیے جس میں امام بخاری نے اپنی عادت کے خلاف تحقیق و تنقید کے معیار کو بہت پست کر دیا ہے تو اس موازنہ میں بھی ان روایات کا پایہ ان صحاح سے بلند رہیگا۔ ان رسائل کی سندیں ان صحاح کی اسانید کے اعتبار سے قیمتی اور وزنی نظر آئینگی۔ حالانکہ یہ امر واقعہ ہے کہ ان رسائل میں صحیح کے اعتبار سے تحقیق کا پایہ نہایت ادنیٰ ہے۔

صحیح بخاری

خود صحیح بخاری کے متعلق کیا کہا جائے مختصر یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر واقعہ کو سند سے بیان کرتے ہیں اور عام محدثین سے امتیازی شان یہ ہے کہ سند کے سلسلہ کے اشخاص وہ ہوتے ہیں جو اپنے معاصرین میں تدین، قوت حافظہ صداقت امانت کے لحاظ سے ممتاز ہوتے ہیں۔

رہا یہ امر کہ انسان کے ایک مخصوص طبقہ کے علاوہ ہر ایک انسان سے غلطی ممکن نہیں بلکہ

واقع ہے۔ اور انسان کے اختلاف مذاق کا یہ عالم ہے کہ ؎

معشوقِ من ست آنچہ بنزدیک تو زشت است

تو اب ہم اگر کسی لغزش پر مطلع ہوں تو وہ خاص اسی واقعہ تک محدود رہیگی پوری کتاب پر وہ مؤثر نہیں ہو سکتی۔

یہ باتیں تو خاص امام بخاری سے متعلق تھیں مگر وہ کیا وجوہ ہیں جن کی وجہ سے عام محدثین کا بیان نہایت قابل اعتنا اور لائق استناد ہوتا ہے وہ اس رسالہ میں کسی دوسری جگہ مذکور ہیں۔

یہی اسباب ہیں جس کی وجہ سے میرا یہ خیال قائم ہوا کہ اس واقعہ کو مع اسکی تمام جزئیات کے صحیح بخاری سے نقل کروں۔

اسکے مقابلہ میں دوسری روایتیں ناقابل اعتبار ہونگی

اب اگر اس واقعہ کی نوعیت سے یا کسی جزئی امر سے اختلاف بیان کیا جائے تو اسکے لئے ضرور ہے کہ کم سے کم اسی پایہ کے مؤرخ سے اور اسی قسم کے رجال سے یہ واقعہ یا وہ جزئی امر نقل کیا جائے۔ ورنہ اس روایت کے مقابلہ میں وہ بالکل بے وقعت اور ناقابل اعتنا ہوگا۔

اور اسیطرح وہ بات بھی قابل اعتنا نہ ہوسکیگی جو اس تفصیل سے زیادہ امر پر دلالت کرتی ہو جبتک کہ وہ زائد امر اسی پایہ کی ہستیوں کے ذریعہ ہم تک نہ پہونچایا جائے۔

چند امور بطور مقدمات کے عرض کرتا ہوں اسکے بعد پورا واقعہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری سے نقل کرونگا۔

پہلا امر

حضرت عبدالرحمٰن کا فریضہ اور اس کا منشاء

اس اہم واقعہ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا کام صرف اتنا تھا کہ امت مرحومہ کی خواہشوں اور رایوں کے مطابق خلیفہ یا نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا جائے اور یہ تلاش وتفتیش صرف اس غرض سے تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے

کہ میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔ { ان اللہ لا یجمع امتی علیٰ ضلالۃ

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اس واقعہ کی اطلاع دی ہے کہ

جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ { یدُ اللہ علی الجماعۃ[1]

آپ نے اس خدمت وفریضہ کو کس دیانت وامانت وجانفشانی سے انجام دیا ہے یہ کچھ آپ کی نظر سے گذر چکا ہے اور کچھ آیندہ آتا ہے۔

دوسرا امر

حضرت عبدالرحمٰن کا ذاتی خیال اور اسکا تغیر

یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ذاتی خیال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے کے متعلق ہو جیسا کہ آپ کے خطبہ سقیفۂ بنی ساعدہ سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ نے انصار کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ اے انصار

[1] یہ دونوں حضرت ابن عمر کی حدیث کے ٹکڑے ہیں ترمذی ابواب الفتن باب لزوم الجماعۃ ۱۲

ہم کو تمھاری فضیلت کا اقرار ہے مگر سوال اس کا ہے کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جو حضرات شیخین یا حضرت علی کی مساوات کا مدعی ہو سکے۔	وانکم وان کنتم علی فضل فلیس فیکم مثل ابی بکر و عمر و علی۔

یہ موقعہ انتخاب خلیفہ کا تھا آپ نے اسکے لئے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کا تذکرہ کیا اور حضرت عثمانؓ کا نام اس موقع پر آپ نے نہیں لیا۔ لیکن اُن واقعات نے جو کہ بعد کو پیش آئے حضرت عبدالرحمٰن کی رائے کو بدلدیا اور یہ امر ثبوت کی انتہائی حد کو پہنچ گیا کہ لوگ حضرت عثمان کے خواہشمند ہیں اور ان کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دیتے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں[1] کہ علامہ ابن مدائنی کی روایت ہے

کہ حضرت عبدالرحمٰن تینوں شب تمام صحابہ اور جو سرداران قبائل مدینہ آئے تھے ان کے پاس جاتے رہے، جس سے بھی وہ مشورہ کرتے تھے وہ حضرت عثمان ہی کے خلیفہ بنانیکا مشورہ دیتا تھا	انه دار تلك الليالى كلها على الصحابة ومن وافى المدينة من اشراف الناس لايخلو برجل منهم الا امره بعثمان

اور یہ بات ایسی ہے کہ مخالفین کو بھی اس سے اتفاق ہے۔ گویا کہ حضرت عبدالرحمٰن کی بے گناہی پر موافق و مخالف دونوں ہمزبان ہیں۔ علامہ ابن حجر کی عبارت نظر سے گذری اب صاحب[2] ناسخ التواریخ کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیے صرف سورادب کے کر یہ

---

[1] (فتح ج ۷، صفحہ ۵۶) ۱۲ [2] اس کے مصنف علامہ ابوالقاسم مرزا محمد تقی لسان الملک دیوان اعلیٰ سلطنت ایران ہیں یہ کتاب شاہ ناصرالدین کجکلاہ ایران کے خاص اہتمام سے مرتب ہوئی ہے۔ اسکی تعریف میں یوں لکھا ہے۔ این مبارک کتاب کہ مشارک فصل الخطاب و ثانی سبع المثانی الخ۔ ۱۲

الفاظ کے حذف کا معافی خواہ ہوں۔

بنی ہاشم کے علاوہ اور قریشی بسبب اس .... خلافت عثمان کے خواہاں تھے اور انصار جو کہ ایک .... جماعت تھی اسکو یہ معلوم تھا کہ دنیا کے کام میں حضرت علی سے کچھ امید نہیں وہ بجز حق کے کچھ نہیں کرتے (لیکن معدودے چند خدا پرست آدمی) ان کے علاوہ کوئی بھی حضرت علی کی خلافت سے الفت نہیں رکھتا تھا۔

اما قریش بیرون بنی ہاشم بسبب آن .... بخلافت عثمان رغبت داشتند و انصار جماعتیکہ .... معلوم داشتند کہ در کار دنیا از علی بہرہ نتوان گرفت و او کار بجز حق نیکند الا معدودے چند کہ خدائے پرست بودہ کس خلافت او دوست نمیداشت

بنو ہاشم کے علاوہ تمام قریشی اور انصار کی ساری جماعت حضرت عثمان رض کے متمنی تھے۔ اب رہا بنی ہاشم کے معدودے چند آدمی یا ایک دو اور ان کے احباب اسکے خلاف رائے رکھتے تھے تو اس جماعت کثیرہ کے مقابلہ میں اس کا کیا شمار ہو سکتا ہے۔

اور ابھی اس کا پتہ دینا مورخ صاحب کے ذمہ قرض ہے کہ ان کے اسمار گرامی تمام کرائیں جن کو اس سے اختلاف تھا۔

ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بھی آپ کی بیعت سے اختلاف نہ تھا اور تمام لوگوں کے اتفاق سے یہ بیعت ہوئی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت جیسا اتفاق ہوا ایسا اتفاق کسی کی بیعت میں نہیں ہوا۔

لم یجتمعوا علی بیعۃ احد ما اجتمعوا علی بیعۃ عثمان (منہاج السنۃ ج ۲)

تمام صحابہ کے اتفاق کی سب سے قوی دلیل

اس کا سب سے زبردست ثبوت یہ ہے کہ بیعت کے وقت صحابہ کے

بھرے مجمع میں جس میں عام مخلوق کا بھی اژدحام کثیر تھا آپ نے خطبہ میں بآواز بلند یہ فرمایا

انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان ۔	میں نے لوگوں کی حالت کا اچھی طرح اندازہ کر لیا ہے وہ حضرت عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے یعنی اوروں کے مقابلہ میں ان کو ترجیح دیتے ہیں ۔

مگر کسی نے بھی مخالفت میں آواز نہیں بلند کی اور کسی نے بھی آپ کے اس قول کو رد نہیں کیا باوجودیکہ اس میں صوبوں کے گورنر بھی تھے اور مختلف قبیلوں کے سردار بھی اور وہ لوگ بھی جن کو حضرت ابوبکر کے مواجہہ میں صاف بات کہنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوا ۔

اگر یہ امر خلاف واقعہ ہوتا تو اس بھرے مجمع میں ایسے لوگ بڑی تعداد سے موجود تھے جو اسکی تغلیط و تکذیب نہایت جرأت سے کر سکتے تھے اور اگر حضرت عبدالرحمن رض کا فرمانا حق اور واقعہ پر مبنی نہ تھا تو اس کے اظہار میں ان کو کسی قسم کا باک نہیں ہو سکتا تھا۔

ان کا اسوقت سر تسلیم خم کر دینا اس کا قوی قرینہ ہے کہ آپ اپنے اس ادعا میں بالکل سچے تھے اور آپ کے اس کلام میں کذب و توریہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اور تمام مجمع کو آپ کے اس جملہ سے اتفاق تھا ورنہ ضرور مخالفت میں کوئی آواز بلند ہوتی ۔

تیسرا امر

آپ پر حضرت عثمان رض و حضرت علی رض کا اعتماد

حضرت عبدالرحمن رض کی مبارک ذات پر دونوں حضرات کو اعتماد و بھروسہ تھا اور ان میں سے کسی کو بھی آپ کی دیانت و امانت میں ذرا شبہ نہ تھا ورنہ حضرت علی رض

یا حضرت عثمانؓ غرضکہ دونوں میں کسی کو بھی آپ کے متعلق جنبہ داری اور پاسداری کا خدشہ بھی ہوتا تو ہرگز اپنے اختیار کو آپ کے ہاتھ میں نہ دیتے حالانکہ

دونوں نے اپنے اختیارات آپ کے سپرد فرمائے بغیر اسکے دونوں میں سے کوئی کسیکو مجبور کرے۔ | اتفقا علی تفویض الامر الی عبد الرحمٰن بن عوف من غیر ان یکرہ احدھما الاخر (منہاج السنۃ)

حضرت علی کے انتہائی اعتماد کی ایک بڑی دلیل

اس موقعہ پر یہ امر کچھ کم قابل اعتنا نہیں ہے کہ حضرت علیؓ نے کن الفاظ کے ذریعہ سے آپ کو وکیل بنایا تھا اسکے معلوم ہونیکے بعد بالکل اسکا تصفیہ ہوجاتا ہے کہ خصوصیت سے حضرت علیؓ کو آپ کے متعلق شبہ نہ تھا۔

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ جب حضرت عبد الرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا ہے کہ تم مجھکو اپنا وکیل بناتے ہو تو آپ نے فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو امین فی اھل الارض وامین فی اھل السماء کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا ہے تو کیا میں آپ کی وکالت سے ناراض ہوسکتا ہوں

نہ صرف آپ دونوں حضرات کو بلکہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کو بھی آپ پر اعتماد و وثوق تھا کیونکہ جب آپنے پانچوں اصحاب کو مخاطب کرکے کہا کہ

اگر تمھاری مرضی ہو تو تم میں سے میں تمھارے نفع کی خاطر ایک شخص کو منتخب کردوں۔ | ولکنکم ان شئتم اخترت لکم منکم۔

تو معًا تمام حضرات اس پر راضی ہوگئے روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سب لوگوں نے آپ کو مختار اور اس امر کا متولی بنادیا | وجعلوا ذلک الی عبد الرحمٰن فلما

جب سب لوگوں نے آپ کو اسکا والی بنا دیا (انتہی) | ولو عبد الرحمن امرهم الخ

چوتھا امر

جس طرح یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اپنے اختیارات بغیر انتہائی اعتماد کے دوسرے کے سپرد نہیں کئے جاتے اس طرح یہ امر بھی روز روشن کیطرح واضح ہے کہ ممتاز عقلاء کے تفاوت مراتب کے امتحان کے مواقع یہی ہیں اگر انسانی تقاضاء کے صدور سے ان ہی مواقع کو پُر کر دیا جائے تو اب فرقِ مراتب کے دریافت کی کیا صورت ہوگی۔

ہمارے عقیدت آگین دل میں اسکی بالکل گنجائش نہیں کہ ہم یہ گمان کریں کہ حضرت علیؓ نے اپنے اختیار کی تفویض میں یا حضرت عبد الرحمنؓ نے اپنے اختیار کے عمل میں غلطی کی۔

پانچواں امر

ان ہی مقدمات کے ضمن میں اس پر غور غیر مناسب نہیں کہ اگر حضرت عبد الرحمن کی سعی استخلاف اخلاص اور قومی و اسلامی ہمدردی پر مبنی نہیں تھی تو پھر اس کد و کاوش اور شب بیداری کا منشا کیا تھا یہ ایک ظاہر بات ہے کہ دل کے ارادوں کا چھپانا انسان کے قبضہ قدرت سے باہر ہے۔ گو اسکو اپنی زبان پر قابو حاصل ہو مگر اسکے دل و دماغ اسکے ہاتھ اور پیر کو ناد انستہ بھی اُسی طرف حرکت دینگے جس طرف کہ اُسکے مضمر ارادوں کا رخ ہے پردہ پوشی کے لئے کتنی ہی باتیں کیوں نہ اختیار کیجائیں مگر قدرت کے قانون کو نہیں بدلا جا سکتا۔ اس کے افعال و حرکات و سکنات ایک نہ ایک وقت اسکے پوشیدہ ارادوں کی پردہ دری ضرور کرینگے۔

آپ کے اخلاص کی بڑی دلیل

حضرت عثمان متمکن خلافت ہوتے ہیں اور آپ ان کے دوران خلافت میں آٹھ سال تک بہ قید حیات رہتے ہیں اور اس عالم سے رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پسماندوں میں اولاد کی ایک کثیر تعداد چھوڑتے ہیں مگر اس دراز عرصہ میں نہ خود کسی قسم کے تمتع سے بہرہ مند ہوئے اور نہ آپ کی اولاد آپ کے بعد کچھ متمتع ہوئی۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ بلا وجہ یہ تگادو اور بلا سبب یہ دوادوش اختیار کیگئی تھی۔ اگر آپ کی اس تکلیف ومحنت برداشت کرنیکا منشا مذہبی خدمت کا جذبہ نہ تھا تو لامحالہ یہہ کہنا ہوگا کہ آپ کو کسی کی جنبہ داری اور پاسداری مقصود تھی۔ یا کسی اثر سے آپ متاثر ہوئے تھے یا کسی امید ولالچ نے آپ کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ اسوقت صرف مقدم الذکر پر غور مقصود ہے باقی باتیں آگے آتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کے حالات پڑھنے کا شرف جسکو حاصل ہوا ہے اسکے خیال میں یہ بات آ نہیں سکتی کہ یہ مقدس ہستیاں ایسی تھیں کہ اپنی ذاتی اغراض پر قومی مفاد کو قربان کردیتی ہوں۔

انسان سے غلطی اور خطا ہوتی ہے یہ امر دیگر ہے مگر یہ پاک ہستیاں خود غرضی اور نفس پرستی کا اتنا شکار ہرگز نہ تھیں کہ دیدہ و دانستہ قومی حقوق یا شخصی حقوق کو پائمال کرتی ہوں۔ اگر اس بدگمانی کو واقعہ فرض کرلیا جائے تو وہ روز بد اسلام کو بہت پہلے دیکھ لینا چاہئے تھا جو ایک طویل عرصہ کے بعد اسکے سامنے آیا۔

اگر حضرت عبدالرحمنؓ کی پاسداری اور جنبہ داری کے لئے کچھ وجوہ ہوسکتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ اول خویش بعدہ درویش۔ آپ نے اپنے لئے خود کیوں نہیں کوشش کی۔

آپ کے اخلاص کی دوسری دلیل

آپ کا اپنے لئے کوشش نہ کرنا ہی ایک امر اسکے ثبوت کیلئے بہت کافی ہے کہ آپ انتہا درجہ کے مخلص تھے اور جنبہ داری اور تعلقات دنیاوی کا خیال آپ کے پاس ہوکر بھی نہیں گذرا تھا۔

آپ کے خلیفہ ہونیکے وجوہ کافی طور پر موجود تھے

رہا یہ امر کہ آپ کو اسمیں کامیابی کا امکان نہ تھا تو یہ بالکل غلط ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ اپنے لئے کھڑے ہوجاتے یا آپ کی تمنا ہوتی تو لوگ آپ کے لئے کھڑے ہوجاتے تو آپ ہی تخت نشین خلافت ہوتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس انکی وفات سے قبل اور وصیت کے بعد یہ چھ حضرات حاضر ہوئے تو آپ نے بلا تفریق سب کے متعلق فرمایا۔

انی قد نظرت فی امر الناس فلم اجد عند الناس شقاقا فان کان فھو فیکم } میں نے لوگوں کی حالت کا خوب اندازہ کرلیا ہے انمیں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ امارت تم ہی میں ہوگی۔

اور انتہائی وثوق کے ساتھ کہدیا تھا کہ۔

وانما الامر الیکم (اخرجہ ابن سعد باسناد صحیح)[1] } اور کام تمھارے ہی ہاتھ میں ہے۔

یہ جملے بتلا رہے ہیں کہ ان چھ حضرات میں سے جس کسی کا بھی انتخاب ہوتا تو وہ ضرور خلیفہ ہو جاتا اور آپس میں اختلاف نہ ہوتا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت سعد[2] ابن ابی وقاص نے ٹھیک اسوقت جبکہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت لینے کا ارادہ کر رہے تھے کس لجاجت کے لہجہ میں اپنے جذبات کا

---

[1] (فتح الباری ج ۷، ص ۵۵) ۱۲ م [2] تاریخ ابن اثیر ۱۲ م

اظہار کیا تھا ۔

سو سمجھئے اور امت محمدیہ پر رحم فرمایئے اور اپنی بیعت لیجئے ۔	ارفع راسك وانظر لامة محمد وبايع لنفسك

حضرت فاروق اعظمؓ کے چچا زاد بھائی حضرت سعید ابن زیدؓ سے جب آپ نے پوچھا کہ خلافت کا اہل تم کسکو سمجھتے ہو تو آپ نے فرمایا کہ میں تو تم کو اس کا اہل سمجھتا ہوں۔ حضرت عثمان کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کہتے ہیں کہ اسکو اپنے ذمہ لیجئے تو ہم آرام سے اپنی باقیماندہ زندگی کے دن گذار دیں ۔

آپ کہینگے کہ گذشتہ باتوں کو دوہرا کر کتاب طویل کیجاتی ہے مگر موقعہ سے مجبور ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ۔

حضرت عمر نے سب سے پہلے آپ ہی کو منتخب فرمایا تھا مگر آپ کے انکار کی وجہ سے مجلس شوریٰ قائم کرنے پر مجبور ہو گئے ۔	عهد بالخلافة الى النفر الذى مات رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو راض عنهم بعد ان عرضها على عبد الرحمن فابى (ابو الفدا)

مگر پھر بھی آپ کے متعلق بہت کھلے لفظوں میں وصیت کر دی ۔

بہترین صاحب الرائے عبد الرحمن ہیں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو ۔	نعم ذو الراى عبد الرحمن فاسمعوا منه واطيعوا ۲

سمع وطاعت تو امام وخلیفہ ہی کی ہوتی ہے نہ کسی اور کی ۔

ان واقعات کے نظر سے گذرنے کے بعد اب بھی شبہ کا موقع رہیگا کہ آپکو اپنی کامیابی سے مایوسی تھی ۔

آپ کا ایثار

اسلامی مؤرخین آپ کے اس ایثار کو نہایت مسرت و خوشی کے لہجہ میں بیان کرتے ہیں کہ خود تو آپ خلافت سے کنارہ کش رہے مگر آپ ہی کا اثر تھا کہ۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بھی اپنی خلافت کے مدعی نہوے } ورد الامر عن نفسه و ابن عمہ سعدؓ[1]

اور آپ پر اپنے نفس کے بعد اگر حق تھا تو حضرت سعد کا مگر آپ ہی کا اثر تھا کہ حضرت نے اسکی جرأت نہ کی ورنہ اس امر کے ثابت کرنے میں بڑی دشواریاں حائل ہیں کہ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص میں ہر پہلو سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیابت کی صلاحیت نہ تھی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ خود بخاری کی روایت میں آپ کے متعلق یہ الفاظ ہیں کہ

اگر سعد ابن ابی وقاص خلیفہ منتخب ہوجائیں تو وہ اسکے اہل ہیں ورنہ جو کوئی بھی خلیفہ ہو اسکو ان کے مشورہ سے ضرور مدد لینی چاہیے } فان اصابت الامرۃ سعداً فهوذاك والا فليستعن به ما امر۔

اس سے زیادہ کیا بات ہوسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ خود اہل خلافت کا بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کوئی اور خلیفہ منتخب ہوجاوے بھی ان کے مشورے سے مستغنی و بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ باوجود اس کے اطمینان قلب کے لئے میں کہتا ہوں کہ جسکو بھی اس میں شک ہو وہ قطع نظر خلافت فاروقی کے واقعات کے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کی وفات کے بعد آپ کے کارنامے ملاحظہ کرے۔

مگر میں کیا بتاؤں کہ آپ کے دل میں کیا ٹیس تھی اور آپ کے پہلو میں کیا درد تھا جس نے آپ کو بے چین کر رکھا تھا اور آپ کی نیند کو کافور کر دیا تھا۔ جب تک بیعت نہیں ہوگئی ہے آپ سرگرداں اور پریشان پھرتے رہے کیا ایسے شخص کے دل میں رشتہ داری

[1] دول الاسلام علامہ ذہبی ۱۲

نسب اور دنیاوی تعلقات جاگزیں ہو سکتے ہیں اب جن لوگوں کے دل اس قسم کی آلائش سے ملوث ہیں میں کہتا ہوں کہ ان کو کیوں نہ معذور قرار دیا جائے۔ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا درجہ تھا کیونکہ علاوہ اس کے کہ

بنو زہرہ کا میلان بنی ہاشم کی طرف بہ نسبت بنو امیہ کے بہت زیادہ تھا۔	بنو زهرة اكثر ميلاً الى بنى هاشم من بنى امية (منهاج السنة)

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت عبد الرحمٰنؓ قریب ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے وہ قربت نہیں ہے۔ اور یہ جو میں لکھ رہا ہوں کہ بنو زہرہ کا میلان بنی ہاشم کیطرف زیادہ تھا اسکی تصدیق کے لئے مصعب بن عبد الرحمٰن اور عبد اللہ بن عوف آپکے قبیلہ کے اور لوگوں کے حالات مطالعہ کیجئے۔ یوں تو "ہر شخص برحسبِ فہم گمانے دارد" مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مقدس بارگاہیں ان باتوں سے پاک تھیں۔

چھٹا امر

اس امر کی تنقیح کہ حضرت عثمان کی بیعت پر آپ کو کسی لالچ اور امید نے مجبور کیا تھا یا کسی ناجائز دباؤ کا کرشمہ تھا۔ یا صرف اخلاص و للّٰہیت اسکی مقتضی ہوئی کہ آپ حضرت عثمان کی بیعت کریں۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

سب لوگوں نے حضرت عثمان کی بیعت بغیر کسی لالچ اور خوف کے کی کیونکہ آپ نے اپنی بیعت کے عوض کسی کو نہ حکومت دی اور نہ مال۔	كلهم بايعوا عثمان بلا رغبة بذلها لهم ولا رهبة فانه لم يعط على ولايته مالاً ولا ولاية۔ (منهاج السنة ص۱۲۶)

اور آپ کے متعلق تو خصوصیت کے ساتھ یہ تصریح کردی ہے کہ

عبدالرحمن بن عوف جنھوں نے بیعت کی ان کو حکومت دی نہ مال۔۔	وعبد الرحمن الذی بایعہ لم یولہ ولم یعطہ مالاً

بلکہ حضرت عثمان نے تو انکی اولاد کو بھی مال و حکومت سے محروم رکھا اور برعکس اسکے آپ نے چار سو دینار سُرخ ہر بدری کو دینے کی وصیت کی تھی وہ حضرت عثمان نے بھی لئے اگر حضرت عثمان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات ہوتی کہ حضرت عبدالرحمن کی سعی استخلاف کسی لالچ و حرص پر یا کسی اُمید پر مبنی تھی تو وہ اس کا ضرور بدل کرتے اور کم از کم ان کے اور زیادہ شرمندۂ احسان اور ممنونِ کرم تو نہوتے مگر یہاں تو نہ حضرت عبدالرحمن کو یہ خیال تھا اور نہ حضرت عثمانؓ کو یہ وہم و گمان۔ سہ

الحق این اصل ندارد سخنے ساختہ اند

حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنی بیوی تماضر کو بیماری کی حالت میں طلاق دی تو حضرت عثمانؓ نے عبدالرحمن کی بالکل رعایت نہیں کی اور یتیم بچوں کے مال سے اسی ہزار کی رقم تماضر کو دیدی۔

یہ حضرت عثمانؓ کا طرز عمل تھا۔ اب آپ کا بھی حال ملاحظہ فرمائیے۔

باوجود اس کے کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے اس میں محنت مشقت برداشت کی تھی مگر انجام کے بعد بالکل انجان ہوگئے گویا کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔	وکان عبد الرحمن بن عوف ابعد الناس عن الاغراض مع ان عبد الرحمن مشاور جمیع الناس۔

اس امر کی تفصیل میرے خیال میں ناظرین تذکرہ کے لئے موجب ملال ہوگی کیونکہ آپ کے حالات پڑھنے کے بعد کسی منصف مزاج کے دل میں بطور خدشہ بھی یہ بات

نہیں آسکتی کہ آپ جیسے غنی شخص کا قومی کام کسی ذاتی منفعت پر مبنی ہو سکتا ہے۔

اسی مضمون کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالیئے تو انشاء اللہ تعالیٰ مسئلہ بہت صاف ہو جائیگا وہ یہ کہ آپ پر کوئی دباؤ یا اثر تھا اسکے متعلق مجھکو زیادہ دماغ پاشی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ حالات پڑھ چکے ہیں۔ آپ کی مال و دولت۔ فہم و فراست ہمت و جرأت۔ کے واقعات آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔

مال و دولت میں ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ سے آپ زیادہ ہی ہوں۔ تاریخ پر نظر ڈالیئے ہمت و جرأت میں آپ حضرت عثمانؓ کے دوش بدوش نظر آتے ہیں فہم و فراست کے واقعات کا دوہرانا تطویل لاطائل ہے۔ اب آپ پر کیا اثر اور دباؤ ڈالا جاسکتا تھا۔ رہا شبا روزی کے تعلقات وہ آپ کے دونوں حضرات سے مساوی تھے

اور مجلس شوریٰ کا واقعہ تو یہ ہے کہ اسکے ارکان حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ تھے اور

ان میں عثمانؓ کے سوا بنی اُمیہ کا کوئی شخص نہ تھا۔ | ولا کان فی الشوریٰ احد منھم غیر عثمان۔

اس مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اور لوگوں سے مشورہ کیا تو ان میں بنو اُمیّہ کی تعداد کوئی وقعت نہیں ہے۔

بنوامیہ کو اس زمانہ میں کسی قسم کا اقتدار نہ تھا

اور اگر بنوامیہ کی تعداد زیادہ بھی مان لیجائے تو اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے جبکہ اس واقعہ کا تمام مؤرخین کو بلا اختلاف اقرار ہے۔

کہ اس زمانہ میں بنواُمیہ کو کوئی اقتدار حاصل نہ تھا۔ | ولم یکن لبنی امیۃ شوکۃ۔

ایسی صورت میں زیادہ تعداد بھی ہو تو کیا مفید ہو سکتی ہے۔ اتفاقی طور پر پانچ صوبوں کے والی (گورنر) مدینہ آئے تھے ان میں بجز والیٔ (گورنر) دمشق کے اور کوئی بنو امیہ سے نہ تھا آپ نام ملاحظہ فرمائیے۔

اسماءِ صوبہ	اسماءِ وُلاۃ (گورنراں)
امیر کوفہ	مغیرہ بن شعبہ ثقفی
امیر مصر	عمرو ابن العاص السہمی
امیر بصرہ	ابو موسےٰ اشعری
امیر حمص	عمیر بن سعد الانصاری
امیر شام	معاویہ بن ابی سفیان

جب ایک کام کیلئے تین صورتیں متعین تھیں اور دو صورتوں کا جواب نفی میں آیا تو تیسری صورت متعیّن ہو گئی اور اب ہم اس نتیجہ پر پہنچنے میں مجبور ہیں کہ آپ کی سعیِ استخلاف کا منشا صرف اپنے ایک مذہبی فریضہ سے سبکدوشی تھی اور بس ورنہ کیا وجہ ہے کہ اسکے علاوہ اور جو اسباب سمجھے جا سکتے ہیں وہ حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے بعد معرضِ ظہور میں کیوں نہ آئے کیا کسی ایک واقعہ کا پتہ دیا جا سکتا ہے کہ جس میں آپ نے یا آپ کی اولاد نے حضرت عثمان کے متمکن خلافت ہونے سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا ہو یا دیگر عام مسلمانوں سے کچھ زائد فائدہ حاصل کیا ہو۔

آمدم بر سر مطلب

اِن مقدمات سے واقف ہونے کے بعد آپ اس روایت کو پڑھیے اور

مجھکو اجازت دیجیئے کہ توضیح کی غرض سے حافظ ابن حجر کی وسعت معلومات سے فائدہ اٹھاؤں یہ روایت امام بخاری نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے نقل کی ہے واقعہ کے بیان کرنیوالے حضرت عبد الرحمن رض کے بھانجے مسور بن مخرمۃ ہیں جو خود بیان کرتے تھے

میں اس واقعہ کا سب سے زیادہ واقف کار ہوں کیونکہ میں تو اسمیں حضرت عبد الرحمن رض کا سفیر تھا ۔	کنت اعلم الناس بالشوریٰ لانی کنت رسول عبد الرحمن بن عوف

روایت

وہ جماعت جس کو کہ حضرت عمر رض نے مقرر کیا تھا جمع ہوئی اور مشورہ کیا تو حضرت عبد الرحمن نے کہا کہ میں تو تم لوگوں کے مقابلے میں اس کا خواہشمند نہیں ہوں لیکن اگر تمھاری مرضی ہو تو تم لوگوں کے لئے تمہی میں سے انتخاب کر دوں اس پر سب لوگوں نے یہ امر آپ پر محوّل کر دیا جب سب لوگوں نے آپ کو اس امر کا متولی بنا دیا تو تمام لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے[1] اس طور سے کہ بقیہ پانچ شخصوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا اور نہ ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے ۔ اور لوگ حضرت عبد الرحمن رض پر مائل ہو گئے ۔ آپ سے	ان الرھط الذین ولاھم عمر اجتمعوا فتشاوروا فقال لھم عبد الرحمن لست بالذی انافسکم عن ھذا الامر ولکنکم ان شئتم اخترت لکم منکم فجعلوا ذلک الی عبد الرحمن بن عوف فلما ولوا عبد الرحمن امرھم فمال الناس علی عبد الرحمن حتی ما اری احدا من الناس یتبع اولئک الرھط ولا یطأ عقبہ ومال الناس علی عبد الرحمن

[1] یہ ترجمہ فانثال الناس کا ہے جو سعید بن عامر کی روایت میں بجائے مال الناس کے ہے ۔ ۱۲ ر

اس معاملہ میں مشورہ کرتے رہے یہانتک کہ وہ رات
آگئی جس کی صبح کو ہم نے حضرت عثمانؓ کی بیعت
کی مسور بیان کرتے ہیں کہ ایک نیند کے بعد حضرت
عبدالرحمن آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا کہ میں جاگ گیا
پھر مجھ سے کہا کہ تم سو رہے ہو اور خدا کی قسم مجھکو
ان تین شب میں اچھی طرح سونے کا موقع بھی نہیں
ملا جاؤ اور زبیرؓ اور سعدؓ ابن ابی وقاص کو بلا کر لاؤ ۔
(مسور بیان کرتے ہیں) کہ میں بلا کر لایا آپ نے دونوں سے
مشورہ کیا پھر مجھکو پکارا اور مجھ سے کہا کہ علیؓ کو بلا لاؤ
تو میں ان کو بلا لایا ان سے نصف رات تک آپ
آہستہ آہستہ بات کرتے رہے، بعد حضرتؓ آپ کے
پاس سے علیحدہ ہوگئے اور آپ کو کچھ امید ہوگئی اور
حضرت عبدالرحمن کو حضرت علی سے (اختلاف[۲])
کا خوف تھا۔ پھر مجھ سے کہا کہ عثمان کو بلا لاؤ پھر عثمانؓ
سے باتیں کرتے رہے یہانتک کہ صبح کے موذن نے

يتشاورون[۱] تلك الليالي حتى
اذا كانت الليلة اصبحنا منها
فبايعنا عثمان قال المسور طرقني
عبد الرحمن بعد هجع من الليل
فضرب الباب حتى استيقظت
فقال اراك نائما فوالله ما اكتحلت
هذه الثلاث بكثير نوم انطلق
فادع الزبير وسعدًا فدعوتهما
له فشاورهما ثم دعاني
فقال ادعُ لي عليًا فدعوته
فناجاه حتى ابهارّ الليل
ثم قام عليؓ من عنده وهو على
طمع وقد كان عبد الرحمن يخشى
من علي شيئًا ثم قال ادع لي عثمان
فدعوته فناجاه حتى فرق بينهما

---

[۱] زبیدی کی روایت میں یتشاورون کے بعد اتنا اور زائد ہے دیماجونه تلك الليالی لا یخلو به رجل ذو رای فیعدل بعثمان احدًا کہ تمام لوگ مشورہ کرتے رہے اور کوئی صاحب الرائے ایسا نہیں ملا جو حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح دیتا ہو ۔۱۲ منہ ۔ [۲] اس محذوف کو علامہ ابن حجر نے متعین کیا ہے ۱۲ ر

دونوں کو علیحدہ کردیا جب جماعت ہوگئی۔ اور یہ
چھ کے چھ اصحاب شوریٰ منبر کے پاس آئے تو حضرت
عبدالرحمٰنؓ نے مدینہ کے تمام مہاجرین اور انصار کے
پاس آدمی بھیجا اور جو والیان صوبہ تھے (جو اتفاقی
طور پر حج کو آئے تھے اور حضرت عمرؓ کی معیت
کیوجہ سے مدینہ آگئے تھے۔) ان کو بلانے کو بھی
آدمی روانہ کیا جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے مختصر
خطبہ اور حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے کہا کہ اے علیؓ
میں نے لوگوں کی حالت کا اچھی طرح موازنہ کیا میں نے
عثمانؓ کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح دیتے ہوئے نہیں پایا
تو اب تم اپنے نفس پر کسی کو (ملامت کا) موقعہ
نہ دو پھر (حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرکے) کہا کہ
میں تم سے بیعت لیتا ہوں خدا اور اسکے رسول کی
شریعت پر اور شیخین کی سیرت پر پھر حضرت
عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی اور سب
لوگوں نے یعنی تمام مہاجرین و انصار اور تمام والیان
صوبہ نے اور تمام مسلمانوں نے بیعت کی۔

المؤذن بالصبح فلما صلى للناس الصبح
واجتمع اولئك الرهط عند المنبر
فارسل الى من كان حاضرا من
المهاجرين والانصار وارسل
الى امراء الاجناد وكانوا وافوا
تلك الحجة مع عمر فلما اجتمعوا
تشهد عبد الرحمن ثم قال اما بعد
يا علي اني قد نظرت في امر الناس
فلم ارهم يعدلون بعثمان
فلا تجعلن على نفسك سبيلا
فقال ابايعك على سنة الله
وسنة رسوله والخليفتين من
بعده فبايعه عبد الرحمن
وبايعه الناس المهاجرون
والانصار وامراء الاجناد
والمسلمون (بخاری کتاب الاحکام
باب کیف یبایع الامام)

خلاصہ واقعہ

یہ تو اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ آپ نے سب سے پہلے اعلان کردیا

کریں تم لوگوں کے مقابلہ میں اس کا خواہشمند نہیں ہوں گر تم لوگوں کے حقوق ضرور ایسے

آپکی سعی کا سبب

ہیں جس کی وجہ سے مجھ کو اسکی سعی اور کوشش میں حصہ لینا ضروری ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام لوگوں کو آپ کی دیانت اور امانت پر پورا بھروسہ تھا اس لئے آپ ہی کو بالاتفاق سیاہ سپید کا مالک بنادیا سویہ آپ کی دیانت اور امانت کا تقاضا تھا کہ آپ نے صرف اپنی عقل اور سمجھ کے بھروسہ پر خلیفہ کا انتخاب نہیں کیا بلکہ آپ نے تمام لوگوں سے مشورہ کیا چنانچہ آپنے اسی روایت میں پڑھا و مال الناس علی عبد الرحمٰن یشاورونہ تلك اللیالی کہ تمام لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے اور وہ آپ سے اس تین شبانہ یوم کی مدت میں مشورہ کرتے رہے اسکے بعد گو باقی پانچ صاحبوں نے کامل اختیار آپ کو دیدیا تھا مگر آپ نے پھر سب صاحبوں سے مشورہ کیا علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت طلحہ رض کے مشورہ کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا مگر اسکے بعد لکھتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس بات کا ذکر نہو وہ ہو بھی نہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ مسور راوی واقعہ کو اسکا علم نہوا ہو اور آپ نے صرف انہیں لوگوں کے مشورہ کا ذکر کیا جن کو آپ کے ذریعہ سے بلوایا تھا۔

جب آپ کو مشورہ کے ذریعہ سے اس کا علم اچھی طرح ہو گیا کہ حضرت عثمان رض کے لوگ زیادہ خواہشمند ہیں تو آپ نے حضرت علی رض کو سمجھا دیا کہ میں نے لوگوں کی حالت کا اچھی طرح اندازہ کر لیا ہے کہ وہ عثمان رض کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے بلکہ ان ہی کو ترجیح دیتے ہیں تو اب تمھاری طرف سے کوئی ایسی بات نہونی چاہئے جو تمھاری شان کے خلاف ہو اور لوگوں کو انگشت نمائی کا موقعہ ملے اسکے بعد حضرت عبدالرحمٰن رض نے بیعت کی اور آپ کے بعد حضرت علی رض نے اور آپ کے بعد

اور سب لوگوں نے (ملاحظہ ہو بخاری شریف واقعہ شہادت فاروق اعظم) یہ واقعہ بخاری شریف میں دو جگہ ہے بعض امور کی تفصیل اس روایت میں ہے اور بعض باتیں مفصل اس سے قبل کی روایت میں ہیں۔ حضرت علیؓ کو خاص طور پر سمجھانے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ آپ کو اپنے متعلق کچھ امید ہو گئی تھی اور خلاف توقع بات پیش آنے سے قلب کا متاثر ہونا فطرتی امر ہے اور اس سے بعض وقت نقصان ہوتا ہے اور کم درجہ کی بات سرزد ہو جاتی ہے۔ رہا یہ امر کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی گفتگو سے آپ کو امید بندھی تھی تو اسکے متعلق قطعی رائے ظاہر نہیں کیجا سکتی کیونکہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس امر کا مدعی ہو کہ مجھ کو ان باتوں کا علم ہے جو حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے مابین ہوئی تو وہ یقیناً جھوٹا ہے[1]

ایک ضروری توضیح

بیعت کے الفاظ میں سنۃ اللہ و سنۃ الرسول کے بعد والخلیفتین بعدہ کا لفظ اضافہ فرمایا اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ حضرات شیخینؓ نے جس اخلاص وللہیت سے اسکو انجام دیا ہے آپ بھی انجام دیں بعینہ اسکی مثال ایسی سمجھئے کہ ہندوستان کا جو نائب السلطنت (وائسرائے) منتخب ہوتا ہے ایمیں یہ بات اچھی طرح دیکھ لی جاتی ہے کہ وہ سلطنت کے مفاد کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا مگر اس کے بعد بھی جائزہ سے قبل حلف وفاداری اٹھانا پڑتا ہے۔

---

[1] تاریخ طبری بروایت عمرو بن میمون ۱۲

اور حضرات شیخین کا اخلاص اور حسن عمل ضرب المثل ہو چکا تھا اس لئے صراحت کے الفاظ پر اسکو ترجیح دیگئی اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ خدا اور اسکے رسول کے کلام کے معنی بیان کرنے میں گفتگو کا موقع باقی رہتا ہے اور جب اتنی شرط اضافہ کر دیجائے تو گفتگو جلد ختم ہو جاتی ہے اور تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ عہد میں اگر اتنی ہی شرط رکھی جائے تو مواخذہ صرف ان ہی امور پر ہو سکتا ہے جو ناجائز اور غلط ہیں مگر وہ باتیں جو جائز ہیں مگر ان کی شان کے خلاف ہیں یا کرنے والی کی عظمت و وقعت کے لحاظ سے پسندیدہ اور مستحسن نہیں کہی جاسکتیں تو اب معاہدہ کے لحاظ سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا اور جب عہد میں اتنا اضافہ کر دیا گیا کہ کام فلاں مقدم ہستی کے نمونے پر ہو تو اب مواخذہ میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب صدقہ کے اونٹوں کو نیلام کرایا اور انتہائی قیمت پر خود لے لیا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے یہ سوال نہیں کیا کہ شریعت کے رو سے یہ جائز ہے یا نہیں بلکہ سوال صرف اتنا تھا کہ حضرت عمر کو ایسا کرتے دیکھا ہے یا نہیں ؟

معاہدہ میں اگر یہ جملہ نہ ہوتا تو حضرت عثمانؓ فوراً کہدیتے کہ شریعت کے احکام میں اسکی ممانعت نہیں۔

کیا حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علیؓ پر پہلے شرائط بیعت پیش کئے تھے

علامہ ابن حجر نے اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ پہلے یہ معاہدہ آپ نے حضرت علیؓ پر پیش کیا تھا مگر ان کے جواب سے انشراح آپ کو نہیں ہوا پھر حضرت عثمانؓ پر پیش کیا مگر اس کے ساتھ یہ بھی بتلادیا ہے کہ سفیان بن وکیع راوی واقعہ ضعیف ہے اور رجال کی کتابوں کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے

کہ سفیان کا استاد بھی کبھی روایت میں غلطی کرتا ہے اور اُس کا حافظہ بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔

اس واقعہ کی اہمیت پر ایک نظر

یہ واقعہ اپنی عظیم الشان اہمیت کیوجہ سے اس سے زیادہ تفصیل کا مستحق تھا مگر مجھکو ناظرین کے ملال خاطر کا بھی خیال ہے اور اسکے علاوہ یہ امر بھی دامن کش ہے کہ واقعات تذکرہ عبد الرحمن رضؓ کے موضوع سے خارج نہو جائیں۔ اسلئے نہایت اختصار کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ کیا باتیں ہیں جس کی وجہ سے اس واقعہ نے اپنے اندر ایک غیر معمولی اہمیت پیدا کرلی ہے اور اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ ان باتوں کا کس حدتک حضرت عبد الرحمنؓ سے تعلق ہے۔ اسکے بعد چند متفرق واقعات ہوں گے جو خاتمہ کتاب کے قائم مقام سمجھے جائیں۔

حضرت عبد الرحمنؓ نے تو اپنا ایک مذہبی اور اخلاقی فریضہ ادا کرکے اپنے کو ایک قرض سے بری الذمہ کیا مگر درحقیقت تمام عالم اسلام کو ایک بڑے بار گراں سے سبکدوش کردیا۔

خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو سمجھ اور عقل عطا فرما کر اشرف المخلوقات کا لقب دیا تھا اُس کا یہ مقتضا تھا کہ ہر مفید کام میں ایک دوسرے کے معاون ہوتے اور یکجہتی اور اتفاق سے اُس کے سرانجام دینے کی کوشش کرتے مگر باہمی اختلاف طبائع کے اثر نے اُن کے ارادے اور خواہشات وجذبات میں اتنا تنوع پیدا کردیا کہ کبھی بھی ایک مرکز پر جمع ہونا پسند نہیں کرتے۔

ایک کا محبوب دوسرے کی نظر میں قبیح نظر دکھلائی دیتا ہے۔ ایک شخص کو

جس سے انتہائی نفرت ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرا اُس کو جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ ایک کو شیرینی سے الفت ہے تو دوسرا ترشی کی طرف راغب ہے۔ ایک کو سفید وصاف کپڑے بھاتے ہیں تو دوسرے کی نظر میں بیل بوٹے اور رنگا رنگ کی گلکاریاں گھر کئے ہوئے ہیں۔

ایک قوم کے لئے سیاہ رنگ دیدہ زیب ہے تو دوسرے ملک کی تمام چیزیں آپ کو زرد نظر آئینگی۔ ایک برِّاعظم میں کوتاہ قدی اور ناک کا چپٹا پن انتہا درجہ کی خوبصورتی ہے تو ایک اس سے بڑے ملک میں اُس سے سخت نفرت کیجاتی ہے۔

اگر ایک جماعت کا میلان جدّت و اختراع کی طرف ہے تو آپ کو ایک گروہ پورانی اور قدیم وضع کا شیدا اور قدردان نظر آئیگا۔

غرضکہ کتنی باتوں کا تذکرہ کیا جائے نہایت ادنیٰ ادنیٰ اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں انسان کے اختلافِ جذبات کا یہ عالم ہے اِس پر نظر کرتے ہوئے اسکا یقین دشوار ہو جاتا ہے۔ کہ ایک بڑی جماعت ایک اہم امر پر متفق و متحد ہو جائیگی۔

ایک معمولی سی معمولی بات پر اتفاق و اتحاد دشوار و محال نظر آتا ہے مگر یہ آپ ہی کی تدبیر اور کارگذاری تھی کہ آپ نے ایسے دشوار کام کو اتنا آسان کر دیا اور پھر کتنا سہل و آسان کہ اسکی دشواری و صعوبت سے بہت سے لوگ ابتک ناواقف ہیں۔

حالانکہ اگر حضرت عبدالرحمٰنؓ انتہائی دانائی اور غایت ایثار سے کام نہ لیتے تو اختلاف و فرقہ بندی کا ہو جانا لابدی امر تھا۔

اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر آپ انتہائی جد و جہد اور غیر معمولی فراست

ودانائی سے کام نہ لیتے تو جو اختلافات ایک طویل عرصہ کے بعد ظہور پذیر ہوئے اسی وقت رُونما ہوجاتے۔ اور اسلامی اتحاد و یکجہتی کی عمر اور زیادہ کم ہوجاتی۔

آپ ہی کی کوشش و محنت کا ثمرہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم کے انتقال کے بعد ۳۵ھ تک عالم اسلامی میں ایک حیرت انگیز اتحاد و یکجہتی کی لہر باقی رہی۔

اسکے بعد گو ترقی یافتہ اقوام کے آثار مسلمانوں میں صدیوں تک باقی رہے مگر وہ روح جو جاتی رہی تھی عود نہ کرسکی۔

آج اسلامی دنیا میں جو تفرق و انتشار ہے اسکی تاریخ اگر آغاز خلافت ثالثہ سے شروع ہوتی تو اس تفرقہ اور فرقہ بندی کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوجاتی۔

یہ آپ کا تمام عالم اسلامی پر ایک عظیم الشان احسان ہے کہ آپ نے صرف اپنی تدبیر و سمجھ سے اپنی زندگی تک کوئی فرقہ بندی نہیں ہونے دی اور تمام عالم اسلامی کو ایک مرکز پر مجتمع رکھا وکفٰی بہ فخراً

متفرق واقعات

صہیب بن سنانؓ بچپن میں ہی رومیوں کے پاس پہنچ گئے تھے اور وہاں پرورش ہونیکی وجہ سے انکی مادری زبان عربی کا وہ لب و لہجہ نہیں رہا تھا اور نہ ایسی عمدہ عربی بول سکتے تھے لیکن وہ عربی النسل ہونیکے مدعی تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا

اتق اللہ ولا تدع الی غیر ابیک (بخاری صفحہ ۲۹۶۔ کتاب البیوع باب شری المملوک من الحربی)

خدا سے ڈر اور جو باپ نہیں ہے اس سے رشتہ نہ جوڑ۔

تو انہوں نے جواب دیا کہ

مجھکو یہ بھلا نہیں معلوم ہوتا کہ مجھکو بہت کچھ دیا جائے اور اسکے عوض مجھسے کہا جائے جواب نہیں یا ہی اس سے رشتہ جوڑ دوں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھکو چرا لیا گیا تھا جبکہ میں چھوٹا تھا۔

مایسرنی ان لی کذا وکذا وانی قلت ذلک ولکنی سرقت وانا صبی[1]

اصابہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا تم میں بجز ان تین کے اور کوئی بات کا عیب نہیں پاتا تم اپنے کو عربی النسل خیال کرتے ہو حالانکہ تمھاری زبان بالکل عجمی ہے دوسرے یہ کہ تم نے نبی کے نام پر کنیت رکھی ہے (اور تمھارا کوئی لڑکا اس نام کا نہیں ہے) تیسرے یہ کہ تم اسراف کرتے ہو حالانکہ اسراف خدا کی ناشکری ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا (بنی اسرائیل) اور اللہ تعالیٰ نے خود اس طرح سے خرچ کرنیکو منع فرمایا ہے۔ ولا تبسطھا کل البسط (بنی اسرائیل) آپ نے جواب دیا کہ رومیوں نے مجھکو چھٹپنے میں قید کر لیا تھا اس لئے میں نے ان کی زبان سیکھی فتح الباری میں اتنا اور ہے چھٹپنے میں اسوقت قید کیا تھا جب میں اپنے لوگوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا اگر میں گوبر سے ہوتا تو مجھکو اسکی طرف انتساب سے بھی نفرت ہوتی۔ ابو یحییٰ کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے میں نے خود نہیں منتخب کی۔ خرچ کرتا ہوں تو ناحق نہیں کرتا فتح الباری میں اتنا اور اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کا وعدہ ہے وما انفقتم من شئی فھو یخلفہ تم جو خرچ کرتے ہو اللہ اسکے بعد اور بھیج دیتا ہے۔

حضرت عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو شام میں

[1] فتح الباری کتاب البیوع باب شری المملوک من الحربی ج ۴

ایک زمین عنایت کی تھی لیکن اسکے متعلق کوئی تحریر نہیں دی تھی ہاں! یہ فرمایا تھا کہ خدا تعالےٰ جب ہمارے قبضہ میں شام کریگا تو سلیل تمھارا ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ریشمی کپڑے کے استعمال کی اجازت[2] دی تھی آپ کو جوؤں کی تکلیف تھی اس تکلیف میں یہ مفید ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی وفات سے محزون تھے آپ کا ہاتھ پکڑ کر دور لیگئے اور فرمایا کہ عبدالرحمٰن! اگر قیامت کا یقین نہوتا تو سخت صدمہ کی بات تھی[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں اتارنے کے لئے جو لوگ متعین کئے گئے تھے اور جنھوں نے یہ خدمت انجام دی تھی اس کے متعلق جو روایتیں ہیں اکثر میں آپکا نام بھی ہے[4]۔

الحمد للہ الذی بنعمۃ وجلالہ تتم الصّلحت وصلی اللہ علےٰ محمدؐ وآلہ وصحبہ
تمت التذکرۃ ولہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ وتیلوہ ذیلہ انشاء اللہ

---

[1] ابن سعد ۱۲ [2] بخاری کتاب الجہاد باب لبس الحریر فی الحرب ۱۲ [3] اتحاف المہرۃ مسند عبدالرحمٰن بن عوف اور یہ روایت فتح الباری میں بھی ہے مگر ان الفاظ میں

اگر قیامت واقعی امر اور سچا وعدہ اور ایسی رہگذر نہوتی جس سے ہمارا گذرنا یقینی ہو اور ہر مابعد اپنے ماقبل سے ملنے والا نہوتا تو صدمہ اور غم بہت زیادہ ہوتا۔	لولا انہ امر حق ووعد صدق وسبیل ناتیہ ان اٰخرنا سیلحق باولنا لحزنا علیک حزنا ھو اشد من ھذا کتاب الجنائز ج ۳ ص ۱۴۱ ۱۲

[4] عون المعبود حاشیہ ابوداؤد ابن سعد ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ تذکرہ عبدالرحمٰنؓ

یعنی

مسند عبدالرحمٰن بن عوفؓ

یہ بات سب سے پہلے آپ اس تذکرہ میں دیکھینگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور فیض یافتہ کے حالات کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں جو انہی صحابی کے ذریعہ سے روایت کیگئی ہیں ان کے حالات کے آخر میں جمع ہیں۔

اس کتاب میں آپ کے حالات ہیں اور ضمیمہ میں حدیث کی روایتیں اس طریقہ سے آپ کی علمی اور عملی دونوں یادگاریں ناظرین کے سامنے آگئیں۔ اور اس خیال سے کہ ہر طبقہ کے لوگ نفع اٹھائیں ترجمہ کے ساتھ ضروری وضاحت اور تشریح بھی کردی گئی ہے۔

اب انشاء اللہ العزیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور ہدایت کا ڈھونڈھنے والا پیاسا نہ رہیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اور ہدایت کرنے والے گذرے کسی کی تعلیم اس طور پر محفوظ نہیں ہے کہ ان پر عمل کیا جا سکے۔

کیونکہ پہلے تو انبیاء اور ہدایت کرنیوالوں کی کتابیں اور تعلیم سرے سے موجود ہی نہیں ہے یا اگر موجود ہے تو اسمیں انسان کی اور باتیں ایسی ملگئی ہیں کہ ان باتوں کا خدا کی باتوں سے اور اس کے احکام سے علیحدہ اور جُدا کرنا بہت دشوار ہے بلکہ صاف لفظوں میں یوں سمجھئے کہ کسی اگلے نبی کی شریعت پر عمل نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالے نے ان تعلیم اور ہدایتوں کو محفوظ کیوں نہیں رکھا اور وہ کیوں اس قابل ہوگئیں کہ ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ تعلیم اور ہدایت ایک مقررہ زمانہ تک کیلئے تھیں۔ قیامت تک کے لئے تھیں ہی نہیں اس لئے ان کے حفاظت کی ضرورت نہیں تھی اور اسی وجہ سے اسکی حفاظت کا سامان نہیں کیا گیا اور اب وہ باقی نہیں ہیں۔

ہاں جس نبوت کی تعلیم اور ہدایت کو قیامت تک باقی رکھنا منظور تھا اور رکھا جانا تھا کہ قیامت تک ویسے ہی باقی رہے اس تعلیم اور شریعت کو دیکھو اس کا ایک لفظ مٹنا تو در کنار ایک نقطہ ادھر سے اُدھر نہیں ہوا۔

ہر نبی کو جو خاص خدا کا پیغام دیا جاتا ہے جس کا نام خدا کی کتاب ہوا کرتا ہے کوئی بتلائے تو کہ اسکے پاس ویسے ہی موجود ہے جیسا کہ آسمان سے اُترا تھا اور ہم زور سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغام الٰہی عطا ہوا تھا وہ بعینہ اسی طریقہ سے ہمارے سینوں اور سفینوں میں محفوظ

ہے۔[1]

---

[1] یہ ایک بہت لانبا چوڑا مبحث ہے۔ یہاں پر بہت ہی مختصر طور پر اتنا عرض کرتا ہوں کہ خداوند جل جلالہ نے مذہب اسلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایتوں کی بہت ہی مختلف طور پر حفاظت کی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کو حفظ قرآن کی طرف متوجہ کر دیا جنھوں نے سیکڑوں طریقوں سے قرآن کی حفاظت کی۔ [1] ایک گروہ نے یاد کیا۔ [2] ایک نے معانی بیان کئے۔ ایک نے اسکی لغت کو مدوّن کیا۔ [3] ایک گروہ نے زبان کے قواعد کے اصول اس سے مستنبط کئے اسی طرح بیسیوں اور گروہ ان کے علاوہ بھی خدمت اور حفاظت میں مشغول رہے۔ اس جماعت کا نام میں خدام القرآن تجویز کرتا ہوں۔

[4] ایک دوسری جماعت کے دلوں کو اس طرف پھیر دیا کہ وہ آپ کے افعال واقوال اور تمام خطبے اور آپ سے متعلق جو واقعات ہیں ان کو تلاش کرے اور جمع کرے اس جماعت کا نام اصحاب السیر والمغازی ہے اور اسکے بھی مختلف گروہ ہیں۔

ایک جماعت کے دل میں ان باتوں کے جمع کے شوق کے ساتھ یہ طلب بھی دل میں ڈالدی کہ ان باتوں اور واقعات سے ہم کو کوئی سبق یا بات حاصل ہو۔ کوئی مسئلہ معلوم ہو جائے۔ اس جماعت کا نام محدثین کی جماعت ہے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات محفوظ کرلیا۔ ایک ایک کو جانچا اور پرتالا اور اس جانچ و پرتال اور حفاظت کے لئے اپنے فن کی بہت شاخیں کردیں اور ان کو اتنا بڑھایا کہ ہر شاخ اب ایک جدا فن بنگیا۔

ایک جماعت کو آپ اس طرف متوجہ پائینگے کہ وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے جو مسئلہ نکلتا ہے ان کو ہمارے سامنے مسائل کی صورت میں پیش کردے۔ اس جماعت کا نام فقہا کی جماعت ہے۔

ایک اور مقدس و متبرک جماعت ہے جس نے شریعت کے قوانین و اصول سے اسکی حقیقی غرض و غایت کو سمجھکر ہمہ تن اپنے کو ان کے حاصل کرنے میں منہمک کردیا بلکہ مٹا دیا اس پاک جماعت کو ہم صوفیا کی جماعت کہتے ہیں۔

اس سے زیادہ اور کہتے ہیں، صرف وہ پیغام الٰہی ہی نہیں بلکہ ہمارے ہادی ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس پیغام کے علاوہ اور جو ہدایتیں دی تھیں وہ بھی ہمارے پاس محفوظ موجود ہیں۔

پیغام الٰہی کی حفاظت ہم نے جیسی اور جس جس طریقے سے کی ہے اس کا تو ہم ذکر ہی نہیں کرتے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال اور اِک اِک اشارۂ ابرو اپکی اِک اِک حرکت نہیں بلکہ اس حرکت کی کیفیت اور ادا کو جس طور سے محفوظ رکھا ہے کوئی ہے؟ کہ آج اپنے خدا کی کتاب کو جو اسکو نبی کے ذریعہ سے دیگئی تھی اتنا محفوظ ثابت کرسکتا ہو۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے ہم جس طریقہ کی سند ضعیف سی ضعیف حدیث کیلئے پیش کرسکتے ہیں اس درجہ کی مسلسل سند خدا کی کتاب کی بھی پیش کیجاسکتی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشادات کی حفاظت کی غرض صرف یہی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بات ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکیلی ذات میں جو کمالات اکٹھے ہوکر پائے جاتے تھے آپ کی امت کا ہر شخص اتنا بڑا ظرف کہاں سے لاسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اَن گنت کمالات سے تھوڑا ہی تھوڑا لے سکے۔ اسلئے آپ کی امت کے بہت سے ٹکڑے اور گروہ بنادیے گئے کہ ہر گروہ اور جماعت اپنی مناسبت سے آپ کے کمالات کے حصے حاصل کرے۔ یہ اختلاف امتی رحمۃ کا محمل بن سکتا ہے اس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات محفوظ ہوگئے۔ قدرت نے اگر یہ انتظام نہ کیا ہوتا تو ابتک آپ کے کمالات کا عملی نمونہ فنا ہوگیا ہوتا۔ سارے عالم کے مذاہب پر ہم کو آج جو یہ فخر حاصل ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ایک نقطہ بھی مٹا، یہ سب اسی قدرتی انتظام کا نتیجہ ہے۔ اور یاد رکھو کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دھندلی ہوئی اسکے چلا دینے کیلئے کوئی دوسرا نبی ہرگز نہیں آئیگا اور یقین رکھو کہ جس دن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مٹی اس روز کوئی دوسرا نبی نہیں آئیگا بلکہ نبی کے بدلے قیامت آئیگی ہم نے

کہ ہم لوگ اپنے افعال و اقوال و عادات کو ٹھیک ان کے مطابق بنائیں جب تک ہمارے کام کاج اور ہماری تمام باتیں "اسوۂ حسنہ" کی کسوٹی پر صحیح نہ اتریں اسوقت تک "مسلمانِ کامل" کے نام کے ہم ہرگز مستحق نہیں ہو سکتے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے ذریعہ سے جتنی حدیثیں روایت کیگئی ہیں اس میں مفصلۂ ذیل حدیثیں تذکرہ میں آچکی ہیں۔ باقی حدیثیں اس فہرست کے بعد درج کرتا ہوں اور انشاء اللہ ان کے صحیح مطالب بیان کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ان احادیث کی فہرست جو تذکرہ میں مختلف جگہ آچکی ہیں۔

(۱) اپنا نام بدلنے کی حدیث (مستدرک)
(۲) اُمیہ بن خلف سے معاہدہ اور اس کے قتل کی حدیث (بخاری کتاب الوکالۃ ص۳۰۸)
(۳) عمامہ والی حدیث (ابو داؤد ابن عساکر وغیرہ)
(۴) مواخات و ہجرت کی حدیث (بخاری کتاب البیوع ص۲۷۵)
(۵) دربارِ رسالت کی ہمہ وقت کی حاضری کی حدیث (مسند ابویعلی)
(۶) سفر تبوک کی امامت کا واقعہ (نسائی وغیرہ)
(۷) جزیۂ مجوس کی حدیث (بخاری)
(۸) نوفلؓ ابن ایاس کی حدیث (شمائل ترمذی)
(۹) مصعب بن عمیرؓ کے وفات و شہادت کی حدیث (بخاری کتاب الجنائز ص۱۷۰)
(۱۰) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی حدیث۔
(۱۱) زمین کے چند قطعوں کے عطا کی حدیث

آپ کی روایت سے جو حدیثیں میں یہاں نقل کرونگا چونکہ وہ مختلف متفرق مضامین کی

ہیں۔ اس انتشار کے کم کرنے کی صورت یہ اختیار کی ہے کہ ان سب حدیثوں کو ایک مقدمہ اور تین حصہ اور ایک خاتمہ پر تقسیم کر دیا ہے۔

مقدمہ میں علم و علماء کی فضیلت کے بعد ایمان و توحید کے معنے کی تھوڑی تشریح ہو گی اور اس میں آپ کی چار حدیثیں ہیں پہلے حصہ میں وہ حدیثیں ہیں جن سے کوئی شرعی مسئلہ نکلتا ہے یعنی احکام کی حدیثیں اس میں آپ کی چھبیس [۲۶] حدیثیں ہیں۔

دوسرے حصہ میں اخلاق کی حدیثیں ہیں۔ اسمیں سات حدیثیں ہیں۔

تیسرے حصہ میں متفرق احادیث ہیں جو مختلف مضامین کے بارے میں ہیں۔ اس میں بارہ [۱۲] حدیثیں ہیں۔

خاتمہ متفرق واقعات کا آپ نے جو مختصر تذکرہ فرمایا ہے اور محدثین نے ان کو آپ کے مسند میں بیان کیا ہے۔ ان حدیثوں کو یہاں جگہ دیگئی ہے۔ وہ صرف سات ہیں۔

مقدمہ

(۱) عن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فضل العالم علی العابد سبعین درجۃ ما بین درجتین کما بین السماء و الارض (استیعاب ابو یعلی)	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ عالم کو عابد پر ستّر درجہ فضیلت ہے ہر درجہ کی پستی و بلندی میں وہی فرق ہے جو آسمان و زمین کی بلندی و پستی میں۔

عبادت سے صرف اپنی ذات کو نفع ہوتا ہے اور علم سے دوسروں کو بھی جو فائدہ

پہنچتا ہے اس سے قطع نظر کیجیے پھر بھی ہستی و وجود کے بعد ان کمالات میں جو انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں پہلا درجہ صرف علم کا ہے۔

علم کی وجہ سے عالم کو وہ بات حاصل ہو سکتی ہے جو عابد کو ہزار سال عبادت کے بعد بھی دشوار ہے۔ عالم عبادت میں کمی کرتا ہے یا جیسا کہ چاہیے عبادت میں مشغول نہیں ہوتا تو یہ ایک کوتاہی ہے اور وہ غلطی کرتا ہے۔

ہاں! عابد کو جو بات جاننی چاہیے اس سے غافل رہا تو ڈر ہے کہ ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جائے۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس مضمون کو دوسری حدیث میں اس طرح ادا فرماتے ہیں۔ کہ

(۱۴) عنہ رضی اللہ عنہ یسیر الفقہ خیر من کثیر العبادۃ وخیر اعمالکم ایسرھا (مجمع الزوائد ہیثمی باب فضل العلم)	تھوڑی سی سمجھ[1] یا تھوڑا سا مسائل کا علم بہت سی عبادت سے بہتر ہے اور تمہارے بہترین اعمال وہ ہیں جو آسان و سہل ہیں یعنی جن پر مواظبت ہو سکے۔

حدیث کے آخری ٹکڑے کو ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرے الفاظ میں روایت کیا ہے۔ تبرکاً وہ بھی نقل کئے جاتے ہیں۔ بخاری[2] شریف میں حضرت عائشہ سے ہے۔

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ دین و دنیا میں مرتبوں کی پستی و بلندی کا سبب کیا چیز ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ عقل کی کمی و زیادتی ۱۲ رشحہ باب القصد والمداومۃ علی العمل کتاب الرقاق ص۹۵۷) ۱۲ م

وان احب الاعمال ادومها الی اللہ وان قلّ۔

محبوب ترین[1] اعمال وہ ہیں جن پر مواظبت و پابندی ہو اگرچہ کم ہوں۔

بخاری شریف میں اسی جگہ ہے کہ حضرت عائشہ رضہ یہ بھی فرماتی تھیں۔

قالت کان احب العمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی یداوم علیہ صاحبہ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی عمل کو محبوب رکھتے تھے کہ جس پر عمل کرنیوالا مواظبت برتے۔

---

[1] زیادہ خیال تو یہی ہونا چاہئے کہ جس چیز کو خدا زیادہ محبوب رکھیگا اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور وہی زیادہ نافع ثابت ہونے چاہئیں چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربی نے محبوب ترین اعمال کی تفسیر افضل اعمال سے کی ہے گو یہ ممکن ہے کہ محبوب جو زیادہ ہو وہ اتنا فائدہ رساں اور نفع بخش نہو اور جو زیادہ فائدہ کی چیز ہے ایسا ہوتا ہے کہ ہم کو وہ محبوب نہیں ہوتی قاضی صاحب کی تفسیر کے مطابق آسان اور تھوڑے کام افضل ٹھیرے اور حضرت ابن عباس رضہ کی روایت ہے کہ

افضل الاعمال احمزها

سخت اور مشقت کے کام افضل ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ ثواب بقدر مشقت ہوتا ہے۔

اب اس تفصیل کی ضرورت پیش آئیگی کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک وہ امر جو خدا کی طرف سے واجب اور ضروری کئے گئے ہیں ان میں ثواب ان اعمال میں زائد ہے جن میں مشقت زیادہ ہے اور اعمال کی دوسری وہ قسم جو ہماری مرضی اور خواہش پر چھوڑ دیگئی ہیں ان میں زیادہ ثواب ان ہی پر ہوگا جن پر مداومت ہو اور ظاہر ہے کہ مداومت ان ہی پر سہولت سے ہوسکتی ہے جو آسان و تھوڑے ہوں۔ ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ کیا تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں جو تمہارے اور کاموں سے بہتر و پاکیزہ ہو۔ سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہو اور اس کا درجہ اس سے بھی بلند ہو کہ دشمن سے تم ملو اور تم ان کی گردنیں کاٹو اور وہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں ۔

اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب بندہ کا وہ نیک عمل ہے	وکان احب الاعمال الیہ العمل الصالح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ بخاری ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضور ضرور ارشاد فرماویں آپ نے فرمایا کہ اللہ کی یاد یعنی اللہ کی یاد ان سب باتوں سے افضل ہے ۔ حصن حصین کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت میں ثواب کا ملنا اسکی مشقت کے اندازہ پر نہیں ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کبھی تھوڑی نیکی پر وہ ثواب دیتا ہے جو بہت پر نہیں دیتا ۔ ثواب کی کمی زیادتی بعض وقت مشقت کے اندازہ پر ہوتی ہے اور بعض وقت نیکی کے مراتب پر موقوف ہوتی ہے ۔ یعنی جیسی عمدہ اور عالی مرتبہ نیکی ہوگی ۔ ویسا ہی ثواب زیادہ ملیگا ۔ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا ۔ اور مسند کی سب سے پہلی اور دوسری حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے عبادت میں کتنی ہی محنت کیوں نہ کیجائے لیکن وہ علم سے بہت کم درجہ رہیگی ۔ چنانچہ علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ فرمادیا ہے ۔

کہ ثواب مشقت کے اندازہ پر نہیں ہے ۔ کیا نہیں معلوم کہ کلمہ شہادت پڑھنے میں جو ثواب ہے وہ بہت سی دشوار اور محنت کی عبادتوں میں نہیں ہے جیسے نماز و روزہ وغیرہ ۔	اذ لیس الثواب علی قدر المشقۃ وعوضاً مساویاً لھا الا تری ان فی التلفظ بکلمۃ الشہادۃ من الثواب مالیس فی کثیر من العبادات الشاقۃ کالصلوٰۃ والصوم الخ ۔

اسکے بعد اسکی چند مثالیں دیکر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث افضل العبادات احمزھا کے بہترین محمل کو ان الفاظ میں سید شریف رحمۃ اللہ نے متعین فرمایا ہے

شاق عبادت بہتر اسوقت ہے جب اس سے کم شاق عبادت مصلحت میں اسکے برابر ہو جب بکی اور آسان عبادت مصلحت فائدہ کے لحاظ سے بڑھکر ہو تو اسکا شاق عبادت سے بہتر ہونا اسکے منافی نہیں ہے ۱۲ منہ ۔	ذلک عند التساوی فی المصالح فلا ینافی ان یکون الاخف الاسھل اکثر ثواباً اذا کان اکثر مصلحۃ و اعظم فائدۃ (ایضاً شرح مواقف تذییب مقصد سادس)

الذی یدوم علیہ العبد و ان کان یسیرًا (ابن ماجہ ص ۳۲۲)

جس پر بندہ پابندی و مداومت کرتے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو (یا آسان ہی کیوں نہ ہو)

توحید

(۱۴) من شھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وجبت لہ الجنۃ (نقلاً من الاخبار المتواترۃ للسیوطی۔)

جسنے (مدعی توحید کے مطالبہ پر) گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو جنت اس کے لئے (واجب) ہوگئی۔

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ رسول کے مبعوث ہونیکی اصلی غایت کیا ہوتی ہے یعنی کسی کو رسول بنا کر بھیجنے کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ نبی اور رسول کے اعلیٰ مقصد کی تشریح اس میں کیگئی ہے۔

نبوت کا جو سلسلہ قائم ہوا تھا اس کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ بجز اللہ جل جلالہ کی ایک ذات کے اور تمام برائیوں کو فنا کر دیا جائے۔ اور تمام نجات کے طالب صرف ایک ہی کے آگے جبین نیاز خم کریں۔

یہاں صرف توحید کے اعتقاد کو نجات کا مدار بتلایا ہے۔ اسکی غرض یہی ہے نبی کا اہم بالشان مقصد یہی ہوتا ہے کہ توحید کا حلقہ بگوش لوگوں کو بنائے نبوت کا اصلی مقصد تو توحید ہی ہے۔ اس خاص غرض کیوجہ سے کلام کا انداز مخصوص کیا گیا ہے تعجب ہے کہ یہ آپ کیلئے اس غلط فہمی کا منشا کیوں بنتا ہے کہ نبوت و رسالت کو شارع علیہ السلام نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ یا اسلام میں نجات کے لئے اعتقاد رسالت ضرور نہیں ہے۔

اس حدیث میں اور اس جیسی جتنی بھی حدیثیں ہیں ان سب میں نبی کے صرف

اعلیٰ مقصد کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ صرف اتنی بات پر نبی کی ساری تعلیم ختم ہوگئی اور آگے نبی کچھ تعلیم نہ دیگا۔

علاوہ اس کے یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ بغیر نبی کے ہم کو توحید نصیب بھی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ ؎

راستی شیوۂ ایست کہ بالائے طاعت است

میرے بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکو میں نے پڑھکر برکت حاصل کی ہے۔ خود جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اسکو بہت ہی مختصر کرکے پیش کرتا ہوں۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا۔

جتنے سمجھدار ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ جہاں تک ہمارے حواس و قوی عقل کو اعانت دیتے رہتے ہیں وہ پرواز میں مصروف رہتی ہے اور اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ اور جہاں پہنچکر حواس و قوی عاجز رہجاتے ہیں وہاں عقل بھی ہاتھ پیر ڈالدیتی ہے اور رہجاتی ہے اور کچھ کام نہیں کرتی۔ اگر غور سے آپ کان لگا کر سنیں تو آپ سنیں گے کہ عقل نہایت ہی کمزور اور بھیچی ہوئی آواز میں کہہ رہی ہے ؎

بگفتا فراز مجالم نماند   بماندم کہ نیرو ے بالم نماند

ہمارے قوی و حواس خدا کی ذات و صفات میں کچھ کام نہیں دے سکتے۔ اگر خود خدا کی ہدایت و توفیق ہماری رہنما اور مشعل راہ نہ بنے تو بجز گمراہی کے حواس کی تونوں کی تگا دو کا اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم   وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدہ ایم خواندہ ایم

حضرت انسان کے پاس باایں ہمہ دعوی ہمہ گیری دانش و بینش کا یہ سرمایہ تھا اور اسکی کم مائگی آپ نے معلوم کرلی تو اب خدا کی ذات یا اسکی کوئی صفت کے سمجھنے اور جاننے

کے لئے نبیؑ کے علاوہ اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو اس افراد کے بغیر چارہ نہ ہوگا کہ نبیؑ ہی ایک ذریعہ ہے کہ جسکے لطف و کرم کے طفیل ہم کو توحید کی سعادت میسر ہو سکتی ہے اور اس کا احسان ہے کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ

اس امر کو کہ عقل مستقل طور پر خدا کے وجود اور توحید کو نہیں سمجھ سکتی اور یہ سعادت صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ہمکو حاصل ہو سکتی ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مختلف مکتوبات میں بیان فرمایا ہے۔ چند اقتباس درج ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوق کے لئے رحمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کے ذریعہ اپنی ذات و صفات سے ہم کم عقلوں اور تھوڑی سمجھ رکھنے والوں کو اطلاع بخشی۔	انبیاء رحمتہا اند مر عالمیان را علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بتوسط بعثت این بزرگواران علیہم الصلوٰۃ والتحیات از ذات خود و صفات خود ما ناقص عقلان و قاصر ادراکان را خبر دادہ است۔

آگے چلکر فرماتے ہیں۔

حاصل کلام عقل اس بڑی دولت کے ثابت کرنے میں عاجز ہے اور ان بزرگوں کے ہدایت کے بغیر اس دولت عظمیٰ کا راستہ نہیں پا سکتی۔	بالجملہ عقل در اثبات این دولت عظمیٰ قاصر است و بدون ہدایت این بزرگواران باین دولت سراغ غیر مہتدد (ج ۳ مکتوب ۲۳)

جلد اوّل مکتوب ۲۵۹ میں فرماتے ہیں۔

کہ اگر ان باعزت لوگوں کا وجود مبارک نہ ہوتا تو ہم کم سمجھوں کو خدا کے وجود اور اسکی توحید کی ہدایت کون کرتا۔	اگر وجود شریف این بزرگواران نمی بود ما قاصر فہمان را بوجود صانع تعالیٰ و وحدت او جل سلطانہ کہ دلالت می نمود۔

آگے چلکر فرماتے ہیں۔

اس فقیر کو یہ شاق و گراں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہی جائے کہ خدائے تعالیٰ اپنی کامل مہربانی اور رحمت کے باوجود بندہ کو صرف عقل کی بناء پر حالانکہ عقل میں خطا اور غلطی کے بہت سے موقع ہیں بغیر انبیا علیہم السلام کے ذریعہ اتمام حجت کئے ہوئے آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رکھے۔

بریں فقیر بسیار گران می آید کہ حکم کنند باآنکہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ باکمال و رافت و رحمت خود بندہ را بمجرد عقل کہ مجال خطا و غلط دروی بسیار است بے آنکہ ابلاغ مبین توسط انبیا علیہم الصلوۃ والتحیات فرمایند در آتش مخلد دارد۔

فیصلہ کے الفاظ اس طور پر ارشاد ہوئے ہیں۔

پس ہماری عقلیں نبوت کی روشنیوں سے مدد لئے بغیر ہدایت سے ایک کنارہ اور بے بہرہ ہیں

پس عقول ما بے تائید انوار نبوت ازین کار معزول است۔

رہا یہ سوال کہ نبیؐ کی نبوت کا علم ہمکو کیونکر ہوا سچ ہیں حیران کہ اس کا کیا جواب دوں ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ نبی تو تمھاری زبان سے خود کہلوا دیگا کہ وہ نبی ہے۔ ؎

در دل ہرکس کہ دانش را مزہ است روی و آواز پیمبر معجزہ است

قرآن میں بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی کو پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

کہ میں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کیلئے کھڑے ہوجاؤ دو دو یا تنہا تنہا پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں غور کرو کہ آپ کو کوئی جنون تو نہیں ہے۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ (سورۂ سبا پ ۲۲ رکوع اخیر)

آپ نے چالیس برس کی اتنی طویل مدت تمام لوگوں کے ساتھ گذاری اتنی بڑی مدت تک صادق و امین کے اندازہ کرنے اور پرکھنے کا موقعہ ہے۔

آپ کی تو بڑی ذات ہے آپ کا پرتو بھی جس پر پڑا ہے وہ بھی جھوٹ نہیں بولتا اور افترا نہیں باندھتا تو آپ کی صدائے توحید و غلغلہ تکبیر میں صدق کے سوا اور کس چیز کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔

ایمان نجات کا پیغام ہے

(۱۵) عنہ ان المسلم فی ذمۃ اللہ منذ ولدتہ امہ الی ان تقوم بین یدی ربہ تبارک و تعالیٰ بشھادۃ ان لا الہ الا اللہ کتب لہ براءۃ من اللہ (مجمع الزوائد کتاب الایمان)

حضرت عبدالرحمنؓ حدیث روایت فرماتے ہیں کہ مسلمان خدا کی پناہ میں اپنی پیدائش ہی کے وقت سے اسوقت تک رہتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو اب اگر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وقت لا الہ الا اللہ کی پوری شہادت دیدی تو خدا کی طرف سے اس کو برأت نامہ لکھکر دیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں موحد کی نجات کے مسئلہ کو ایسے عنوان سے بیان کیا گیا ہے کہ جس سے ایک مسلمان کی ذمہ داری دوسرے مسلمان پر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو خدا کی پناہ میں آجائے اسکے متعلق شارع علیہ السلام کا فرمان ہے۔

فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ (ترمذی باب فضل العشاء فی الجماعۃ)

خدا کے عہد اور ذمہ داری کو قطع نہ کرو۔

جو شخص خدا کی ذمہ داری سے بے پرواہی برتتا ہے تو وہ خدا کی رحمت سے محروم ہے[1]

[1] بخاری شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ میں ہے فمن اخفر مسلما فعلیہ

رہتا ہے۔ اس حدیث نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا صرف غمخوار اور محافظ نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسکا صاف منشا یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان کو اپنے دوسرے دینی بھائی کا مخلص خادم بننا چاہیئے۔ ہر مسلمان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی جان و مال و عزت و حرمت کی حفاظت و نگہداشت اس کا مذہبی اور دینی فریضہ ہے اور یہ اسلئے جب خدا کے ماننے والی ہستی کو یہ یقین ہوگا کہ ہمارے بھائی کی جان و مال و عزت و حرمت کو خدا نے اپنی پناہ اور نگرانی میں لیلیا ہے تو وہ ہرگز دست اندازی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اور نہ اسکی غیرت و حمیت اسکو گوارا کرسکتی ہے کہ کوئی دوسرا دست اندازی کرے۔

اس حدیث کے ٹکڑے فی ذمۃ اللہ کے مختصر لفظ کا منشا صرف ان ہی دو امور سے پورا نہیں ہوجاتا بلکہ اس کے وسیع معنے میں یہ بھی ہے کہ ہم دوسروں کی دست اندازی کو بھی نہیں دیکھ سکتے اور خدا کے خلیفہ اور سچے نائب کی حیثیت سے جس طرح بھی ہوسکیگا اسکو روکینگے اگر اسکے روکنے اور دفع کرنے میں ہم نے ہر قسم کی کوشش نہیں کی تو یہ کہا جائیگا اور صحیح کہا جائیگا کہ ہم نے خدا کی ذمہ داری کی کوئی وقعت و قیمت نہیں سمجھی۔

غور کا مقام ہے کہ اگر ہمارے مالک و آقا یا کسی اور بڑے شخص کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جاتی ہے اور وہ شخص اس چیز کو اپنی حفاظت و نگرانی میں لے لیتا ہے اگر کوئی اسکو چھڑانا یا زبردستی لینا چاہتا ہے تو ہم کبھی بھی صریح حکم تو درکنار اس کا انتظار نہیں کرتے کہ ہم کو روکنے اور دور کرنیکا حکم کم سے کم باشارۂ ابرو سے دے۔ اور اسکے بغیر ہی جتنی بھی ہم میں طاقت ہوتی ہے اور جس تدبیر سے بھی ممکن ہوتا ہے اسکو روکتے ہیں۔ اور اگر ایسا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لعنۃ اللہ و الملئکۃ والناس اجمعین (ج ۱ ص ۲۵۱)

دیکھنے میں بہت آیا ہے کہ اپنی طاقت سے زیادہ کام کر بیٹھتے ہیں اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے ذرہ نہیں بچتے۔

ان کو ہمارے نفس پر تھوڑا قابو حاصل تھا ان کے ساتھ ہمارا یہ برتاؤ ہے کہ انکی پناہ میں جو چیز ہو اس کو اگر کوئی لینا چاہتا ہے تو اسکے حکم کے وقت تک اسکی ذلت و کمزوری کو نہیں دیکھ سکتے۔ اخلاق سے گزر جاتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے اسکو بھی خطرہ میں ڈالدیتے ہیں۔

اس حدیث کے پڑھنے اور معلوم ہونے کے بعد ہر شخص پر ضروری ہے کہ اپنی حالت پر غور کرے اور سوچے کہ اسکی ذات سے مسلمانوں کے آپس میں کسی قسم کا پھوٹ تو نہیں پیدا ہوتا کسی قسم کا فساد و جھگڑا ہم سے یا ہماری وجہ سے تو نہیں ہوتا۔ کسی طریقہ سے بھی کسی مسلمان کی عزت یا اسکے جان و مال اور اسکے ایمان پر بیجا دست اندازی تو نہیں ہوتی اسیطرح کوئی دوسرا دست اندازی کر رہا ہے اسکی مدد و اعانت اگر ہم کرتے ہیں تو اسکے گناہ میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ اگر ہم میں یہ عیب و نقصان ہے تو اسکے دور کرنیکی کوشش سخت کرنی چاہیئے۔ ورنہ اتباع کا دعویٰ زبانی ہی زبانی رہیگا۔ اور ڈر ہے کہ کوئی يَقُولُونَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ کے مصداق میں ہم ہی کو نہ پیش کر دے

پہلا حصہ احکام کی حدوں کے بیان میں

(۱۶) عنه انطلق رسول الله صلی الله آپ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عليه وسلم في طلب رجل من الانصار فدعاه فخرج الانصاري من بيته الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ورأسه يقطر ماءً فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مالرأسك قال دعوتني وانا مع اهلي فخفت ان احتبس عليك فعجلت فقمت فصببت عليّ الماء ثم خرجت فقال هل كنت انزلت قال لا قال اذا فعلت ذلك فلا تغتسلنّ اغسل مامسّ المرأة منك وتوضأ وضوءك للصلوٰة فان الماء من الماء

(مجمع الزوائد)

ایک انصاری کی تلاش میں تشریف لیگئے اُن کو طلب فرمایا تو وہ انصاری ایسی حالت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اُس پر حضورؐ نے دریافت کیا کہ تمہارا سر کس حالت میں ہے انھوں نے جواب دیا کہ حضرت نے طلب فرمایا اور میں اسوقت اپنی بیوی کے پاس تھا مجھکو اندیشہ ہوا کہ فارغ ہونے تک حضور کی خدمت میں پہنچنے میں دیر ہوجائیگی تو میں جلدی کھڑا ہوگیا اور اپنے اوپر پانی ڈالا پھر نکلکر حاضر ہوا آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کو انزال ہوا تھا انھوں نے کہا کہ نہیں! ارشاد فرمایا کہ جب کبھی ایسا اتفاق ہو تو غسل نہ کرو صرف اپنے بدن کے اس حصہ کو دھولو جس کا عورت سے مساس ہوا ہے اور نماز کیلئے جیسا وضو تم کرتے ہو ویسا وضو کر لو نہانیکی ضرورت اُسوقت ہوتی ہے جبکہ منی نکلے۔

یہ حدیث بھی ہم کو چند باتیں سکھلاتی ہے۔

وہ حضرات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و جانشینی کے مدعی ہیں ان کو یہ سبق اس سے سیکھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بے تکلفی و سادگی سے اپنے امتیوں کے پاس تشریف فرما ہوا کرتے تھے ان حضرات کو آپ کی امت کے ساتھ کم سے کم اس سادگی اور بے تکلفی کا برتاو کرنا چاہیئے۔

کتنے رنج وغم کی بات ہے کہ ہمارے دل اپنے آقا کی اُمّت کی طرف سے بھی بہت تنگ ہو گئے ہیں اور افسوس ہے کہ ہمارے سینوں میں وسعت نہیں رہی امتِ محمدؐ تو درکنار اپنے عام ارادتمندوں اور حلقہ بگوشوں سے بھی اس بے تکلفی وسادگی سے پیش نہیں آتے۔

ہمارے خاص لوگ بھی ہم سے اس سادگی وبے تکلفی کے امیدوار نہیں ہوتے حالانکہ اس بے تکلفی کا نفع خود اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو ایک بات کا اتفاقی طور پر علم ہوتا ہے اور فوراً اس کے متعلق شریعت کا مسئلہ بتلا دیتے ہیں اور غالب گمان یہی ہے کہ بغیر اس اتفاقی امر کے یہ صحابی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ نہ پوچھتے۔

سچ یہ ہے کہ اگر ہم اس قسم کی بے تکلفی کا برتاؤ شروع کر دیں تو بہت جلد ہمارے معتقدین ہمارے عیوب سے مطلع ہو کر ہمارے حلقۂ اثر سے نکل جائیں گے اور ہم اسلئے اسکو گوارا نہیں کرتے کہ ان سے جو منافع ہم کو حاصل ہیں ان میں کمی ہو جائیگی اللّٰھم وفقنا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاجت وضرورت کے وقت بلا دریافت خود مسئلہ بتلانا بھی سنت ہے۔ ہاں! اُن مقامات پر مسئلہ بتلانے میں احتیاط چاہیئے جہاں شریعت نے اجازت نہ دی ہو۔

یہاں اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ اب غسل ضروری ہونے کے لئے منی نکلنے کی شرط نہیں ہے۔ یہ پہلے تھی۔ اب صرف صحبت ہی سے خواہ منی نہ بھی نکلے غسل واجب ہو جاتا ہے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انما کانت رخصة فی اول الاسلام ثم امرنا بالغسل بعد (ابن ماجہ ص۴۵)	کہ یہ آسانی اسلام کے شروع زمانہ میں تھی اسکے بعد ہم کو صرف صحبت ہی سے غسل کا حکم دیا گیا۔

چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ اور تمام علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ بغیر انزال صرف مجامعت ہی سے غسل واجب ہو جاتا ہے (نووی شرح مسلم)

(۱۷) عنہ قال قلت یا رسول اللہ ان اھلی تغار علی اذا انا وطیت جواری قال و بمہ یعلمن ذلک قلت من قبل الغسل قال اذا کان ذلک منک فاغسل راسک عند اھلک فاذا احضرت الصلوٰۃ فاغتسل سائر بدنک (تخریج علامہ زیلعی کتاب الطہارۃ ص۲۱)

آپ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں جب اپنی لونڈیوں سے ہم صحبت ہوتا ہوں تو میری بیویاں غیرت کھاتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس کا علم کیونکر ہو جاتا ہے۔ آپ نے کہا غسل کی وجہ سے آپ نے فرمایا جب کبھی ایسا اتفاق ہو تو صرف اپنا سر گھر میں دھو لو اور جب نماز کا وقت آ جائے تو سارا بدن دھو ڈالو (نصب الرایہ فصل فی الغسل)

اس سے آپ کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ اپنے خانگی حالات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک خدمت میں بے تکلفی سے عرض کر دیتے تھے اور آپ بھی بعینہ ایسا مشورہ دیتے تھے جیسے ایک دوست اپنے بے تکلف دوست کو دیتا ہے۔ آپ ملاحظہ کریں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خانگی کبیدگی کے دور کرنے کی کتنی مفید تدبیر بتلاتے ہیں۔ اس سے شارع علیہ السلام کے ان جذبات و خیالات کا بھی پتہ چلتا ہے جو زن و شوہر کے عمدہ تعلقات رکھنے کے متعلق خود شارع ؑ کے تھے۔

حیاء و شرم کی باتوں کا حتی الامکان دوسروں کو علم نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن جب ادائے فرض میں دشواری ہو تو اب شرم کرنی گناہ ہے۔ ہمارے محدثین نے اس حدیث کو اسلیئے ذکر کیا کہ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غسل میں تمام بدن پر اکٹھا ایک دفعہ پانی بہانا

ضروری نہیں ہے بلکہ اجازت ہے کہ بدن کا کچھ حصہ ایک وقت دھو لیا جائے اور دوسرے وقت باقی اعضاء پر پانی ڈال لیا جائے سب کو ایک ہی مرتبہ دھونا ضروری نہیں ہے۔

مشائخان طریقت اپنے اپنے ارادتمندوں کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ ہر قسم کا حال اپنے مرشد سے عرض کر کے اسکی ہدایت کے منتظر رہا کریں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی یہ تعلیم بے اصل نہیں ہے اور جو لوگ اپنے مرشد سے جزئی جزئی باتیں کہدیتے ہیں وہ خلاف سنت نہیں کرتے۔

(۸۱) عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله وملئكته يصلون على الصف الاول (ابن ماجه فضل الصف المقدم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت نازل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جماعت کی نماز اور سب سے پہلے مسجد جانیکی ترغیب اس انداز سے دی ہے کہ رحمت کے طالب بہت ذوق و شوق سے جماعت کی اول صف حاصل کریں گے۔

بغیر جماعت کے نماز پڑھنے والے یا اسکی پرواہ نہ کرنے والے کو پہلی صف میں جگہ ملے ذرا خیال کریں کہ وہ کس چیز سے محروم ہو رہے ہیں۔ خدا کی رحمت سے محروم رہنا تو صرف کفار ہی سے مخصوص ہونا چاہیئے۔ ایک دوسری حدیث آپ ہی کی اور ملاحظہ کیجئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز و جماعت کی تاکید ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ بنفس نفیس نمازیوں کی حاضری کی نگرانی رکھتے تھے اور اسکا خیال فرماتے تھے کہ جماعت میں اپنے لوگوں سے کوئی غیر حاضر تو نہیں ہے۔

(۱۹) عنہ قال افتقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً من اصحابہ فقال این کنت! فانی لم اراک الم تشہد الصلوٰۃ قال بلی ولکنی جئت وقد ثبت الناس فکرھت ان اتخطی رقاب الناس قال بلی (مجمع الزوائد باب کراہیۃ التخطی)

آپ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں سے ایک شخص کو غیر حاضر پایا اس سے ملاقات کے وقت پوچھا کہ تم کہاں تھے؟ میں نے تم کو نہیں دیکھا۔ کیا ہماری (جماعت کی) نماز میں نہیں آئے تھے انہوں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوا تھا لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے میں نے یہ برا سمجھا کہ لوگوں کی گردنیں پھاندوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر قبول فرمایا

پہلی حدیث میں صفِ اوّل کی ترغیب تھی اس حدیث سے یہ تعلیم و تنبیہ ہوئی کہ کسی کو ایذا دیکر اور کسی کا دل دکھا کر پہلی صف میں جگہ لینا ایسی بات ہے جسکو صحابہ رضوان اللہ علیہم ناپسند فرماتے تھے۔ اس حدیث سے تاکید جماعت کے علاوہ دینی امور میں تفتیش کی اجازت اور اس کا مسنون ہونا معلوم ہوا اور اس سے مجلس کا ادب بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو چیر کر یا ان کے کندھے پھاند کر یا کسی اور طریقہ سے ایذا و تکلیف دیکر اونچی یا اچھی جگہ نہ لینی چاہئے۔ یہ بات تہذیب کے خلاف ہے۔

یہ حدیث ہم کو یہ بھی تعلیم دیتی ہے کہ عذر کرنیوالے پر زیادہ ملامت کرنی نہ چاہئے یہ مکارم اخلاق کے خلاف ہے اور نہ زیادہ حجت ہی کرنا مسنون ہے۔ عذر کرنیوالے کے عذر کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور یہی عالی حوصلگی اور وسعت قلبی کے شایان ہے۔ ہلال بن العلاء کہتا ہے۔

اقبل معاذیر من یاتیک معتذرا | ان بر عندک فیما قال او فجرا
اس شخص کے عذر کو قبول کر لو جو عذر کرے | خواہ اپنے عذر میں وہ جھوٹا ہو یا سچا

فقد اطاعك من ارضاك ظاهره وقد اجلك من يعصيك مستترا

جسے تجھکو اپنے ظاہر حال سے خوش کرنا چاہا وہ تیرا مطیع ہے اور جو تجھ سے چھپ کر گناہ کرتا ہے وہ تیری تعظیم کرتا ہے

٢٠ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلت المرأة خمسها وصامت شهرها وحفظت فرجها واطاعت بعلها قيل لها ادخلى من اي ابواب الجنة شئت (مسند حنبل)

آپ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھ لے اور اپنے رمضان کے روزہ رکھ لے اور اپنے شوہر کے خاص حقوق کی نگہداشت کرلے اور شوہر کے احکام کی تعمیل (اپنی رغبت وخوشی سے) کرے تو اس سے کہا جائیگا کہ جنت کے جس دروازے سے تم جنت میں جانا چاہتی ہو اسی سے چلی جاؤ ۔

یہ چار چیزیں ہیں جس پر اگر عورت عمل کرے تو اسکو اس امت کے صدیق اکبرؓ کو جسکی بشارت دیگئی ہے تھوڑے فرق کے ساتھ اسکی وہ مستحق ہوجاتی ہے ۔ اسکے بعد بھی عورتیں اگر اتنی بڑی نعمت سے محروم رہیں تو اس سے زیادہ اور کیا بدبختی اور کم نصیبی ہوسکتی ہے ۔

نماز روزہ کی پابندی اور شوہر کے خاص حقوق کی حفاظت کے بعد جو بہت عورتیں کرتی ہیں صرف ایک بات باقی رہجاتی ہے اور وہ بھی کچھ سخت ومشکل نہیں اس پر لطف یہ کہ آخرت میں ہم کو اتنا بڑا حق تو حاصل ہونا ہی ہے اسکے ساتھ دنیاوی زندگی بھی جتنے لطف وعیش سے کٹتی ہے کہ بیان میں نہیں آسکتی ۔

فقر وفاقہ کی حالت میں بھی ان کی مصیبت بھری گھڑیاں اتنی ہی جلد اور ویسے ہی لطف ومزہ سے گزرجاتی ہیں جس طرح عیش ومسرت کے دن ۔

یہ نتیجہ اور ثمرہ ہے دین سے بے پروائی کا اور مذہب سے ناواقف ہونے کا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی لڑکی کو لیکر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میری یہ بیٹی نکاح سے انکار کرتی ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے باپ کا کہا مان تو اس نے عرض کی کہ خدا کی قسم اس وقت تک ہرگز نکاح نہ کرونگی جبتک آپ بتلا نہ دیجئے کہ بیوی پر شوہر کا کیا حق ہے آپ نے فرمایا کہ بیوی پر یہ حق ہے کہ اگر شوہر کو زخم ہے اور بیوی نے اس کو چاٹ لیا یا اسکے نتھنوں سے پیپ یا خون بہ رہا ہو اور بیوی اس کو نگل لے تو بھی حق ادا نہو۔

ابنتی ھذا ابت ان تتزوج فقال لھا اطیعی اباك قالت والذی بعثك بالحق لا اتزوج حتی تخبرنی ماحق الزوج علی زوجتہ قال حق الزوج علی زوجتہ لوکانت بہ قرحۃ فلحستھا اوسال منخراہ صدیدًا اودمًا ثم ابتلعتہ ما ادت حقہ (مسند بزار نقلا عن جمع الفوائد ص ۲۲۰)

وہ حدیث تو بہت مشہور ہے جسمیں ارشاد ہوا ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کا بیویوں پر اتنا ہی حق رکھا ہے (کہ جتنی وہ شوہروں کی عزت کریں کم ہے۔)

لما جعل اللہ لھم علیھن من الحق (ابوداؤد)

شوہر فضول اور بیکار کام کا بھی حکم دے تو بیوی کو ضرور کرنا چاہئے اگرچہ کتنی ہی محنت کا کام کیوں نہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر شوہر بیوی کو حکم دے کہ پتھر کے ٹکڑے زرد پہاڑ سے لیکر کالے پہاڑ پر اور کالے پہاڑ سے سفید پہاڑ پر لیجائے تو اس کو کرنا چاہئے۔

ولو امرھا ان تنقل من جبل اصفر الی جبل اسود ومن جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لھا ان تفعلہ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ کونسی بیوی اچھی کہلائیگی آپ نے ارشاد فرمایا کہ

وہ بیوی کہ جب شوہر اسکو دیکھے تو یہ خوش کردے اور جب کوئی حکم اسکو دے تو اسکی اطاعت کرے اور شوہر کی مخالفت نہ کرے نہ اپنے جان کے بارے میں اور نہ اپنے مال کے بارے میں ایسی بات سے جو شوہر کو ناگوار ہو ۔	التی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسہا ولا مالہا بما یکرہ (نسائی)

ایک دوسری حدیث نے اس حدیث کی اخیر بات کو اور صاف کر دیا ارشاد ہے کہ

عورت کو اپنے مال میں کوئی کام جائز نہیں ہے جب اسکا شوہر اسکی عصمت کا مالک ہے ۔	لا یجوز لامرأۃ امر فی مالہا اذا ملک زوجہا عصمتہا (جمع الفوائد کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۱۵۱ ج ۱)

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جتنا دور ہوتے جاتے ہیں اتنا ہی ہمارے دلوں میں بھلائیوں کی جگہ برائیاں لیتی جاتی ہیں ۔ ہمارے دلوں سے نیک باتوں کی رغبت مٹتی جاتی ہے بری اور نقصان دہ باتوں کی خواہش بڑھتی جاتی ہے ۔ آج سے پچیس برس پہلے جدید تعلیم کے سبب سے یا امور دینیہ کی جہالت کیوجہ سے روزہ نماز سے جتنی بے پروائی مردوں نے برتنی شروع کی تھی اور جس تعداد میں مرد بے نماز اور بے روزہ دار ہوتے تھے عورتوں میں یہ تعداد بہت کم تھی اور عورتوں کی حالت نماز روزہ کے بارے میں مردوں سے اچھی تھی اب جو رہ گئے ہیں ان کی صحبت کا اثر کہئے یا اچھے لوگ جو تھے وہ ختم ہو گئے اب ان کی صحبت نہیں ملتی اس وجہ سے غرض جو بھی وجہ ہو اب حالت بالکل برعکس ہے دلی قلق اور صدمہ کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ مردوں کے کچھ دنوں بعد ہی عورتوں نے

روزہ نماز کو خیرباد کہنا شروع کردیا۔

یہ انکی کمزوری کی علامت ہے کہ اب انکا بے نمازی پن اور بے روزہ داری مردوں سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کچھ تو یہ کہ وہ خراب لوگ جو نماز چھوڑ بیٹھے تھے وہ اس کی برائیوں سے مطلع ہوکر توبہ کرچکے ہیں اور نیک بنگئے ہیں اور اب پھر نماز روزہ میں مستعدی کرتے ہیں لیکن عورتوں کی حالت روز بروز زیادہ بری ہورہی ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ اب عورتوں کے نمازی اور روزہ دار ہونے میں اس سے زیادہ دیر لگے گی کہ جتنے دیر میں کہ وہ بے نمازی اور بے روزہ دار ہوئی ہیں بلکہ ان کی اصلاح کیلئے بہت زیادہ محنت وکوشش کی ضرورت ہے جبتک کہ تمام وہ لوگ جو عورتوں سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں اپنے مراتب کے موافق نماز و روزہ کی تاکید اور نگرانی نہ رکھیں صرف اکیلے باپ کا کہنا یا صرف تنہا شوہر کا کہنا فطرتی بات بنانے والیوں پر کچھ مفید اثر نہ کریگا اور نہ کرسکتا ہے۔

اس حدیث سے یہ تعلیم لینی ہے اور یہ سیکھنا ہے کہ جب کسی کے متعلق ہمارا کام ہو اور وہ اس کے ضروری باتوں کو پورا کردے تو اور باتوں سے خواہ وہ اس کے آداب ہوں یا اور امور سب سے درگذر کرنا چاہئے۔

ہم کو حکم دیا گیا ہے تخلقوا باخلاق اللہ خدا کے اخلاق سے متصف بننے کی کوشش کرو اور حدیث بالا نے ہم کو بتلایا کہ عورت جب ان چار اہم ترین فرائض کو انجام دیگی او سوتنت اور باتوں سے سبکدوش کردیجائیگی۔ اسکی اور برائیوں سے آنکھ چرائی جائیگی وہ سب باتیں معاف کردیجائینگی ویسا ہی ہم کو اپنے زیر اثر لوگوں سے یہی برتاؤ کرنا چاہئے خواہ وہ ہمارے ملازم ہوں یا ہماری اولاد یا ہماری بیوی یا ہمارے بھائی یا کوئی اور عزیز دوست ہاں! جبتک بڑے بڑے فرضیوں کو پورا کرکے سبکدوشی نہ حاصل کیجائے تو پھر

ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر گرفت کیجا سکتی ہے۔

نضرؒ بن شیبان نے ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادہ ابو سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؓ سے فرمایش کی کہ آپ کوئی ایسی روایت بیان فرماویں جو خود اپنے والد سے بلا واسطہ اور آپ کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکو اپنے کانوں سنا ہو۔ اس فرمایش پر آپ کے صاحبزادے نے تراویح کی حدیث سنائی وہ یہ ہے۔

(۲۱) عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامہ فمن صامہ وقامہ ایمانا واحتسابا خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ (نسائی کتاب الصوم صفحہ ۳۰۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزہ فرض کئے اور میں نے رمضان کا قیام (تراویح) مسنون کیا اب جو ایمان کیوجہ سے اور ثواب کی نیت سے روزہ رکھے اور (نماز کا) کا قیام بھی کرے تو گناہوں سے ایسا نکلجاتا ہے جیسا کہ اپنی پیدائش کے دن گناہوں سے بری تھا)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مخلص بندے کے روزے اور تراویح کا ثمرہ تمام گناہوں کی مغفرت بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گناہوں سے ویسا پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ پیدایش کے دن پاک وصاف تھا۔

خدا تعالیٰ نے رمضان شریف کے دنوں کو عبادت اور فرماں برداری سے بھرپور کردیا تھا۔ دن بھر نفس مشقت اٹھانے کے بعد شب کے گناہوں پر جری نہیں ہوسکتا تھا مگر پھر بھی جاگنے کا جو معمولی وقت ہے اسمیں غفلت کا اندیشہ تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے حصہ کو تراویح کی بیس رکعتوں سے معمور فرمادیا۔ ایک تو یہ کہ اس معمولی وقت میں خدا کی یاد سے غفلت نہوگی دوسری وجہ یہ ہے کہ رمضان شریف اپنی عزت وحرمت کے

وجہ سے ایک نئی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کا بھی مستحق تھا کہ اسکے علاوہ معمولی ایام میں جو پابندی سے عبادت کیجاتی ہے اسمیں خود بھی کوئی اضافہ اور زیادتی کیجائے چنانچہ معمولی دنوں میں جتنی رکعت نماز ہم پر واجب تھیں اتنے ہی یعنی بیس[1] رکعت ہمارے ذمے اور کردی گئیں

جو باتیں اور کام ہمارے ذمہ ضروری ہوں اور ان کے نکرنے سے ہم کو سزا کا خوف ہو انکا پورا کرنا ہم کو کسی تعریف کا مستحق نہیں بناتا اسلئے ان بیس[2] رکعت کو بجائے واجب کے سنت کردیا گیا۔ دن کا روزہ اس بات کا امتحان ہے کہ ہم میں کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان اور رات کی تراویح اس کا امتحان ہے کہ ذوق وشوق کی لہریں کس کس بندے کے دل میں موجیں مار رہی ہیں ایک بات یہ بھی ہے کہ رمضان میں اس کا نمونہ اغیار کو دکھلاتے ہیں کہ ہم دن رات اپنے کو خدا کی عبادت میں مصروف ومشغول رکھ سکتے ہیں۔ روزہ بے نیاز ہونیکا نام ہے جو فی الحقیقت صرف خدا تعالیٰ ہی کی شان ہے حدیث قدسی ہے۔

الصّوم لی } روزہ (یعنی حقیقی بے نیازی) مجھ ہی سے مخصوص ہے۔

ہم کو تخلقوا باخلاق اللہ کے تحت اپنی خواہشات سے مستغنی اور رُکنے کا حکم دیا گیا ہے تو اب اصطلاحی روزہ اپنی شہوتوں سے رُکنے کا نام ہے۔

اور اس ضبط نفس کی مشق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا نفس ہمارے قابو میں ہوجائے اور جب نفس قابو میں ہوگیا تو ہم سے گناہ نہیں ہوسکتا۔

نفس جب ہمارے قبضہ میں آگیا تو کیوں آپ کو اسمیں شک ہے کہ ہم گناہ سے ویسے بری نہیں ہوگئے جیسے اپنی پیدائش کیوقت بری تھے۔

---

[1] فجر ظہر عصر مغرب عشا کی سترہ رکعت اور تین رکعت وتر کی بھی واجب ہیں تو کل واجب بیس[2] رکعت ہوئیں ۱۲ ار

روزہ دار ہونے کے بعد جب سارے عالم سے ہم بے نیاز ہوگئے تو آپ کو کیوں نہیں یقین آتا کہ ہم گناہوں اور اسکی لذتوں سے بھی بے نیاز ہو گئے

ہم سے اور گناہوں سے کوئی واسطہ نہ رہا اور ہم ویسے ہوگئے جیسے کہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلے تھے۔

چونکہ بے نیازی خدا کی مخصوص صفت تھی اسلئے اسکی جزا میں بھی خصوصیت کا اظہار کیا گیا اور اُجزِی بہٖ (میں اس کا بدلہ دونگا) نہیں فرمایا گیا بلکہ ارشاد ہوا

وانا اجزی بہ } اور میں خود اس کا بدلہ دونگا۔

خواہ وہ صرف لقاء دیدار الٰہی کی صورت میں ہو یا ہم لقاہم عطاء ہم خرما ہم ثواب۔

(۲۲) عَتَمَہ لایغلبنکم الاعراب علی اسم صلوٰتکم العشاء فان اللہ قال ومن بعد صلوٰۃ العشاء ثلاث عورات لکم والاعراب یسمیھا العتمۃ وان العتمۃ حلاب الابل (مسند ابویعلیٰ قلمی)

بدوی لوگ تمہاری عشاء کی نماز کے نام پر غالب نہ آجائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس نماز کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے وَمِنۡ بَعۡدِ صَلَاةِ الۡعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوۡرَاتٍ لَّكُمۡ اور عرب اسکو عتمہ کہتے ہیں اور عتمہ[۱] درحقیقت اونٹ کے دودھ دوہنے کا وقت ہے۔

---

[۱] عتمہ کے لغوی معنے سیاہی کے ہیں صاحب ثروت اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ شام کو چرانے کے بعد اونٹوں کو لاکر ان کے اصطبل میں آرام لینے کا موقع دیا کرتے تھے اس کے بعد دودھ دوہا کرتے تھے یعنی غروب آفتاب کے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد جب رات کی تاریکی خوب غالب ہوجاتی تھی اسی مناسبت سے دودھ دوہنے کا نام اعتام رکھا گیا۔ اس روایت کو علامہ جصاص رازی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں نقل کیا ہے اسکے الفاظ مطلب پر وضاحت سے دلالت کرتے ہیں اسلئے اسکو لکھتا ہوں کہ

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاکیدی حکم دیا کہ مذہب کیطرف سے جو نام مقرر کیا جائے اسکی پابندی ضروری ہے اس نام کے علاوہ اور نام سے یاد کرنا کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ دوسرا نام اسیوقت تجویز ہوتا ہے جبکہ پہلا نام محبوب نہو بلکہ کسی وجہ سے ناپسند ہو۔ اب غور کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جو نام رکھا اور قرآن میں رکھا اس کو تم محبوب نہ رکھو اور ناپسند کرو تو کہانتک صحیح و درست ہوگا اور ہم کو سوچنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ شریعت اپنا تجویز کردہ نام بدلنے سے سختی سے روکتی ہے۔ اور ہم کو منع کرتی ہے کہ دوسروں سے مغلوب ہوکر اپنی وضع کو چھوڑ بیٹھیں۔

(۲۳) عنہ قال کان رسول اللہ علیہ وسلم تخرج لہ العنزۃ فی العیدین حتی یصلی الیھا کان یکبر ثلث عشرۃ تکبیرۃ وکان ابو بکر و عمر رحمۃ اللہ علیہم یفعلان ذلک (باب صلاۃ العیدین مجمع الزوائد دار قطنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدین میں نیزہ نکالا جاتا تھا تاکہ آپ اسکو سترہ بناکر نماز پڑھیں اور تیرہ تکبیریں فرماتے تھے اور حضرات شیخین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

عیدین کی نماز کی تکبیروں میں بہت اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے معلم الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتوی پر عمل کیا ہے کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مرفوع مروی نہیں ہے عجب نہیں کہ اس اختیار کیوجہ یہ ہو کہ زائد تکبیریں سوائے عیدین کے اور کہیں نہیں ہیں کسی اور نماز میں اگر کوئی زائد تکبیر کہے تو وہ باتفاق سب کے نزدیک مکروہ ہوگی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ در حقیقت عتمہ اونٹوں کے دودھ دینے کی اسوقت تک تاخیر کا نام ہے جبکہ سیاہی غالب ہو جائے۔ وانما العتمۃ عتمۃ الابل للحلاب

تو امام صاحب نے اس فتویٰ کو اختیار کیا جس میں تکبیر کی تعداد سب سے کم تھی اس تعداد تک تکبیر کہنا کسی کے نزدیک بھی مکروہ نہیں اور اس تعداد کو نہیں لیا جس میں کسی کو اختلاف تھا تاکہ متفقہ بات پر عمل ہو یعنی معمولی تکبیروں کے علاوہ ہر رکعت میں تین تین تکبیریں اور کہی جائیں۔

(۲۴) ۹ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صلاۃ الھجیر مثل صلاۃ اللیل (مجمع رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آفتاب ڈھلنے کے بعد کی نماز تہجد کے جیسی نماز ہے۔ (مجمع الزوائد علامہ ہیثمی)

(۲۵) ۱۰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا قام یوم الفتح فقال یا رسول اللہ انی نذرت للہ ان فتح اللہ علیک مکۃ ان اصلی فی بیت المقدس رکعتین قال صل ھھنا ثم اعاد علیہ فقال صل ھھنا ثم اعاد علیہ فقال شانک اذا (ابوداود باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدس ج ۲ ص ۲۳۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے فتح مکہ کے دن کھڑے ہو کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ منت مانی تھی کہ خدا جب مکہ فتح کریگا تو بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ حضور نے فرمایا یہیں پڑھلو پھر دوبارہ یہی عرض کیا پھر یہی ارشاد ہوا تیسری بار جب یہی عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ اب تم جانو!

کسی معین جگہ نماز کی نذر سے صرف نماز واجب ہو جاتی ہے جہاں بھی نماز پڑھلے ادا ہو جائیگی جگہ کی تعیین باقی نہیں رہتی (شرح معانی الآثار طحاوی)

(۲۶) ۱۱ عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای اللیل اسمع قال

حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ رات کے کس حصہ میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ رات کے

جوفُ[1] الليل الآخر ثم الصلوٰة مقبولة حتى تطلع
الشمس ثم لا صلوٰة حتى تكون الشمس
قيد رمح او رمحين ثم الصلوٰة مقبولة
حتى يقوم الظل قيام الرمح ثم الصلوٰة
حتى تزول الشمس قيد رمح او رمحين
ثم الصلوٰة مقبولة ثم لا صلوٰة حتى تغيب
الشمس ثم قال ايما رجل مسلم اعتق
رجلا مسلما فهو فكاكه في النار يجزى
بكل عظم منه عظما منه وايما امرأة
مسلمة اعتقت امرأة مسلمة فهي فكاكها
من النار يجزى بكل عظم منها
عظما منها وايما رجل مسلم اعتق
امرأتين مسلمتين فهما فكاكه من النا

آخری[1] حصہ کا درمیانی حصہ پھر طلوع آفتاب تک نماز مقبول
ہوتی ہے پھر جبتک آفتاب ایک یا دو نیزہ بلند ہو جائے
نماز کا وقت نہیں ہے پھر اُس وقت تک نماز مقبول ہے کہ
سایہ مثل نیزہ کے ٹھیر جائے یہانتک کہ ایک یا دو نیزہ کے
اندازے آفتاب ڈھل جائے اس ڈھلنے سے پہلے
پہلے نماز کا وقت نہیں ہے پھر نماز مقبول ہوتی ہے غروب
آفتاب تک۔ اسکے بعد فرمایا کہ جو مسلمان مرد ایک مسلمان
مرد کو آزاد کرتا ہے وہ آزاد اس آزاد کرنیوالے کی جہنم سے
آزادی کا سبب بنتا ہے آزاد کی ہر ہڈی آزاد کرنیوالے
کی ہر ہڈی کے بدلے میں اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان
عورت کو آزاد کرتی ہے تو آزاد عورت آزاد کرنیوالی
کی جہنم سے آزادی کا سبب بنتی ہے اسکی ہر ہڈی اسکی ہڈی
کے عوض اور جو مسلمان مرد مسلمان دو عورتوں کو آزاد کرے

[1] لطیفہ۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ رات کی آخری تہائی میں استجابت کی ساعت ہے۔ اسی وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ جسکو اس ساعت کے پانیکی طلب ہو وہ اگر سورۂ کہف کی آخری چار آیتیں پڑھ کر سو جائے تو اس ساعت میں آنکھ ضرور کھل جائیگی۔ بہت بزرگوں نے تجربہ فرمایا ہے مرشدی و ملجائی حضرت حاجی امداد قدس سرہ بھی مسترشدین کو بتلاتے تھے اور تاکید فرماتے تھے کہ شب کا کھانا ذرا کم کھایا کرو۔ ناچیز نے بھی اس کو مجرب پایا ہے ۱۲ر

يجزي بكل عظمين من عظامها عظماً منه (رواه الطبراني ولا بأس برواته الا ان ابا سلمة لم يسمع من ابيه۔ (ترغیب منذری۔)

تو وہ دونوں اس آزاد کرنے والی کی جہنم سے آزادی کا سبب بنتی ہیں ان دو کی ہر ہڈی کے جوڑے اسکی ایک ایک ہڈی کے عوض۔

۱۲
(۴۷) سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا شك احدكم في صلاته فلم يدر واحدة صلى ام ثنتين فليجعلها واحدة واذا لم يدر ثنتين صلى ام ثلاثا فليجعلها ثنتين واذا لم يدر ثلاثا صلى ام اربعا فليجعلها ثلاثا ثم يسجد اذا فرغ من صلاته وهو جالس قبل ان يسلم سجدتين (ابن ماجه)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تم میں سے جب کسی کو نماز میں شک ہو اور پتہ نہ چلے کہ ایک رکعت نماز پڑھی ہے یا دو رکعت تو اسکو ایک قرار دے اور جب پتہ نہ چلے کہ دو پڑھی ہیں یا تین تو اسکو دو قرار دے اور جب نہ معلوم ہو سکے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اسکو تین قرار دے پھر جب نماز سے فارغ ہو تو سلام سے پہلے دو سجدے کرے

معجم طبرانی نے اس حدیث کو مختصر الفاظ میں نقل کیا ہے۔

اذا شك احدكم في النقصان فليصل حتى يكون الشك في الزيادة (اتحاف المهرة في اطراف العشرة قلمی)

جب نماز کی رکعت کے کم کا شک ہو تو اور ایک رکعت پڑھلو کہ نماز کے پورا ہونیکا یقین ہوجائے گو زیادتی کا شک رہے۔

سجدۂ سہو میں ہمارے یہاں یہ ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدہ کرے اور دوبارہ التحیات پڑھ کر درود دعا کے بعد دوسرے بار سلام پھیر کر نماز ختم کرے۔ اس بارمیں

جو حدیثیں آئی ہیں اُن سب پر نظر ڈالنے سے بہتر یہی طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ کرے اور پھر التحیات و درود کے بعد معمولی سلام پھیرے۔

(۴۲) [۱۳] عنه دخلت المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم خارج من المسجد فتبعته امشي وهو لا يشعر حتى دخل نخلًا فاستقبل القبلة فسجد فاطال السجود وانا وراءه حتى ظننت ان الله توفاه فاقبلت امشي حتى جئته فطأطأت راسي انظر في وجهه فرفع راسه فقال مالك يا عبد الرحمن قال فذكرت ذلك له فقال ان جبريل عليه السلام قال لي الا ابشرك ان الله عز وجل يقول من صلى عليك صليت عليه ومن سلم عليك سلمت عليه (مستدرک ج۱ ص ۲۲۲)

آپ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں داخل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اور آپ کو اس کی خبر نہ تھی چنانچہ آپ کھجور کے درختوں میں داخل ہو گئے اور قبلہ کیطرف منہ کرکے سجدہ[له] میں تشریف لیگئے اور بہت دیر تک سجدہ کیا میں آپ کے پیچھے ہی تھا آپ کی اتنی دیر سے یہ خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا تو میں چلکر آیا اور آپ کے پاس پہنچکر اپنا سر جھکا کر آپ کے منہ مبارک کو دیکھنے لگا، آپ نے سر اٹھا دیا اور پوچھا کہ تم کو عبد الرحمٰن! کیا ہوا ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے دل کے خیال کا آپ سے تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا تم کو اس بات کی بشارت نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو تم پر درود بھیجیگا میں اس پر رحمت نازل کرونگا

[له] یہ سجدہ شکر تھا۔ حنفیہ کے نزدیک بھی مستحب ہے۔ ہاں نماز کے بعد مکروہ اس وجہ سے ہو گیا کہ ناواقف لوگ اسکو سنت یا واجب سمجھنے لگے ہیں جب جائز چیز کو سنت یا واجب سمجھا جائے تو وہ مکروہ تحریمی ہو جاتا ہے۔ (شامی بیان سجدہ شکر و بیان مستحبات وضوء وغیرہ) ۱۲ منہ

(مسند احمد ۔) | اور جو تم پر سلام بھیجیگا اس پر میں سلامتی نازل کرونگا۔

نماز ہی کے مسائل کے متعلق علامہ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں آپکی ایک حدیث کا پتہ دیا ہے سنن بیہقی کے دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ حدیث کا سلسلہ آپ ہی کی ذات پر ختم ہو جاتا ہے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا۔

الحائض تطہر قبل طلوع الفجر رکعۃ یلزمہا المغرب والعشاء جمیعا واذا طہرت قبل ان تغرب الشمس صلت الظہر والعصر جمیعًا (باب الوقت الاول ص۱)	حیض والی عورت فجر (صبح صادق) ہونے سے پہلے پاک ہو جائے تو اسکو مغرب اور عشا دونوں پڑھنی ہونگی اور جب غروب آفتاب سے پہلے پاک ہو تو ظہر اور عصر دونوں اسکو پڑھنی ہونگی۔

غروب آفتاب سے صبح صادق تک مغرب، عشا دونوں کا وقت رہتا ہے اور ظہر و عصر دونوں کا ایک وقت ہے آفتاب کے ڈھلجانے کے بعد سے غروب تک یہ وقت باقی رہتا ہے مگر عشا کی نماز اسوقت تک نہو گی جبتک مغرب نہ پڑھلی جائے اور اسیطرح عصر کی نماز کا وقت ظہر سے فارغ ہونے کے بعد شروع ہو گا۔

یہ اس حدیث کا مطلب عرض کیا گیا لیکن اس حدیث کو حضرت عبدالرحمن سے جو روایت کرتا ہے وہ آپ ہی کا آزاد کردہ غلام ہے اور اس کا کچھ حال معلوم نہیں اسلئے انکی بیان کردہ روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ دو مثل سایہ ہونے کے بعد ظہر کا اور شفق ابیض کے بعد مغرب کا وقت نہیں رہتا۔

روزہ

(۲۹) عنہ قال قال النبی صلی اللہ ۱۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سفر میں روزہ

علیه وسلم الصیام فی السفر کالافطر فی الحضر ۔ (نسائی شریف صـ۳۱۵ طبع نظامی)

رکھنا ایسا ہے جیسا کہ گھر پر بے روزہ رہنا ۔

سفر میں اس طریقہ سے روزہ رکھے کہ اپنے نفس پر سخت مشقت برداشت کرنی ہو یا ہماری وجہ سے ساتھیوں کو تکلیف پیش آئے اس سے یہ بہت بہتر ہے کہ بے روزہ رہے ۔ یہ حدیث دراصل یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر کی تفسیر ہے شریعت تکلیف مالایطاق کو یعنی وہ تکلیف جو نبھ نہ سکے اچھا نہیں سمجھتی ۔

(۳۰) عنه قال سمعت رجلا یقول قال رسول اللہ علیه وسلم لعمر بن الخطاب یا ابا حفص انك فیك فضل قوة فلا توذ الضعیف اذا رأیت الرکن خلوا فاستلم والا فکبر وامض (تیسیر الوصول ج ۱ صـ۱۵۱)

میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ کہتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیه وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے ابا حفص تم میں قوت زیادہ ہے کمزور وضعیف کو مت ستانا ۔ جب حجر اسود کو خالی دیکھو تو بوسہ دو اور اگر وہاں بھیڑ ہو تو تکبیر کہو اور آگے بڑھ جاؤ ۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھی یہی فرمان جو دیا گیا تھا اسکو نقل کیا ہے

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعبد الرحمٰن بن عوف کیف صنعت یا ابا محمد فی استلام الحجر فقال عبد الرحمٰن استلمت وترکت فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اصبت ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن سے ارشاد فرمایا اے ابا محمد حجر اسود کے بوسہ دینے میں تمہارا کیا طریقہ رہا آپ نے عرض کیا حضرت میں نے بوسہ بھی دیا اور نہیں بھی دیا ارشاد ہوا کہ یہی درست ہے ۔

الرکن الاسود

یہ دونوں حدیثیں ہم کو یہ سکھاتی ہیں کہ اگر دوسروں کی اذیت کا خیال ہے تو

بعض اوقات اپنے دینی نفع سے بھی رکھا جانا چاہئے ۔

(۳۱) عن عبد اللہ بن عامر بن ربیعۃ قال سمع عمر ابن الخطاب صوت ابن المغترف او ابن الغرف الحادی فی جوف اللیل ونحن منطلقون الی مکۃ فاوضع عمر راحلتہ حتی دخل مع القوم فاذا ھو عبد الرحمٰن قد طلع الفجر ھی الان اسکت الفجر قد طلع الفجر اذکروا اللہ قال ثم ابصر علی عبد الرحمٰن (وھو محرم[۱]) قال وخفان فقال قد لبستھما مع من ھو خیر منک یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمر عزمت علیک الانزعتھما فانی اخاف ان ینظر الناس فیقتدون بک (مسند)

عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب نے ابن المغترف یا ابن الغرف کی آواز سنی جو درمیانی شب میں حدی گا رہا تھا اور ہم مکہ جا رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی سواری کو تیز کرایا یہانتک کہ قافلہ سے ملگئے اچانک حضرت عبد الرحمٰن پر نظر پڑی اور صبح ہو چکی تھی (حضرت عمر نے فرمایا) کہ یہ اب فجر ہے چپ ہو جاؤ صبح ہو چکی اللہ کا ذکر کرو راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن پر حضرت عمرؓ نے کچھ دیکھا اور فرمایا (وخفان) اور خف بھی ہیں حضرت عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پہنا ہے حضرت عمر نے فرمایا کہ میں تمکو قسم دیتا ہوں ورنہ تم انکو اتار دو مجھکو یہہ خیال ہے کہ لوگ دیکھینگے اور تمہاری اقتدا شروع کر دینگے ۔

باہمی اختلاف سے کتنا پرہیز کرتے تھے اپنی مرضی اور تحقیق کے خلاف حضرت عمرؓ کے کہنے کی تعمیل کی اگر علمائے کرام اپنے اجتہاد کے خلاف دوسرے عالم کی بات مانکر اختلاف وفساد کا سبب نہ بنا کریں تو کیا ان کو ثواب نہ ملیگا !

---

[۱] یہ قید میں نے ابو یعلی موصلی کی روایت سے بڑھائی ہے اور احرام ہی کی حالت میں خف پہننا جائز ہے ۱۲ ر

[۱۷] (۴۲) عنه المحرم يصيب الظبي شاة (اتحاف المهرة)

محرم جب ہرن کا شکار کرے تو اس کے بدلہ ایک بکری ذبح کرنی ہوگی۔

حرمتِ مدینہ

[۱۸] (۴۳) عن ابراهيم بن عبد الرحمن بن عوف قال اصطدت طيرًا بالقنبلة فخرجت به في يدي فلقيني ابي عبد الرحمن بن عوف فقال ما هذا فقلت طيرًا اصطدته بالقنبلة فعرك اذني عركا شديدًا ثم ارسله من يدي ثم قال حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم صيد ما بين لابتيها (شرح معاني الآثار للطحاوي و مجمع ص ۱۹۵)

آپ کے صاحبزادے ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ میں نے قنبلہ[۱] سے ایک پرند پکڑا میں اسکو ہاتھ میں لے نکلا مجکو میرے باپ حضرت عبد الرحمن بن عوف ملے مجھ سے پوچھا کہ یہہ کیا ہے میں نے کہا کہ پرند ہے میں نے قنبلہ سے اسکو پکڑا ہے۔ یہہ سنکر میرا کان بہت زور سے اینٹھا۔ پھر میرے ہاتھ سے لیکر چھوڑ دیا اور یہ روایت بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان شکار کو حرام کردیا ہے۔

این بنی من | بیٹے کہاں جاتے ہو
این اخذ ته | اسکو کہاں سے لائے ہو

فتح الباری میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بیہقی نے آپکی وہ روایت ذکر کی ہے کہ جسمیں تحدید حرم نبوی ان الفاظ سے ہے۔ انی احرّم ما بین لابتیها۔

[۱۹] (۴۴) يقول عمر لعبد الرحمن وطلحة والزبير وسعد نشدتكم بالله الذي

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمن، طلحہ، زبیر اور حضرت سعد کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میں اس خدا کی

[۱] مدینہ کے ایک محلہ کا نام ہے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۵ قلمی فرزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن [۲] ج ۲ ص ۱

تقوم السماء والارض وقال مرة الذی باذنہ تقوم السماء والارض اعلمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا لا نورث ما ترکنا صدقۃ قالوا اللھم نعم۔

تم کو قسم دیتا ہوں جسکی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں اور ایک بار کہا کہ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہے کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کسی کو (مال و دولت کا) وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے سب نے یکزبان ہوکر کہا کہ اے اللہ ہاں! یعنی حضرت نے ایسا فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث اس حیثیت سے نہیں بنا کہ آپ کی مال و دولت یا جائداد کا آپ کے بعد مالک ہوتا آپ کے پاس کوئی جائداد نہ تھی حضرت عائشہ رضہ[1] فرماتی ہیں کہ آپ نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ اونٹ نہ بکری حضرت ام المومنین جویریہ رضہ کے بھائی عمرو ابن الحارث کہتے ہیں[2]۔

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھما ولا دینارا ولا عبدا ولا امتا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضا جعلھا صدقۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ کوئی غلام اور نہ کوئی لونڈی سوائے اپنے خچر اور اپنے ہتھیار اور زمین کے جس کو آپ نے فی سبیل اللہ کردیا تھا۔

آپ کے پاس علم و عرفان کی دولت تھی، بعد والوں کو آپ کی وراثت سے جو کچھ ملا وہ علم و عرفان ہی تھا ہر شخص نے اپنے ظرف کی وسعت کے مطابق آپ سے

---

[1] فتح (جزء ص ۲۹۷) [2] بخاری کتاب الوصایا

یہ دولت وسعادت حاصل کی اگر عرصہ سے یہ ہوتا آرہا ہے کہ علم وعرفان میں آپ کی اولاد زیادہ اور زیادہ ممتاز رہی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا فطرت کا بھی یہی اصول ہے۔ بعینہٖ اسیطرح آپ کے دل ودماغ دنیا کی جاہ ومال سے بالکل پاک تھے اب اگر آپ کی اولاد بھی اس سے محروم رکھی جائے تو حیرت کی کیا بات ہے! یہ ہمارا تجربہ ہے کہ مدتوں جب کوئی مخصوص پیشہ یا خاص کام ایک خاندان میں رواج ہو جاتے تو اس اولاد کو پیشہ یا کام چھوڑنیکے بعد زمانہ تک وہ مناسبت قائم وباقی رہتی ہے ایک بڑھئی کا لڑکا جس قدر جلد اپنا کام سیکھتا ہے ایک نکتہ رس فقیہ کا ذہین لڑکا اس قدر جلد اس کام کو نہیں سیکھ سکتا اور نہ وہ امتیاز حاصل کرسکتا ہے جو اسکو حاصل ہو جاتا ہے۔

علم وتہذیب سے اجنبی قوم کے لوگوں کی دو تین پشت بھی علم وتہذیب میں گذر جائیں پھر بھی شرافت کے وہ جذبات پیدا نہیں ہوتے جو علم وتہذیب کے خاندان والے تھوڑے علم اور تھوڑی سی صحبت سے حاصل کر لیتے ہیں۔

ٹھیک اسیطرح جب آپکی اولاد نے دنیا کی انتہائی جاہ حاصل کرنیکی کوشش کی ناکامیابی ہوئی اور اس بے راہ روی کا خمیازہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کی اولاد کو عرصہ تک بھگتنا پڑا کسی نے سچ کہا ہے۔

کلاغ تنگ کبک در گوش کرد   تنگ خویشتن ہم فراموش کرد

علم وعرفان کے حقیقی وارث اس سے منہ موڑ کر دنیا کی سرخ وسپید ٹھیکریوں پر نظر ڈالیں ان کو جتنی بھی اسکی سزا دیجائے کم ہے۔

انبیاء کیلئے حقیقی وجہ تو یہ ہے کہ انکے کام بہت ہوتے ہیں پھر خدا کی یاد کی محویت و لذت ان کو مال ودولت یا اولاد یا کسی اور قسم کی دنیاوی لذتوں سے حظ حاصل کرنے کا

موقع نہیں دیتی اس کے علاوہ بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اصلاح امت کے تحت انتظام سلطنت کی شاخ ہونیکی وجہ سے امت کے مال کا کچھ حصہ نبی کے قبضہ و اختیار میں رہتا ہے گو نبی نے اسکے کثیر حصے کو اپنے نفس پر اور اپنی اولاد حرام کر دیا ہے بقیہ حصہ کیلئے بھی امت کو علی الاعلان سنادیا ما ترکنا صدقة ہم جو کچھ بھی چھوڑیں سب صدقہ ہے میرے گھر والوں کو اور میری اولاد کو اس سے زیادہ کچھ اختیار نہیں ہے جو میری امت کے ہر شخص کو ہے۔ یہ ایک بڑی علامت ہے کہ جس سے ہم جھوٹے دعویداران نبوت کو پہچان لیتے ہیں۔

(۳۵) ~~۲۰~~ عنہ قال لما خرج المجوس من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سألتہ فاخبرنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیرہ بین الجزیة والقتل فاختار الجزیة (مسند حنبل)	آپ روایت فرماتے ہیں کہ مجوس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گئے تو میں نے ان سے دریافت کیا انھوں نے مجھکو بتلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جزیہ اور قتل کا اختیار دیا تھا انھوں نے جزیہ کو اختیار کیا۔
(۳۶) ~~۲۱~~ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی السلب للقاتل (اتحاف)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو مقتول پر جنگ کے وقت جو چیزیں تھیں دلوائیں۔

یہ حدیث شاید واقعات کے ضمن میں جو قتل ابوجہل کے واقعہ کی حدیث آچکی اس کا ایک ٹکڑہ ہے۔

(۳۷) ~~۲۲~~ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یغرم صاحب سرقة اذا اقیم علیہ الحد (نسائی کتاب السرقہ)	آپ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چور کا جب ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اسکو تاوان دینا نہ ہوگا۔

یعنی اگر وہ مال جو چوری گیا تھا موجود ہے لیلیا جائے گا۔ اور اگر چرانے والے نے خرچ یا ضائع کر دیا تو اب بطور تاوان ایسی حالت میں اُس سے کچھ نہیں لیا جائیگا۔

(۳۸) عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس علی المختلس قطع۔ [۲۳]

آپ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ اُچکنے والے پر قطع نہیں ہے۔

انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسکی جان اور اُس کے اعضا کی قیمت ہمارے اندازہ سے باہر ہے۔ ہم برے کاموں سے اپنی عزت کھوکر اپنے کو بے قدر و ذلیل کریں پھر بھی اصلی قیمت و وقعت کے اُمیدوار ہیں تو یہ خام خیالی ہے۔ تاہم شریعت کا قانون انسان کی اصلی عزت و شرافت کو جہانتک ہوسکتا ہے نظر انداز نہیں کرتا لیکن قرآن کے صریح قانونی الفاظ جہاں ہوتے ہیں وہاں مجبوری ہوتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ ذرا ذرا روپیہ کے عوض ہی میں ہاتھ قطع کر دیا جائے۔

لیکن جس جگہ گنجائش ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن نے یہہ حکم چوری کے متعلق دیا ہے اُچکنے کی نوعیت چوری سے مختلف ہے۔ اسلیئے یہاں اُس قانون کو جاری نہیں ہونے دیتا اور کہتا ہے کہ دوسری سزا کا اختیار ہے لیکن اس جرم میں ہاتھ قطع نہیں ہوسکتا۔

(۳۹) عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ھذا السقم عذب بہ الامم فاذا سمعتم بہ فی ارض فلا تدخلوھا واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا منہ فرارًا (مسند حنبل) [۲۴]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ طاعون اگلی امتوں پر بطور عذاب آیا تھا جہاں تم اُس کا چرچا سنو وہاں نہ جاؤ۔ اور جہاں کہیں یہ پھیلجائے اور تم وہاں ہو تو اُس سے بھاگ کر اس جگہ سے نہ نکلو۔

اس حدیث میں دو باتوں سے منع کیا گیا ہے اوّل یہ کہ جہاں طاعون ہو وہاں جاؤ نہیں کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہاں جا کر تم یا تمھارا کوئی متعلق اس مرض میں مبتلا ہو جائے تو اب تک اسکو بیماری لگنے کا خیال بالکل نہ تھا مگر اب شاید یہ خیال تمھارے دماغ میں راسخ ہو جائے فطرتاً ہر انسان کو اپنی زندگی سے محبت ہوتی ہے اور موت سے ڈر کر اپنے خیال کے مطابق اس سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے جب اس برے عقیدہ نے اس کے دل میں گھر کر لیا تو زندگی کی محبت اور موت کا خوف ایسے مریضوں کے پاس جانے نہیں دیگا۔ اور جس طرح بھی ہو سکیگا مریضوں کی خدمت سے جان چرائے گا۔ اور اس کا خیال بالکل نہ ہوگا کہ یہ بے مروتی اور بے حمیتی کس درجہ کی بد اخلاقی ہے۔ بہت دیکھا گیا ہے کہ جس سے غایت درجہ کی الفت و محبت تھی جب وہ ایسے مرض میں مبتلا ہوا ہے تو محبت کرنیوالوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا ہے اسکی خدمت اور تیمار داری تو درکنار پاس جانا بھی گوارا نہیں کیا اس سے بڑھکر یہ بھی سنا ہے کہ اسکو تن تنہا بے یار و مددگار صرف اپنی جان بچا کر اس کے پاس سے بھاگ گئے ہیں۔

شریعت پہلے ہی سے اسکی روک تھام کرتی ہے کہ نہ یہ خیال پیدا ہونے پائے اور نہ اسکی وجہ سے جو بد اخلاقی پیدا ہوتی ہیں اسکے پیدا ہونے کا موقع دیا جائے۔

اسکے علاوہ ایک بات اور ہے کہ جس جگہ یہ وبا پھیلتی ہے وہاں کے لوگوں کی طبیعت مقابلہ کو آمادہ رہتی ہے اسلئے تھوڑے سے اثر کی وہ مقاومت کر جاتی ہے اور چھوٹے حملہ کے مقابلہ میں وہ مغلوب نہیں ہوتی اور جس جگہ اس کا اثر نہیں ہوتا ان مقامات کے باشندوں کی طبیعت فارغ ہوتی ہے اب یکایک تھوڑے اثر سے مغلوب ہو جاتی ہے اور مغلوب ہونے کے بعد غلبہ پانیکی مثالیں شاذ و نادر ہوا کرتی ہیں زیادہ تو یہی ہے کہ

مغلوب ہونے کے بعد پھر اُبھرنے کی ہمت وجرأت بہت کم ہوتی ہے۔

دوسری بات جس سے منع کیا گیا وہ یہ ہے کہ جہاں طاعون کا اثر ہو گیا وہاں سے دوسری جگہ ان لوگوں کو جو یہاں کے باشندے ہیں نہیں جانا چاہئے۔ کیونکہ اس جگہ سے جانے کی دو ہی صورتیں ہیں یا آبادی میں جائے گا یا جنگل میں اگر آبادی میں جاتا ہے تو وہاں آبادی کے عام لوگوں میں اس بیماری سے جو نفرت جاگزیں ہو رہی ہے۔ اسکی وجہ سے ان لوگوں کو سخت اذیت ہو گی حالانکہ مسلمان کی شان سے بہت بعید ہے کہ اسکی کسی بات سے کسی مسلمان کو ایذا اور تکلیف پہنچے۔

اس سے قطع نظر کیجئے اگر یہ بیماری یہاں بھی شروع ہو گئی تو یہاں کے لوگوں کے اعتقاد اور خراب ہو جائیں گے اور مبادا یہاں کوئی موت ہو گئی تو معلوم نہیں کہ کتنی بددعائیں اسکے سر پڑینگی۔

اور اگر جنگل اور آبادی سے باہر جاتا ہے تو اپنے جان ومال کو خطرہ میں ڈالتا ہے جو مسلمانی تو بڑی چیز ہے سمجھ اور عقل سے بھی بہت بعید ہے۔

اور جہاں سے بھاگ کر جاتا ہے وہاں اس کے رشتہ دار اور اسلامی بھائی بیمار رہے یا مر گئے تو یہ انکی بیمار پرسی، تیمار داری اور بہت سے فرائض اور حقوق کے ادا سے محروم رہتا ہے۔

اس سے زیادہ بہتر اور مضبوط حفظانِ صحت کے اصول کیا ہو سکتے ہیں یہ اصول شریعت نے صدیوں قبل بنا دئے تھے۔ ہمارے تجربے اسکو اور مستحکم کر رہے ہیں۔ ہاں! اخلاق وحمیت، ہمدردی وغمخواری سے قطع نظر کر لیا جائے تو ان اصول میں ترمیم ہو سکتی ہے لیکن ایک عالمگیر مذہب جسکی امتیازی شان اخوت و ہمدردی وخدمت خلق ہو وہ

ایسے اصول کیسے اور کس طرح بنا اور مروج کر سکتا ہے جس میں ان باتوں سے قطع نظر کر لیا گیا ہو

(۴۰) عنہ[25] لا تکرھوا مرضاکم علی الطعام والشراب فان اللہ یطعمھم ویسقیم (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۴۱)	اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ خدا ان کا کھلانے پلانے والا ہے (جب کھلانا پلانا مناسب سمجھیگا بھوک و پیاس بھی ہو جائیگی ۔)
(۴۱) عنہ[26] عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیخرجن من امتی من قبورھم فی صورۃ القردۃ والخنازیر بما ھنتھم فی المعاصی وکفھم عن النھی وھم یستطیعون (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند ج ا ص ۱۲۹)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ اپنے قبروں سے نکلیں گے بندر اور سوروں کی صورت میں گناہوں میں مداہنت کی وجہ سے اور روکنے سے وہ رکتے تھے حالانکہ روکنے کی ان میں استطاعت تھی

نصیحت کرنا ۔ اچھی باتوں کی طرف بلانا ۔ اور بری باتوں سے روکنا دین و مذہب کی بہت بڑی خدمت ہے ۔ قرآن نے اس کو ہر مومن نہیں بلکہ ہر انسان کیلئے ضروری اور لازمی قرار دیا ہے ارشاد ہے ۔

والعصر ہ ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر (سورۂ عصر)	قسم ہے عصر کی بیشک تمام انسان نقصان میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی نصیحت کی ۔

جو انسان نقصان سے محفوظ رہنا چاہتا ہے ۔ اس کو ایمان لانا چاہیئے ، نیکو کار بننا چاہیئے ، حق کا وعظ کہنا چاہیئے اور استقامت حق کیوجہ سے مصائب و تکالیف سے دوچار ہونا بھی ضروری ہے اسلئے صبر کی تلقین بھی اس پر لازمی ہے ۔

وعظ و نصیحت کا ایک بڑا منصب ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کو بہت عنوان سے ذکر کیا ہے اور اسکے لئے چند الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ وعظ۔ نصیحت۔ وصیت (ایصاء۔ توصیۃ) ذکر (تذکیر) دعوت۔ انذار۔ تبلیغ۔ تحذیر

پھر اللہ تعالےٰ نے قرآن میں بتلایا ہے کہ یہ منصب خود خداوند ذو الجلال کا ہے۔ یہ منصب قرآن کا ہے یہ منصب انبیا علیہم السلام کا ہے اور یہ منصب علماء کا ہے۔

قرآنِ مجید نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کس کس طور سے وعظ کہا۔ اور ان کی امتوں نے کیا کیا جواب دیا۔ قرآن مجید میں ہی مذکور ہے کہ واعظ کھڑا رہتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وعظ کا پسندیدہ طریقہ یہی ہے۔ سننے والوں کو وعظ کا کیا ادب برتنا چاہیئے قرآن شریف نے خود اسکو نقل کیا ہے۔

ان تمام باتوں سے اسکی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

چونکہ حدیث بالا میں اس کا تذکرہ ہے کہ جو لوگ باوجود استطاعت کے وعظ و نصیحت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ صرف ان کے افعال و اعمال اور ان کے قلوب کو مسخ نہیں کریگا بلکہ اسکے ساتھ ہی ان کی صورتیں بھی مسخ ہو جائینگی۔ (اعاذنا اللہ منہما ومن کل ما یغضب علیہا)

اسلئے قرآن کی صرف وہ دو آیتیں نقل کرتا ہوں جو وعظ و نصیحت نکرنے والوں کے متعلق ہیں۔

وترى كثيرا منهم يسارعون فى الاثم والعدوان واكلهم السحت لبئس ما كانوا يعملون (مائدہ)	اور تو دیکھتا ہے ان میں سے اکثر کو کہ دوڑتے ہیں گناہ پر اور ظلم اور حرام کھانے پر بیشک بہت برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

کیوں نہیں منع کرتے درویش (مشائخین) اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برا ہے جو انھوں نے اختیار کیا ہے[۱]۔

لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہ و زیادتی اور حرام کھانے کو بہت برا کہا تھا دوسری آیت میں مشائخین اور علماء و فضلاء کے خاموش رہنے اور نصیحت نکرنیکو فرمایا کہ الکایہ طرز و انداز نہایت ہی برا ہے۔ پھر چند آیتوں کے بعد ارشاد ہے۔

اور اگر قائم کرتے توریت اور انجیل اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے (قرآن) تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کچھ لوگ ان میں اعتدال پر ہیں اور بہت سے ان میں برے کام کر رہے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ (مائدہ)

اسی سورہ میں دوسری آیت ان لوگوں کے متعلق جو وعظ و نصیحت نہیں کرتے وہ بہت سخت ہے خداوند ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے۔

ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل کے داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر یہ اسلئے کہ وہ نافرمان اور حد سے گذر گئے تھے۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔

۱ اُن پر خدا کی پھٹکار ہوئی ۲ کافر کا لقب دیا گیا ۳ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی زبان سے وہ ملعون ہوئے۔ یہ سب باتیں نافرمانی اور حد سے گذرنیکی وجہ سے ہوئیں یہ تین تین عذاب بیان کیے کس عمل کی جزاء میں ہیں ارشاد ہوتا ہے

منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے۔

كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ

[۱] عمل اور صنع میں اہل لغت فرق کرتے ہیں جبتک کام میں مہارت اور عادت نہو جائے صنع کا اطلاق اسپر نہیں ہوتا ۱۲ منہ

بیشک ان کا یہ طریقہ اور عمل برا تھا ۔ | ما کانو یفعلون ۔

دوسرا حصہ اخلاق کی حدیثوں میں

اخلاق ہماری اس گہری اور پوشیدہ قوت کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے ہم برے یا بھلے کام بغیر سوچے سمجھے بھی کرتے ہیں۔

اس قوت کا اتنا دباؤ ہوتا ہے کہ اسکی وجہ سے جو برا یا بھلا کام کرتے ہیں انہیں خود ہمارے قصد و ارادہ کو بہت کم دخل ہوتا ہے ۔

بسا اوقات بلا ارادہ بھی ہم سے صرف اس چھپی ہوئی قوت کے دباؤ سے برے یا بھلے کام ہوجاتے ہیں بلکہ ہم برائی کا ارادہ کرتے ہیں اور بختہ قصد کر لیتے ہیں کہ نقصان پہنچا کر رہینگے مگر ہماری آنکھوں سے پنہاں ہماری اخلاقی قوت ہم کو روکدیتی ہے ۔ اور اسی اچھی اخلاقی قوت کا ایک درجہ وہ بھی خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عنایت کرتا ہے کہ مصمم قصد ان کا برائی کا تھا مگر بھلائی کر گذرتے ہیں۔

اور ان پاک بندوں کا کیا ذکر کروں جن کے پاک دلوں میں انکی اخلاقی قوت برائی آنے ہی نہیں دیتی ۔

بالکل اسکے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بھلائی اور نفع پہنچانیکا قصد کرتے ہیں مگر ان کے آنکھوں سے اوجھل انکی اخلاقی قوت ان کو رسوا کرکے رہتی ہے یا ان کے بغیر قصد و ارادہ کے لوگوں کو ان سے تکلیف پہنچی رہتی ہے حضرت سعدی نے ان ہی لوگوں کی سرشت کا تذکرہ اس شعر میں فرمایا ہے ۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است — مقتضائے طبیعتش این است

برے اور بھلے دونوں اخلاق ہیں مگر جب صرف اخلاق کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف اچھے اخلاق مراد لئے جاتے ہیں برے اخلاق کیلئے ہم کو برا لفظ بڑھانا ہوگا۔

لغوی تحقیق درمیان میں آگئی۔ بتلانا یہ ہے کہ اخلاق یا عمدہ اخلاق ہماری اس مستحکم قوت کا نام ہے جس سے اچھے افعال ہمارے ارادہ کے بغیر بھی صادر ہوں۔ بعض وقت ہم طبیعت پر جبر کرکے شرافت و مروت کا برتاؤ کرتے ہیں مگر اس کا سبب ہماری اخلاقی قوت نہیں ہوتی وہ قوت تو ایک پوشیدہ اور اس قدر مستحکم ہے کہ کبھی بھی ہم سے جدا نہیں ہوسکتی۔ یہہ دوسری بات ہے کہ طبیعت کو مجبور کرکے اسکی اصلی اخلاقی قوت کے خلاف کوئی کام کرالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے اپنی بعثت کی غرض یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ‎} میں سلئے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کردوں

یعنی میری بعثت کی غایت یہ ہے کہ عمدہ اخلاق کو اپنے عمل سے مکمل کردوں خدا تعالیٰ نے آپ کی ذات کو تمام عمدہ اور اچھے اخلاق کا سارے جہاں کیلئے نمونہ بنایا تھا آپ کی ذات سے سبق سیکھنے والی ایک بڑی جماعت آپ کے بعد رہی جو آپ کے اخلاق کا پورا پورا نمونہ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے طفیل معلوم نہیں کہ ہمارے کتنے دینی و دنیاوی کام سدھر گئے اور ان میں وہ حیرت انگیز ترقی ہوئی کہ آج بڑے بڑے فضلا اور فلاسفر حیران ہیں؟

میں سچ کہتا ہوں کہ ان کاموں میں اکثر حصہ ان کاموں کا ہے جس کے درست کرنیکی طرف شارع علیہ السلام نے کبھی بھی توجہ نہیں کی مگر یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعلیم کی ہمہ گیری کا طفیل ہے کہ ایک چیز کی پابندی سے ہماری سیکڑوں حالتیں درست ہو جاتی ہیں ۔

اسکو سامنے رکھتے ہوئے اس کا اندازہ ہماری طاقت سے باہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اخلاق کی کس حد تک تکمیل کی ہے ۔

کیونکہ جو باتیں اور جو امور آپکے مقاصد میں داخل نہ تھے اسکی اس حد تک اصلاح ہوگئی کہ بڑے بڑے مصلح محو حیرت ہیں تو ان باتوں کی اصلاح اور درستگی کا کیا کہنا کہ جن کو آپ نے اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہو اس سے اسکا اندازہ کرنا چاہئے ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

میرا مقصد چونکہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے احادیث کی اتنی تشریح ہے کہ ہمارے ناظرین اس سے کچھ سیکھ سکیں اسلئے مختصر طور پر کچھ باتیں لکھتا ہوں زیادہ تفصیل سے اندیشہ ہے کہ وہ رنجیدہ ہوں ۔ گو اختصار مد نظر ہے مگر بعض باتوں کی اہمیت اور ضرورت مجھکو اس اختصار کا پابند نہیں رہنے دیتی اور اگر مجھکو ان باتوں کا اپنے موقع پر لکھنے کا اتفاق ہوا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ میں نے یہاں کس قدر اختصار کیا ہے ۔

عام اخلاق کو چھوڑ کر صرف اسلامی اخلاق بیان کرنے کے لئے بڑے بڑے دفتروں کی ضرورت ہے اس موقعہ پر صرف اتنی عرض ہے کہ عمدہ اخلاق کی جتنی بھی شاخیں اور قسمیں ہیں وہ سب ان چار امہات الاخلاق کی قسمیں ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں تین چیزیں رکھی ہیں ۔ (۱) عقل ۔ (۲) جذبہ (خواہش) (۳) غصہ ۔ عقل کا کام یہ ہے کہ باتوں کو ٹھیک سمجھے ۔ برے بھلے کی تمیز کرے اور ہر بات کے نتیجہ پر نظر رکھے اس کا شرعی نام نفس مطمئنہ یا نفس ملکوتی ہے ۔

جذبہ کا کام یہ ہے کہ اپنے نفع کی چیزوں کو اور وہ چیزیں کہ جس میں اسکی لذت آتی ہو اُن کو حاصل کرے اس کا شرعی نام نفس امارہ ہے۔

غصّہ کا صحیح مصرف خدا تعالیٰ نے یہہ بنایا ہے کہ اپنی عزت وحرمت یا جان و مال کو دوسروں کی دست اندازی سے بچانے کیلئے خطرناک بات پر تُلجائے۔ اور یہی غصّہ انسان میں حکومت کا شوق پیدا کرتا ہے اور یہی غصہ اس بات کا بھی شوق پیدا کرتا ہے کہ اپنے ہمچشموں سے ممتاز اور بلند رہے۔

انسان کی عقل کیلئے جو حد مقرر کردیگئی ہے جبتک انسان اسکے اندر عقل سے کام لیتا ہے تو وہ حکیم کہلاتا ہے اور اسی کے متعلّق خدا تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا } جسکو حکمت عطا کیگئی اس کو تو بڑی دولت دیگئی۔

اور جب اس حد سے انسان آگے بڑھتا ہے اور بے موقع اور غیر مناسب طریقہ پر عقل سے کام لیتا ہے تو اسکے نام مختلف حیثیتوں سے مختلف ہوجاتے ہیں دین و مذہب کی باتوں میں اگر عقل اپنی حد سے تیز کیجاتی ہے تو اس کا نام لامذہبیت اور دہریت اور بے ادبی ہوجاتا ہے۔ اور اگر دنیا کے معاملات میں عقل اپنی حد کا خیال نہیں رکھتی تو اس کا نام چالاکی، ہوشیاری، عیاری رکھا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح انسان جب اپنی خواہشات اور جذبہ کو عقل کا تابع اور مطیع رکھیگا اپنی نفسانی خواہشوں کا غلام اور اپنے نفس کا بندہ نہ بنیگا تو اس کا نام عفت اور پرہیزگاری ہے اور جب نفس کو خواہشات کے اختیار میں دیدیگا تو اسکا نام بدکاری اور بیحیائی ہوجاتا ہے اور اگر اپنی خواہشوں کو بالکل مٹا دیتا ہے اور فنا کردیتا ہے شریعت اور عقل جتنی اجازت دیتی ہے اسکو بھی چھوڑ دیتا ہے اسکا نام بے حسی اور رہبانیت ہے۔

اور جس طرح جذبہ اور خواہشات کو عقل کے تابع رکھنے سے آدمی پرہیزگار رہتا ہی اسیطرح غصّہ کو عقل کے قابو میں رکھنے کا نام شجاعت ہے اسی غصہ کا طفیل ہے کہ آدمی دشوار سے دشوار کام میں ہاتھ ڈالدیتا ہے اب اگر اس نے اپنے غصہ کو عقل کے قابو میں رکھا تو کام پورا ہونے تک اسکو کتنی ہی بےچینی اور کتنا ہی اضطراب کیوں نہو لیکن وہ ظاہر نہیں ہونے پاتا ۔ اور عقل کے قابو میں رکھنے کا دوسرا نفع یہ ہے کہ آدمی کبھی بھی بے محل بے موقعہ جرأت ودلیری نہیں کرتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہہ کام میرے قابو سے باہر ہے اور مجھ سے نہیں ہوسکیگا آخر میں شرمندہ ہونگا اس ندامت کے خیال سے بے موقعہ ہاتھ نہیں ڈالتا اور جب آدمی نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارا کہاں تک قابو ہے اور ہاتھ ڈالتا ہے تو اس کا نام ناجائز دلیری اور ناجائز جرأت ہوتا ہے اور اکثر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان شرمندہ اور ذلیل ہوتا ہے اور جب اس حد سے گزرجاتا ہے اور جن سے نہ ڈرنا چاہئے ان سے بھی ڈرتا ہے تو اس کا نام نامردی اور پست ہمتی اور دنارت اور کمزوری ہے ۔ اور جب انسان کی عقل اور پرہیزگاری اور شجاعت تینوں میں اعتدال ہو تو اس کا نام عدل ہے۔ عقل و پرہیزگاری ۔ شجاعت ۔ عدالت یہ چار چیزیں اصل ہیں اخلاق حمیدہ کی اور باقی جتنے اخلاق ہیں سب اسی کی شاخیں ہیں ۔

۱۴۲ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تبارک وتعالی انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها من اسمی فمن یصلها اصلہ ومن یقطعها اقطعہ	آپ روایت کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں اور میں بہت رحم کرنیوالا ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام سے حصہ دیا ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے میں بھی اپنی رحمت اس تک پہنچاتا ہوں

فاتّبه او قال من یبتّه ابتّه ۔

(مستدرک حاکم وابوداؤد باختلاف یسیر)

اور جو قطع رحم کرتا ہے میں بھی بالکلیہ اپنی رحمت سے منقطع اور مایوس کر دیتا ہوں ۔ یا صرف اتنا ہی فرمایا کہ جو تعلق کو توڑ دیتا ہے میں بھی اس سے اپنا تعلق توڑ دیتا ہوں ۔

(۴۳) عن عبد الرحمٰن بن عوف عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاثة تحت العرش یوم القیمة تنادی الامن وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ والقراٰن یحاجّ الناس یوم القیمة والامانة

(قیام اللیل مروزی باب ثواب القرآة باللیل ص۱۱)

عبدالرحمٰن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جو قیامت کے دن عرش کے نیچے آواز دینگی جیسے صلہ رحمی کی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے ملیگی اور جس نے صلہ رحمی نہیں کی اللہ تعالیٰ اسکو قطع کریگا ۔ اور قرآن لوگوں سے قیامت میں جھگڑیگا ۔ اور امانت جھگڑا کریگی ۔

ان دونوں حدیثوں میں صلۂ رحمی کی عظمت بتلائی گئی ہے ۔ آجکل رشتہ داری اور جن سے کہ نسب اور خون کا تعلق ہوتا ہے صرف دنیاوی منافع کی بنا پر ان سے بے پروائی برتتے ہیں اور ان لوگوں کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے ان کو ذرا غور کرنا چاہیئے کہ وہ ان کے حقوق کو کیوں پامال کرتے ہیں ۔ اگر ان میں اتنی سمجھ نہیں ہے کہ اسکے نفع و نقصان پر خود غور کر سکیں تو کم سے کم ان کو یہی سمجھنا چاہیئے کہ شریعت نے اسکو اتنی اہمیت جو دی ہے وہ بے معنے اور بے سود نہیں ہو سکتی اور افسوس یہ ہے کہ اس بے پروائی کا نتیجہ کثرت سے ناخوشگوار ہی سنا گیا ہے ۔ پرانے تعلقات کو منقطع کر کے نئے تعلقات جہاں پیدا کیئے گئے ہیں وہاں عمدہ اور بہتر تعلقات بہت کم سننے میں آئے ہیں ۔

یاد داشت ۳۴ ویں حدیث کے متعلق علامہ ابن حجر اصابہ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کسی دوسرے عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے اس حدیث کے روایت کرنے والے وہ عبدالرحمٰن بن عوف نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی تھے یہ اتفاقی بات ہے کہ جس طرح دونوں کا نام ایک تھا دونوں کے باپ کا نام بھی ایک نکلا۔ قیام اللیل میں اس حدیث کی سند یوں ہے عن الحسن بن عبدالرحمٰن بن عوف عن ابیہ یعنی حسن اپنے باپ عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اولاد کا مفصل تذکرہ پڑھ چکے ہیں اسمیں کسی کا نام حسن نہیں ہے۔

(۴۴) عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلٰث والذی نفس محمد بیدہ ان کنت لحالفًا علیھنّ لاینقص مال من صدقۃ فتصدقوا ولایعفو عبد من مظلمۃ یبتغی بھا وجہ اللّٰہ الارفعہ اللّٰہ بھا ولایفتح عبد باب المسئلۃ الا فتح اللّٰہ علیہ باب الفقر (مسند حنبل)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں ان پر حلف کروں (تو غلط نہ ہوگا) (۱) صدقہ سے کبھی مال کم نہیں ہوتا پس تم صدقہ کرو (۲) کوئی بندہ کسی کی ظلم و زیادتی کو صرف خدا کے خوش کرنے کیلئے معاف نہیں کرتا مگر خدا اسکو بہت بلند کرتا اور بڑھاتا ہے۔ (۳) اور کوئی بندہ دست سوال دراز نہیں کرتا مگر اسپر تنگدستی اور فقر و احتیاج کا دروازہ کھولدیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں اخلاق کی تین بڑی بڑی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) صدقہ (۲) عفو (۳) عفت

صدقہ کی رغبت یہ کہکر ہم کو دلائی گئی کہ اس سے باوجود اتنے بڑے ثواب کے مال میں کمی نہیں ہوتی حالانکہ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ مال کا جب کچھ حصّہ ہمارے پاس سے

چلا جاتا ہے تو بچا ہوا مال کچھ کم ہی ہو جاتا ہے لیکن شریعت کی نظر ہم سے زیادہ گہری اور باریک ہے اور شریعت کہہ رہی ہے کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا تو غور کرنا چاہئیے کہ بات کیا ہے۔

یہاں شریعت یہ نہیں کہتی کہ تھوڑے مال کے بدلے تم کو ثواب دگنا چوگنا شترگنا ملیگا۔ حدیث کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا۔ ہم نے جہانتک غور کیا تو پتہ چلا کہ صدقہ کی شریعت نے دو صورتیں رکھی ہیں اور ان دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی مال خرچ کیا جائے تو وہ مال کم ہونیکا سبب نہیں بنتے بلکہ مال کے بڑھنے اور زیادہ ہونیکا سبب ہوتے ہیں اس بات کے سمجھنے کیلئے دو باتیں بیان کرتا ہوں۔

(۱) ہر انسان میں فطرتاً مال کے جمع کرنیکی خواہش ہوتی ہے۔ اسیطرح سے مال جمع رکھنے کی بھی خواہش ہوتی ہے کیونکہ آدمی ہمیشہ اپنی عمر زیادہ خیال کرتا ہے گو زبان سے ایسی بات کہتا رہتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا دل ایسی خواہش سے پاک ہے مگر اسکے کام اور اسکے ارادے اور منصوبے ہم کو بتلاتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ زبان سے جو کہہ رہا ہے اور ظاہر کر رہا ہے بالکل غلط ہے بلکہ وہ اپنی عمر کے متعلق یہی خیال رکھتا ہے کہ کبھی ختم نہو گی اور اس لئے خیال کرتا ہے کہ موجودہ سرمایہ کافی نہو گا۔ آئے دن نئے اخراجات نکلتے رہتے ہیں جتنی عمر زیادہ ہوتی ہے معمولاً خانگی ذمہ داریاں اولاد کے اخراجات بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ اور جو کچھ اندوختہ ہے اس کے متعلق یہ خیال اور اندیشہ ہر وقت ستاتا رہتا ہے کہ وہ چوری نہ چلا جائے ضائع نہو جائے۔ اس لئے اس کے بڑھانیکی کوشش برابر کرتا رہتا ہے۔

بہت کم لوگ ہیں جن میں جمع رکھنے کی خواہش نہ ہوتی ہو ان ہی کے متعلق ارشاد ہے۔

ومن یوق شح نفسہ فاولئك هم المفلحون | اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا گیا پس وہی کامیاب ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کمانے اور حاصل کرنیکی خواہش خرچ کیوجہ سے پیدا ہوتی ہے

(۲) اس خواہش اور جذبہ میں کسی نہ کسی وقت سستی اور کمزوری ہونا ضروری ہے آج ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ساہوکار صرف سُود کی آمدنی بیٹھے کھاتے ہیں اور بجز عیش پرستی کے اپنی عمر اور وقت کو کسی عمدہ مصرف میں خرچ نہیں کرتے یا تو اس فطرتی خواہش کو مٹا دیا جائے تو اول سخت دشوار ہے دوسرے یہ کہ شریعت اسکو اچھا نہیں سمجھتی بلکہ اسکو برا کہتی ہے۔ شریعت کا ہر جگہ یہی اصول ہے کہ وہ نفس کی تمام خواہشوں کو مٹانے کو نہیں کہتی بلکہ ان کو اعتدال کی حد تک پورا کرنیکی اجازت دیتی ہے۔ بہت سی جگہ تو ان کے پورا کرنے کا حکم دیتی ہے۔

تو اب جس طرح شریعت نے اس سستی اور کاہلی دور کرنے کے لئے ہم کو دعائی ہدایت کی اور ہم کو حکم دیا کہ اپنے مالک کے سامنے گڑگڑا کر کہا کریں

اللھم انی اعوذ بك من العجز والکسل۔ | اے اللہ تعالیٰ میں سستی اور عاجزی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اسیطرح ایسے اعمال کی ہدایت بھی کی جن کی پابندی سے ہم سست اور کاہل نہیں ہوسکتے۔ بلکہ بعض وہ چیزیں کہ جس سے ہم میں یہ سستی پیدا نہیں ہوسکتی اور اسکے بجائے مستعدی پیدا ہوتی ہے ہم پر واجب اور ضروری کردی گئیں۔

اس حدیث میں چونکہ یہ بیان ہے کہ اندوختہ مال سے خرچ کرو تو میں یہاں اسی کو بتلاؤنگا کہ فراغ بالی اور مال جمع ہونے کے بعد سستی اور کاہلی جو پیدا ہوتی ہے

اسکی کیا تدبیر شریعت نے بتلائی ۔

ان دو باتوں کے بیان کرنے کے بعد اب کہنا ہوں کہ آپ اچھی طرح ان تدبیروں کو معلوم کر سکتے ہیں کہ جو شریعت نے اس کام کے لئے ہم کو بتلائی ہیں کہ ہم کبھی مال حاصل کرنے میں سست نہوں اور مال کے زیادہ ہونے کا بُرا اثر بھی ہم پر نہ پڑے ۔ ان میں سے پہلی چیز وہ خرچ ہے جو کہ ہمارے ذمہ سالانہ ضروری قرار دیا گیا ہے جس کا اصطلاحی نام زکوۃ ہے شریعت کو پورا پورا اختیار حاصل ہے کہ ہم اگر نہ بھی چاہیں اس پر بھی وہ خرچ مقررہ حساب سے ہم سے لیلے ۔

دوسری چیز وہ عام صدقات ہیں جن کے دینے کی ہم کو رغبت دیگئی ہے اس دوسری قسم کے صدقہ میں صدقات کی وہ مخصوص قسمیں بھی داخل ہیں کہ جن کو ہم ادا نہ کریں تو گنہگار رہیں گے یا ہمارا کوئی عمل اسوقت تک قبول نہوگا ۔ ان دو قسم کے خرچوں میں پہلی قسم کا خرچ وہ ہے کہ مقررہ حساب سے اتنا ہمیشہ لیلیا جاتا ہے ۔

یہ خرچ برابر جاری رہے اور آمدنی ہو تو ایک وقت آئیگا کہ بجائے اسکے کہ ہم زکوۃ دیتے رہیں زکوۃ لینے کے مستحق ہو جائینگے کیونکہ ہر سال فیصدی ڈھائی روپیہ نکلینگے اور ایک قربانی اور فطرہ بھی سالانہ ہوگا کھانے پینے کے اخراجات اپنی حالت پر رہینگے ۔ تو لامحالہ ہم پر زکوۃ واجب نہ رہیگی اور اس کے تھوڑے دن بعد ہم خود زکوۃ کے مستحق ہوجائینگے

صدقات کی اور قسمیں ہیں ۔ فقراء اور حاجتمندوں کو دینا ۔ مہمانی ۔ پڑوسیوں کی خدمت اور نگہداشت ۔ احباب کی دعوت ۔ ہدایا تحفے ۔ مسافروں کی خدمت ۔ رشتہ دارو سے حسن سلوک ۔ حاجتمندوں کو قرض دینا اور لیتے وقت کچھ معاف کر دینا ۔ ان سب چیزوں کو شریعت نے ہر شخص کی ہمت اور حوصلہ کے سپرد کر دیا ہے ۔

اگر اسکی تحدید کردیتے اور ایک مقرر حصہ بنا دیتے تو پھر سب لوگ برابر ہوجاتے کسی کو ایک دوسرے سے بڑھنے کا موقع نہ ہوتا۔

شریعت نے صرف اسیوجہ سے اسکی تعیین اور تحدید نہیں کی کہ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا موقعہ ملے۔ اور اگر اسکی تعیین ہوجاتی تو یہ دروازہ بند ہوجاتا۔ اب ظاہر ہوگیا کہ شریعت نے خرچ کے اتنے وسیع مدات قائم کرکے ہمارے فطرتی جذبات کو ابھارا ہے اور صرف اسیوجہ سے کہ ہمارے نفس کی خواہش میں ابھار ہو بعض صدقہ کو ہم پر لازمی اور ضروری کر دیا۔ جسکی وجہ سے ہم کمانے پر مجبور ہوگئے۔ اتنی تفصیل پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہو ہوگا کہ صدقہ دراصل مال کے بڑھنے کا سبب ہوتا ہے نہ کم ہونیکا۔

اس حدیث میں دوسری چیز جسکی ہم کو ترغیب دیگئی ہے وہ قصوروں کا معاف کرنا اور درگذر کرنا ہے۔

انسان کیا ہر جاندار فطرتاً شکر گذار واقع ہوا ہے۔ کسی نے ہم پر زیادتی کی ظلم کیا اور ہم میں اس کی سیاست کی قوت ہے ہم اسکو سزا دیسکتے ہیں اور بدلہ لے سکتے ہیں اس قوت کے باوجود اپنی عالی ہمتی سے اسکو معاف کردیتے ہیں اور درگذر کرتے ہیں تو وہ شخص ہمیشہ کیلئے ہمارا غلام ہوگیا۔

اسکے ظلم اور شرارت کیوجہ سے ہمارے اپنے لوگوں میں کوئی بے عزتی نہیں ہوئی تھی ہماری اس عالی ہمتی نے ہم کو ہمارے ملنے والوں اور دوستوں میں اور زیادہ عزیز

لہ یہ صدقہ وزکوٰۃ کا وہ پہلو بتلایا گیا جس کا تعلق صرف دینے والوں سے ہے لینے والوں کے لحاظ سے کیا کیا خوبیاں ہیں اس کے بیان کا موقعہ یہاں نہیں ۱۲ منہ

اور باعزت کر دیا۔ قدرت کے باوجود قصور وجرم کا معاف کرنا نہ صرف دوستوں کی نگاہ میں ہم کو باوقعت بناتا ہے بلکہ دشمنوں کے دلوں میں بھی ہماری عزت گھر کر جاتی ہے جس شخص نے ہم پر ظلم وزیادتی کی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم ذلیل ہو جائیں اور لوگ ہمیں حقیر سمجھنے لگیں مگر ہماری معافی اور درگذر نے ہم کو اور اونچا کر دیا بجائے اسکے کہ ہم ذلیل ہوتے ہماری عزت اور بڑھ گئی۔

تیسری چیز اس حدیث میں یہ ہے کہ ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے سے اس انداز سے منع کیا ہے کہ انسان کو اپنی آیندہ تکلیف کا خوف اور ندامت کا خیال دامنگیر ہو جاتا ہے۔

در اصل شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسان اپنی حاجت خدا کے سوا اور کسی کے سامنے پیش نہ کرے اپنی جیسی محتاج مخلوق کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاوے یہ انسانی غیرت اور عزت کے خلاف ہے۔

سوال سے عزت نفس ملیامیٹ ہو جاتی ہے۔ یہی عزت اور غیرت ہم کو اہل ذلیل کام سے روکتی ہے اور ہم کو محنت ومشقت پر کمربستہ اور مستعد کرتی ہے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ سخت تکلیف اور مصیبت کی حالت میں ہونیکی وجہ سے مانگنا جائز کیوں نہ ہو مگر انسانی غیرت اور انسان کی عزت کے خلاف ضرور ہے۔

جس طرح کہ ہر برائیوں کا قاعدہ ہے سوال سے بھی انسان کے دل میں ایک کاوش اور انقباض ہے۔ برے سے برا پست ہمت سے پست ہمت بھی پہلی مرتبہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ پہلی مرتبہ جب لوگوں کے کہنے سننے یا کسی وجہ سے اس نے سوال کر لیا تو طبیعت کی وہ جھجک اور رکاوٹ چلی گئی جس کی وجہ سے اسکو تکلیف بلکہ مرجانا بھی خوشی سے قبول تھا مگر ہاتھ پھیلانے کی ہمت اور جرأت نہیں ہوتی تھی اور اب کبھی بھی سوال

اور ہاتھ پھیلانے میں شرم نہیں معلوم ہوگی۔ تو در اصل اس پہلے سوال نے ہمیشہ کے لئے سوال کا دروازہ کھولدیا۔

یہ ظاہر ہے کہ اس رکاوٹ اور جھجک کے چلے جانے اور ہٹنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا ناممکن ہے۔

اب اسکو بھی آپ سمجھ لیجے کہ سوال کرنے سے حاجت کا دروازہ کیوں کھلتا ہے اور کبھی بھی بند نہیں ہوتا۔

آدمی کو جب اپنی عزّت کا خیال ہوتا ہے تو اسکے ارادے اونچے ہوتے ہیں اور ہمت بلند ہوتی ہے محنت مزدوری کو خوشی خوشی گوارا کرتا ہے کیونکہ محنت اور کام کرنا کبھی بھی ذلیل نہیں گنا جاتا۔ اپنی عالی ہمّتی کیوجہ سے جن چیزوں کو وہ محنت و مشقت کے باوجود حاصل نہیں کرسکتا اسکو کسی سے نہیں طلب کرتا بلکہ اپنی حاجت اور ضرورت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے۔ ابتک اسکی خواہشات کے تقاضے دو طور پر پورے ہوتے رہے۔ (۱) محنت اور جفاکشی سے جو حاصل کیا اس سے اپنی خواہشوں کو پورا کیا (۲) جن کو حاصل نہ کرسکا ان پر صبر کیا۔ مانگنے اور سوال کرنے سے نفس کی عزّت تو چلی گئی اسی کیوجہ سے ہم محنت مزدوری چاہ کر کرتے تھے جب وہ باقی نہیں تو ہم محنت و مزدوری پر جھک پڑیں اس کا کوئی سبب باقی نہیں رہا تو ہم سے محنت مزدوری نہیں ہوسکتی اپنی ضرورتیں بجز اسکے اور کس طریقہ سے پوری ہوں کہ ہم لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاویں اور سوال کریں۔ ان ضرورتوں اور حاجتوں کا دروازہ پہلے سوال نے کھولا۔

حضرت عارف شیرازی نے اسی مضمون کو قطعہ بند فرما دیا ہے ؎

ہر کہ بر خود درِ سوال کشاد　　　تا بمیرد نیازمند بود
آز بگذار و پادشاہی کن　　　گردنِ بے طمع بلند بود

اس بات کی کہ جس نے ایک بار سوال کر لیا وہ ہمیشہ محتاج رہیگا ایک وجہ اور بھی ہے کہ سوال وہی شخص کریگا جو یقین کرے گا کہ بغیر اس ذلیل کام کے میری حاجتیں اور ضرورتیں پوری نہوں گی ۔ جب تک میں سوال نکروں گا بھوکا رہوں گا، ننگا رہوں گا، تکلیف میں رہوں گا ۔ اور حدیث قدسی ہے کہ

انا عند ظن عبدی بی } میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں

میرا بندہ جیسا گمان مجھ سے رکھیگا ویسا ہی معاملہ میں اس سے برتوں گا ۔ انسان جو قصد و ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرتا ہے ۔ انسان جیسا کہ اپنا خیال قائم کرے خدا تعالیٰ اس کے سامان ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے ۔ تمام باتیں اسی کے مطابق ہو جاتی ہیں ۔ صرف شرط اتنی ہے کہ ارادہ پختہ ہو ۔ اسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آدمی جتنی اپنے ارادے اور منصوبے کی پیروی اور کوشش کرتا ہے اور جسے عملی سعی کہتے ہیں اس کو انجام دیتا ہے خدا تعالیٰ اعلل و اسباب کے پردوں سے اتنی ہی اور اُسی نوعیت سے مدد اور اعانت فرماتا ہے ۔

نظام عالم کا یہ قانون ہے ۔ تو اب جس نے یہ خیال پختہ کر لیا ہے کہ مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کے سوا اسکی ضرورتیں پوری نہ ہوں گی اسکو بجز سوال کے اور کوئی صورت اور تدبیر اپنی ضرورتوں کے پورا کرنیکی نہیں سوجھائی دیگی اور وہ ہمیشہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہیگا ۔

معمولی محنت اور تھوڑی مشقت کا کام اُس کو سخت دشوار اور مشکل معلوم ہوگا

شریف اور باعزت پیشوں کو بھی وہ اپنی شان کے خلاف سمجھے گا اور خیال کریگا کہ اس سے میری ذلت ہوگی۔

جب اسکی ضرورتیں اس کو مجبور کریں گی تو وہ سوال کریگا یہ کیوں ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ اس نے یقین کر لیا ہے کہ مجھکو روزی سوال ہی کے ذریعہ سے ملیگی اب سوال کے علاوہ اور کسی ذریعے سے اسکی ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔

اس کے پاس مالداروں سے زیادہ مال ہوجائے کتنی ہی چیزیں اسکے قبضہ میں ہوں مگر وہ ہمیشہ اپنے کو مفلس اور محتاج سمجھے گا اور بات بھی یہی ہے کہ اس کا دل کبھی غنی نہیں ہوسکتا۔ سچ ہے۔

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست ۔۔۔ نرود جز بوقت مرگ از دست

(۴۵) عنہ قال کانت لی عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدۃ فلما فتحت قریظۃ جئتہ لینجزلی ما وعدنی فسمعتہ یقول من یستغن یغنہ اللہ ومن یقنع یقنعہ اللہ فقلت فی نفسی لاجرم لا اسئلہ (ترغیب منذری ص۱۸۱ج۱)

آپ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ میرا وعدہ تھا جب قریظہ فتح ہوا ہے تو میں اس ارادہ سے حاضر ہوا کہ حضور اپنا وعدہ پورا فرمائینگے جیسے ہی قریب پہونچا تھا، سنا کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں جو مستغنی بنتا ہے تو اللہ اسکو غنی بنا بھی دیتا ہے اور جو قناعت کرتا ہے تو اللہ اسکو قناعت عطا بھی کرتا ہے (آپ فرماتے ہیں) کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ ہرگز سوال نہ کرونگا

استغنا اور قناعت میں اپنی خواہشوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی سخت تکلیف

ہوتی ہے اور جان گھٹتی ہے مگر ہماری اس تکلیف کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے ہم کسی کی نظروں میں ذلیل نہیں ہوتے بلکہ اس سے ہماری خودداری اور نفس کی عزت لوگوں کے دلوں میں قائم ہوتی ہے اس سے زیادہ سستا سودا اور کیا ہو سکتا ہے کہ تکلیف تو تھوڑی ہم کو برداشت کرنی پڑے مخلوق کی نگاہ میں جو وقعت و عزت ہو وہ بہت بڑی عزت سے زیادہ قیمتی چیز کیا ہو سکتی ہے۔ سچ ہے ؎ صبر تلخ است لیکن بر شیرین دارد۔ عزت سے زیادہ اور کوئی میٹھا پھل کیا ہو سکتا ہے۔

من لم یکرّم نفسہ لم یکرّم

جس نے اپنے نفس کی عزت آپ نہ کی لوگ بھی اسکی عزت نہیں کرینگے

(۴۶) عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الھجرۃ خصلتان احدٰھما ان تھجر السیئات والاخری ان تھاجر الی اللہ ورسولہ ولا تنقطع الھجرۃ ما تقبلت التوبۃ ولا تزال التوبۃ مقبولۃ حتی تطلع الشمس من المغرب فاذا طلعت طبع علی کل قلب بما فیہ وکفی الناس العمل

(مجمع الزوائد کتاب الجہاد جلد ۳)

آپ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہجرت دو باتوں کا نام ہے پہلی بات یہ کہ تمام برائیوں کو چھوڑا جائے دوسری بات یہ کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر خدا اور اسکے رسول کی طرف آئے جب تک توبہ قبول ہوتی رہے گی ہجرت کا سلسلہ بند نہ ہوگا اور جب تک آفتاب اپنے غروب ہونیکی جگہ سے طلوع نہ کریگا اسوقت تک توبہ مقبول ہوگی اسکے بعد ہر شخص کے دل پر موجودہ حالت میں مہر کردیجائیگی اور انسان کے لئے اس کا عمل بس ہوگا۔

ہجرت کی دو صورتیں بتلائی گئیں جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بری باتیں چھوڑی جائیں یعنی توبہ کیجائے اور توبہ قیامت تک مقبول ہوگی۔ رہا یہ بھی۔

باز آ باز آ ہر آنچہ کردی باز آ ۔۔۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اس حدیث سے عمل کی قوت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس جگہ زبانی باتیں اور دل کے پختہ ارادے بیکار ہو جاتے ہیں وہاں عمل بیکار نہیں ہوتا ۔ اور یہ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو کسی وقت بھی ضائع اور اکارت نہیں جاتی ہے ۔ انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ

(۴۷) من عاد مریضا خاض فی الرحمۃ حتی یجلس فاذا جلس غمرتہ الرحمۃ
(طبرانی)

جس نے مریض کی عیادت کی وہ بیٹھنے تک خدا کی رحمت داخل ہوتا ہے ۔ اور جب بیٹھ گیا تو اس کو رحمت (چاروں طرف سے) ڈھانک لیتی ہے ۔

صحت کی حالت میں انسان خود جاکر دوسروں سے ملکر اپنا جی بہلا سکتا ہے ۔ جو کام خود نہیں کر سکتا وہ دوسروں سے کہہ سکتا ہے ۔ جب تندرستی نہیں رہی اور بیمار ہو گیا تو اپنے جی بہلانے اور کام کے کہنے کیلئے سوائے اسکے اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ اس کے دوست احباب اس کے پاس آئیں ۔

ہر کمزوری کے وقت اور خصوصاً بیماری میں افکار اور غم آدمی کو جب گھیر لیتے ہیں تو صرف اپنے دوستوں ہی کی ملاقات اسکے دل کو قوت پہنچا سکتی ہے اور اس کو خوش و خرم کر سکتی ہے ۔ اس سے زیادہ اسکی تفریح اور اسکی دل کی قوت کا اور کوئی ذریعہ نہیں ۔ دل کی قوت اور خوشی و مسرت بیماری کو بہت دور کرتی ہیں ان سے زیادہ بیماری کے دور کرنے میں کوئی اور چیز مؤثر نہیں ہے ۔

اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ہم عیادت کی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں مریض اور تیمار داروں کی اور حالتوں کی ہم کو اطلاع ہو جاتی ہے اور ہمارے لئے نیکیوں کا دروازہ کھلجاتا ہے ۔

[٧] (٤٨) عنه التسويف شعار الشيطان يلقيه في قلوب المؤمنين (فردوس ديلمي، كنز العمال ج ٢ ص ٢ كتاب التوبه)

کام میں دیر لگانا شیطان کا شعار ہے مسلمان کے دلوں میں تاثیر کا وسوسہ شیطان ہی ڈالتا ہے۔ اسی مضمون کو فارسی میں کار امروز بفردا مگذار۔ جیسے چھوٹے جملہ سے ادا کیا گیا ہے

تیسرا حصہ متفرق حدیثوں کے بیان میں

[١] (٤٩) عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم العامل اذا استعمل فاخذ الحق واعطى الحق لم يزل كالمجاهد في سبيل الله حتى يرجع الى بيته (مجمع الزوائد باب العمال على الصدقة)

آپ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عامل جب عامل بنایا جاتا ہے تو حق لیتا ہے اور جو حق ہے وہ دیتا ہے وہ ہمیشہ مثل مجاہد کے رہتا ہے جب تک کہ اپنے گھر واپس نہ آجائے۔

[٢] (٥٠) ما كان يولد لاحد مولود الا اتى به النبي صلى الله عليه وسلم فدعا له (مستدرک حاکم)

کسی کے گھر میں بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسکے لئے دعا فرماتے تھے۔

[٣] (٥١) عممني رسول الله صلى الله عليه وسلم فارسلها من بين يدي ومن خلفي وقال يرفع زينة الدنيا سنة خمس وعشرين ومائة۔ (ابو یعلی)

مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ باندھا میرے سامنے اور میرے پیچھے تھوڑا چھوڑا اور فرمایا کہ ۱۲۵ھ میں دنیا کی زینت اٹھ جائیگی۔

جہاں تک میرا خیال ہے یہ اس سال کا واقعہ ہے کہ جب آپ دومۃ الجندل تشریف لے گئے ہیں۔ اسکے ٹھیک ایک سو پچیس ۱۲۵ برس بعد سلطنت بنی امیہ کا خاتمہ ہوگیا جو خالص عربی سلطنت تھی

عباسیوں کا دور دورہ شروع ہوا۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

(۵۲) عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر فی الجنۃ عمر فی الجنۃ عثمان فی الجنۃ علی فی الجنۃ طلحۃ فی الجنۃ والزبیر فی الجنۃ وعبدالرحمن بن عوف فی الجنۃ وسعید بن زید فی الجنۃ وسعد ابن مالک فی الجنۃ ابو عبیدۃ فی الجنۃ (مسند حنبل وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ابوبکر جنت میں ہیں عمر جنت میں ہیں عثمان جنت میں ہیں علی جنت میں ہیں طلحہ جنت میں ہیں زبیر جنت میں ہیں عبدالرحمن بن عوف جنت میں ہیں سعید ابن زید جنت میں ہیں سعد ابن ابی وقاص جنت میں ہیں ابوعبیدۃ جنت میں ہیں۔

یہ دس وہ ہستیاں ہیں جو مسلمانوں میں عشرہ مُبشّرہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی عمل کی جزا کے ان کو صاف اور صریح الفاظ میں جنت کی بشارت دی ہے۔

(۵۳) عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش والانصار وجہینۃ ومزینۃ واسلم وغفار واشجع واسلم اولیائی لیس لھم ولیٌّ دون اللہ ورسولہ (ابویعلی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قریش اور انصار اور اسلم اور جہینۃ، مزینۃ، غفار، اشجع اور اسلم میرے دوست ہیں ان کا بجز اللہ اور اسکے رسول کے اور کوئی دوست نہیں ہے۔

(۵۴) کلم طلحۃ بن عبید اللہ عامر بن فھیرۃ[1] بشئی فقال صلی اللہ

حضرت طلحہ نے عامر بن فہیرۃ سے سخت بات کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا کہ طلحہ درگذر کرو۔

[1] یہ عامر بن فہیرۃ ان لوگوں میں سے ہیں جو کافروں کے غلام تھے اور اسی حالت میں مسلمان ہوگئے تھے اور کفار نے

علیہ وسلم مھلاً یا طلحة فانہ شھد بدراً فما شھدتہ وحیبرکم خبرکم	وہ بدر میں شریک ہوچکا ہے۔ کیا تم نہ تھے! (یعنی تم تو خود شریک تھے اور تم کو اسکی شرکت کا حال اچھی طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا سیدنا حضرت بلال کی طرح آپ کو سخت سخت ایذا دیکر کفار اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو بہت زیادہ قیمت پر خرید کر آزاد کردیا۔ غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب چھپے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے تو آپ ہی دونوں وقت صبح۔ شام بکریوں کو غار تک اس طرح پہنچاتے کہ کسی کو خبر ہوتی تھی یعنی صبح کو اندھیرا ہی رہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو دودھ سے سیراب کرکے بکریاں واپس لیجاتے تھے اور شام کو عشا کے وقت بکریاں لاتے تھے۔ تین روز تک متواتر آپ یہ خدمت بجالاتے رہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لیچلے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے آپ کو بھی اپنے ہمراہ لیلیا تھا اور آپ کو سواری پر صدیق اکبر اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔

مدینہ پہونچکر اپنے آقا صدیق اکبر اور اپنے رفیق حضرت بلال کی طرح خود بھی بخار میں مبتلا ہوگئے اسی حالت میں پڑھتے تھے۔

انی وجدت الموت قبل ذوقہ	ان الجبان حتفہ من فوقہ
موت کا مزہ موت آنے سے پہلے مجھکو مل گیا	بزدل کی موت اُسی کے تیرسے ہوا کرتی ہے
کل امری مجاھد بطوقہ	کالثور یحمی جلدہ بروقہ
ہر شخص اپنی وسعت بھر کوشش کرتا ہے	جیسے کہ بیل اپنے سینگ سے اپنی جلد کو بچاتا ہے

سنہ ۴ھ بیر معونہ میں بہت مظلوم طریقہ پر شہید ہوئے۔ اسوقت شاید چالیس برس کی عمر تھی (اصابہ و بخاری غزوۃ الرجیع و باب الہجرۃ الی المدینہ صفحہ ۵۵۴) عامر ابن طفیل نے آپکے شہید ہونے کے بعد اپنی آنکھوں سے آپکی نعش کو آسمان کی طرف جاتے دیکھا رضی اللہ عنہ وارضاہ آمین

لمواليه (اتحاف المهرة فی اطراف العشرة ابن حجر تلمی وجمع الفوائد عن الطبرانی)

معلوم ہے) تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنے غلاموں سے اچھا برتاؤ کرے۔

بدر کی حاضری مسلمانوں میں انتہائی عزت اور عظمت شمار کیجاتی ہے کیونکہ یہ جانبازی کا سب سے پہلا موقعہ تھا۔ مسلمانوں کے پاس بجز ایمان کے کفار کے مقابلہ کے لئے کچھ نہ تھا۔ اور پھر مقابلہ اپنے رشتہ داروں اور قریب کے لوگوں سے تھا۔ غرضکہ مختلف حیثیت سے یہ امتحان کا موقعہ تھا اس میدان میں جو پورا اترا اس کو سند دیدی گئی قد غفرت لکم فاعملوا ما شئتم۔ تمہاری مغفرت ہوگئی اب جو چاہے کرو۔ امتحان کی کامیابی کے بعد کچھ نہیں پوچھا جاتا کہ قابلیت اور لیاقت کیسی ہے صرف اس سند کے لحاظ سے برابر ترقی جاری رہتی ہے۔

اس سے تعلیم محمدی کے طرز کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس نرم لہجہ میں فرمارہے ہیں کہ سخت گفتگو تم کو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ مسلمانوں کے لئے جو انتہائی بزرگی اور فضیلت ہوسکتی تھی وہ عامر بن فہیرہ نے حاصل کرلی اب کوئی لغزش اور غلطی انکی سخت گرفت کی بجائے اس بات کی مستحق ہے کہ اس سے چشم پوشی کیجائے۔ آپ دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس رغبت دلانے والے الفاظ میں درگذر کی تعلیم فرماتے ہیں خیرکم خیرکم لموالیه کہ تم میں جو شخص نیک اور عمدہ بننا چاہتا ہے اس کو اپنے زیردستوں اور چھوٹوں کے ساتھ اخلاق برتنے چاہیئے اور ان سے اچھا برتاؤ برتنا چاہیئے۔ اور بات بھی یہی ہے کہ اچھا تو وہی ہے جو سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے خصوصًا ان لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ ہم عمدہ برتاؤ کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ اپنے رشتہ دار یا ذی عزت یا برابر والے سے

اگر ہم اچھی طرح پیش نہ آئیں تو ہم کو خود اندیشہ ہے کہ وہ اچھی طرح ہم سے پیش نہ آئیں گے۔ چھوٹے اور ایسے لوگ جو برابر کا درجہ نہیں رکھتے ان کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنا اسکی دلیل ہے کہ درحقیقت ہم اچھے ہیں۔

(۵۵) عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم یا ابن عوف انك من الاغنیاء ولن تدخل الجنة الا زحفا فاقرض الله یطلق لك قدمیك قال ابن عوف وما الذی اقرض الله قال تبدأ بما امسیت[1] فیه قال أمن كله اجمع یا رسول الله قال نعم فخرج ابن عوف وهو یهم بذالك فارسل الیه رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ان جبریل[2] قال مر ابن عوف لیضف الضیف ولیطعم المسكین ولیعط السائل ویبدأ بمن یعول فانه اذا

آپ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مالدار ہو جنت میں نہ جاؤ گے مگر بارگراں سے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو۔ تمھارے پیر کشادہ اور ہلکے ہو جائیں گے (آپ نے دریافت کیا کہ کیا خرچ کروں آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم سے ہوسکے وہ خرچ کرو آپ نے دریافت کیا کہ اپنا سب مال آپ نے فرمایا کہ ہاں حضرت عبدالرحمن آپ کے پاس سے نکلے اور قصد کرتے تھے کہ سب مال خرچ کردوں کہ آپ نے ایک شخص کو آپ کے پاس بھیجا کہ عبدالرحمن سے کہو کہ جبریل نے کہا ہے کہ عبدالرحمن کو حکم دو کہ مہمان کی مہمانی کریں اور مسکین کو کھانا کھلائیں اور سائل کو بھی دیں اور جو ان کے زیر پرورش ہوں اُن پر پہلے خرچ کریں۔ جب یہ کرینگے تو یہ ان کے لئے

[1] الریاض النضرۃ میں ہے قال مما امسیت فیه۔

[2] ابن سعد وغیرہ نے صرف یہاں سے آخیر تک اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۱۸۲ ج ۶)

فعل ذلك كانت تزكية ما فيه (مندرك | تزکیہ کا سبب ہوگا (مستدرک) المسدد
کتاب المناقب)

اس حدیث کے صحیح تسلیم کرنے میں لوگوں کو شبہ ہے تفصیل کے لئے علامہ ابن حجر کی القول المسدد دیکھیے۔ مجھکو تو یہاں چند باتیں اس حدیث سے سمجھنی ہیں ان کو ناظرین کے سامنے بھی پیش کر دیتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمانوں کی مہمانداری اور مسکینوں کا کھلانا اور سائل کی حاجت کے پورا کرنیکا حکم دیا ان سب سے پہلے جو لوگ ہمارے زیر پرورش کسی حیثیت سے بھی ہوں اُن کا خیال کرنا ضروری قرار دیا۔ خواہ زیر پرورش جو لوگ ہیں وہ ہمارے بزرگ ہوں یا ہماری بیوی یا بچے یا اور رشتہ دار یا ہمارے نوکر اور خادم یا ہم سے کسی اور قسم کا تعلق رکھنے والے۔ جب وہ ہمارے زیر پرورش ہیں تو ان کی خبر گیری مقدم ہے۔ کیونکہ عیال کی خبر گیری کرنا ہمارے لئے ضروری ہے ان کی عیالداری سے فارغ نہیں ہوتے ہیں تو یہ چیزیں ہمارے لئے راحت کا سامان نہیں مہیا کرسکتیں۔ اور ہمارے مال کو پاک نہیں کرسکتیں۔ گذشتہ احکام کے پورا کرنے کے بعد ہم کو یہ خوشخبری دیجاتی ہے کہ بقیہ مال پاک ہو جائیگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے کہ جب تم نے زکوٰۃ ادا کر دی تو تم سبکدوش ہو گئے اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ حکومت اور سلطنت کو اس سے زیادہ مطالبہ کا حق نہیں اور یہ حدیث اخلاقی طور پر ہمارے ذمہ جو چیزیں ضروری ہیں ان کی ایک مختصر فہرست بتلاتی ہے ان چیزوں کا ادا کرنا اور پورا کرنا اسلئے ضروری نہیں ہے کہ ہم اگر ان کو پورا نہ کر سکے تو گنہگار ہوں گے بلکہ اپنے ہم جنسوں میں ممتاز ہونا چاہتے ہیں تو ہم کو یہ اخراجات برداشت کرنے چاہئیں۔ جب ہم نے مہمانوں کی مہمانی کر دی مسکینوں اور محتاجوں کو ان کا حق دیدیا تو ہمارا بقیہ مال پاک ہو گیا۔ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں۔

ان فی المال حق سوی الزکوٰۃ | زکوٰۃ واجب کے سوا مال میں اور بھی حق ہوتا ہے۔

یعنی جب تک اسکو ادا نہیں کریگا اس کا مال پاک نہیں ہوگا۔ شریعت نے اپنے بال بچوں اور دست نگروں کی کفالت و خدمت کو اخلاق کی رسم اللہ قرار دیا اور سب سے مقدم کر کے اسکی اہمیت اس عنوان سے جتلائی کہ جو شخص اپنے مال کو پاک کرنا چاہے تو سب سے پہلے اُسے اپنے بال بچے اور دست نگروں کے حقوق سے سبکدوش ہونا چاہیے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مہمانوں کی مہمانی اور مسکینوں کی ایک بھیڑ کی بھیڑ کو کھانا کھلانے تمام عالم میں پھرنے والے گداگروں کے سوالات پورا کرنے کی عادت میں نفس کی شرکت ہوجاتی ہے اور حُبِّ جاہ کا پوشیدہ جذبہ اُن کاموں کو نیک کام سمجھکر نہیں بلکہ اپنی شہرت کا ذریعہ سمجھکر اتنا وسیع کردیتا ہے کہ بہت سے صاحب حقوق محروم رہجاتے ہیں اور جو کہ درحقیقت مہمانی اور کھانا پانے کے مستحق تھے انکی نہ مہمانی ہوتی ہے اور نہ اس مسکین کو کھانا ملتا ہے جو سب سے پہلے اسکا مستحق تھا۔

اسلئے شریعت نے اسکی روک تھام کیلئے بال بچوں اور دست نگروں کے حقوق کو سب سے مقدم کیا کیونکہ جب آپکا وقت اور آپکی دولت اپنے موقعہ ومحل سے صرف ہوتی رہیگی تو آپ کا مہمانی کرنا اور مسکینوں کا کھانا کھلانا اور سائلوں کو دینا آپ کی حیثیت سے زیادہ وسیع پیمانہ پر ہو نیکی وجہ سے آپکی شہرت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ مال ہو یا وقت جب اپنے مصرف میں خرچ ہوجائے گا تو پھر بے محل اور غیر ضروری کاموں میں خرچ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح انسان جب غیر ضروری کاموں میں مشغول ہوگا تو کوئی تعجب نہیں کہ ضروری باتوں سے رہجائے۔

اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

آدمی کے اسلام میں حسن غیر ضروری باتوں کے چھوڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ | من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ۔

جب تمام غیر ضروری باتوں کو چھوڑ دیگا تو لامحالہ اسکو اپنے وقت گذاری کیلئے اسکی تلاش ہوگی کہ ایسا کام کرے جو اسکے دین اور دنیا میں کارآمد ہو۔ کیونکہ اسلام صرف چند عقیدوں کے مجموعہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک عملی مذہب ہے بغیر عمل کے چارہ نہیں ہے۔

شریعت اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ مسلمان غیر ضروری باتوں میں پڑ جائیں گے تو کام کی باتیں ان سے چھوٹ جائینگی اسوجہ سے شریعت نے بدعت سے بہت سختی سے روکا اور اسکو اسلام کی حقانی تعلیم کا مقابل ٹھیرا کر ضلالت و گمراہی کے لقب سے یاد کیا۔

پہلے پہل تو ہماری سہل انگاری غیر ضروری کام اور اس فضول خرچ کو اصلی کام کے بارج و مضر نہیں سمجھتی لیکن جب اسکی عادت ہو جاتی ہے یا چند پشتیں اس پر گذر جاتی ہیں تو ہماری اولاد کے دل میں اسکی اہمیت ہو جاتی ہے اور ایک زمانہ آتا ہے کہ یہ اہمیت مذہبی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اس کا درجہ مذہب کی اصلی باتوں اور حقیقی تعلیم سے بڑھا دیا جاتا ہے۔

یہ کیوں صرف اس وجہ سے کہ ہم اس سے مانوس ہوگئے ہیں اور موانست نے اس کے محاسن کو اس طرح پھیلا کر پیش کیا ہے کہ تمام عیوب اسمیں چھپ گئے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ حُبُّكَ الشَّيْئَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔ محبت آدمی کو اندھا بہرا بنادیتی ہے نہ اس کو خود آنکھ سے سوجھتا ہے اور نہ کسی کی سنتا ہے یہ ہمارا رات دن کا مشاہدہ ہے کہ ہماری تمازیں اور ہماری جماعت اور ہمارے اسلامی اخلاق بہت سی اس قسم کی غیر ضروری باتوں کو اپنے من بھائے طریقہ پر پورا کرنیکی وجہ سے غارت ہو جاتی ہیں اور بجائے اسکے کہ ہم نادم و شرمندہ ہوں اپنی جگہ پر مسرور رہتے ہیں اور مزے لیکر اپنے دوست احباب کو اپنی جماعتوں کو جانا اور نمازوں کا

قضا ہونا ۔ کمزوروں پر ظلم کرنا ۔ اپنے دوستوں اور گھر والوں کو ڈانٹنا بغیر کسی شرعی حجت کے خفا ہونا بیان کرتے ہیں اور ذرا خیال نہیں ہوتا کہ جہنم کا فاصلہ ہم سے کتنا کم ہوتا جا رہا ہے۔

اسلامی تعلیم کے بہت عناصر ان ہی غیر ضروری اور فضول باتوں کے اختیار سے ہمارے ہاتھ سے جاتے رہے اور ہم ہیں کہ ہمنے بدعت کو چند باتوں میں منحصر کرکے اسکے فرو کرنیکی کوشش میں منہمک ہیں اور اسکی خبر نہیں کہ ہماری زندگی کی ہر شاخ اور ہر شعبہ میں بدعت نے گھر کر لیا ہے۔

شریعت نے غیر ضروری باتوں کو علماً یا عملاً ضروری قرار دینا تو درکنار خود شریعت نے اپنے احکام کے جو درجہ قرار دئے ہیں اس میں کمی وزیادتی گناہ ہے اگر کوئی سنت کو واجب سمجھنے لگے تو بجائے ثواب کے گناہ کا سزاوار ہوتا ہے اگر کسی مستحب عبادت کو سنت سمجھنے لگے تو اب وہ حرام ہوجاتی ہے۔

(۵۶) عنہ نزل القرآن علی سبعة[۱] احرف (اخبار متواترہ سیوطی) | قرآن شریف سات حرفوں پر نازل ہوا ہے ۔ (الازہار المتناثرہ)

یہ قرآن مجید سات وجہوں یعنی طریقوں[۲] پر نازل ہوا ہے۔

---

[۱] حافظ ابو عبید وغیرہ نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے ابو یعلی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے ایک روز آپ نے بھرے مجمع میں دریافت کیا کہ یہ حدیث کس کس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تو ہر گوشہ سے آوازیں اتنی بلند ہوئیں کہ ان کا شمار دشوار ہو گیا ۔ نشر میں ابن جزری نے تمام ان روایات کو جو مل سکی ہیں بیان کیا ہے اسی طریقہ سے اسکے معنے بیان کرنے میں علماء نے بہت موشگافیاں کی ہیں ۔ سید احمد بن مبارک نے کتاب الابریز میں بھی لکھا ہے اور علامہ سیوطی نے تمام معانی جو چالیس ہیں اتقان میں جمع کر دئے ہیں ۱۲ ۔ [۲] حرف کے معنے وجہ اور طریقہ کے بھی آتے ہیں چنانچہ غیث النفع میں ہے

تقریباً ہر زبان کے کلمات و الفاظ خصوصاً عربی کلمات مختلف لہجوں سے مختلف طریقوں پر مخصوص قوانین کے تحت ادا کئے جاتے ہیں۔

قبیلہ اور ملک عرب کے ہر حصّہ کے اختلاف کیوجہ سے ان لہجوں میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔ اکثر ایک لہجہ سے دوسرے لہجہ میں حرف کی شان ایسی بدلجاتی ہے کہ سرسری نظر میں حرف بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسیلئے ان لہجوں کے اختلاف و تعدد کو حرف کے تعدد سے بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا مطلب بالا بہت صحیح مطلب کہا گیا ہے میرے خیال میں یہ بات اگر اور اضافہ کردیجائے تو زیادہ بہتر ہو۔ کہ یہاں سات سے مراد سات کی تعین نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایک سے زیادہ طریقوں پر نزول ہوا۔

مذہب نے چونکہ ہمارے لئے سب چیزوں میں سہولت کو پیش نظر رکھا ہے اسلئے متعدد لہجوں میں قرآن شریف پڑھنا جائز ہے کیونکہ ہر شخص دوسرے کے لہجہ میں صحیح اسوقت تک نہیں پڑھ سکتا جب تک اسکی تعلیم نہ پائے اور اچھی طرح مشق نہ کرے۔

۵۰) وعنہ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ کلا بل لا یکرمون الیتیم ولا یحاضون علی طعام المسکین ویاکلون التراث اکلا لما ویحبون المال حبا جما الآیۃ کلہا بالیاء

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلا بل لا یکرمون الخ پوری آیت کو یا سے پڑھتے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حدیث کے یہی معنے بیان کئے ہیں اور اس استدلال میں کہ حرف کے معنے وجہ کے ہیں آیۃ ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف (بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت ایک طریقہ پر کرتے ہیں) کو پیش کیا ہے۔

یعنی حاضر کے صیغوں کے بجائے غائب کے صیغے پڑھتے تھے۔ اب بھی قرأ سبعہ میں سے ابو عمرو ابن العلاء البصری المازنی اسی روایت کے پابند ہیں یعنی مخاطب کے بجائے غائب ہی پڑھتے ہیں۔[1]

(۵۸) [10] عنہ قل هو الله احد ثلث القرآن او يعدل له (اتحاف وسنن دارمی ص ۴۳۱)	آپ روایت فرماتے ہیں کہ قل ہو اللہ ایک تہائی قرآن ہے یا اس کے برابر ہے۔
(۵۹) [11] عنہ قل هو الله احد ثلث القرآن وان تبارك الذى بيده تجادل عن صاحبها (موطا مالک)	آپ روایت کرتے ہیں کہ قل ہو اللہ ثلث قرآن ہے اور تبارک الذی اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کریگی۔

یعنی قیامت میں اس کے نجات کا سبب ہوگی۔

(۶۰) [12] عنہ قال رأيته يسجد فى اذا السماء انشقت عشر مرات (مسند ابو یعلی موصلی)	آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ انشقاق دس مرتبہ سجدہ کرتے دیکھا۔

(خاتمہ) ناتمام واقعات کی چند حدیثیں

(۶۱) واقعہ بدر کا حال آپ سے آپ کے بھانجے مسور بن مخرمہ نے پوچھا آپ نے کہا اگر بدر کا واقعہ دریافت کرنا چاہتے ہو تو آل عمران کو پڑھو۔ ایکسویں آیت کے بعد ہمارا ہی ذکر ہے۔

---

[1] غیث النفع ۱۲

وإذ غدوت من أهلك تبوئ المؤمنين
مقاعد للقتال والله سميع عليم ٥
إذ همت طائفتان منكم أن تفشلا
والله وليهما وعلى الله فليتوكل
المؤمنون ولقد نصركم الله
ببدر وأنتم أذلة فاتقوا الله
لعلكم تشكرون إذ تقول
للمؤمنين ألن يكفيكم أن
يمدكم ربكم بثلاثة
آلاف من الملائكة منزلين۔

جب آپ اپنے گھر سے چلے مسلمانوں کو
لڑائیوں کے موقعہ پر بٹھاتے تھے اور اللہ سننے
والا جاننے والا ہے جبکہ تم میں سے دو فریق نے
نامردی کا قصد کیا اور اللہ دونوں کا سرپرست
تھا اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ کرنا چاہئے
اور اللہ نے تمہاری بدر میں مدد کی حالانکہ تم
کمزور تھے پس اللہ سے تم ڈرو تا کہ شکر گزار ہو
(اس) وقت یاد کرو کہ جب مسلمانوں سے تم کہتے تھے
کہ کیا تم کو یہ بس نہیں ہے کہ خدا تمہاری تین ہزار
اترنیوالے فرشتوں سے مدد کرے۔

(ابو یعلی قلمی مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن وقال ابن حجر اخرجہ ابن ابی حاتم (فتح ج ۷ ص ۲۶ غزوہ ۴))

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعات بیان کرنے میں آپ کتنے محتاط تھے۔ تذکرہ میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حدیث بیان کرنے میں آپ کو بہت احتیاط تھی۔ آپ کے بھانجے بدر کا واقعہ آپ سے پوچھتے ہیں آپ اول سے آخر تک بدر میں موجود تھے مگر واقعات کو دہرانا پسند نہیں کیا۔ شاید غلطی ہو جائے اور یہ کہکر سبکدوش ہو گئے کہ اس واقعہ کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن شریف پڑھلو۔ اور بات بھی یہی ہے کہ جو سبق ہم کو اس عظیم الشان واقعہ سے سیکھنا چاہیئے اس کے لئے اتنا قصہ جو قرآن میں ہے کافی ہے۔

(۶۳) عنہ ان قوماً من العرب اتوا

کہ عرب کی ایک قوم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فاسلموا واصابہم وباء المدینۃ فارکسوا فخرجوا فاستقبلہم نفر من اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہم مالکم رجعتم قالوا اصابنا وباء المدینۃ فاجتوینا المدینۃ فقالوا مالکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فقال بعضہم نافقوا فقال بعضہم ہم مسلمین فانزل فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسہم بما کسبوا اتریدون ان تہدوا من اضل اللہ۔

اسلام لائی۔ ان کو مدینہ کی وبا نے تکلیف دی تو وہ لوٹے اور مدینہ سے نکل گئے ان کو چند صحابہ ملے انھوں نے کہا کہ کیوں تم واپس ہو رہے ہو، انھوں نے کہا کہ مدینہ کی آب و ہوا نے تکلیف پہنچائی انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش پر تم کو چلنا چاہیئے اب ان صحابہ میں دو گروہ ہو گئے بعضوں نے کہا کہ وہ مرتد ہو گئے (اور نفاق کی وجہ سے اپنے کفر کو چھپایا) اور بعضوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہیں۔ تو یہ آیت اتری کہ کیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے اللہ نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو لوٹا دیا کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کر دیا اسکو راہ راست پر لاؤ۔ (المسند احمد)

غزوۂ احد کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

(۶۳) عنہ قال قال لی امیۃ بن خلف و انا بینہ و بین ابنہ علی آخذ بایدیہما عبد الالہ من الرجل منکم المعلم بریشۃ

آپ بیان کرتے ہیں کہ میں اُمیہ اور اس کے بیٹے علی کے درمیان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا کہ اُمیہ نے کہا کہ اللہ کے بندے تم میں وہ کون ہے جو سیمرغ کا پر

نعامة فی صدره قلت ذاك حمزة بن عبد المطلب قال ذاك الذی فعل بنا الافاعیل ۔

(٦٤) عنه قال بینا انا واقف فی الصف یوم بدر فنظرت من عن یمینی و شمالی فاذا انا بغلامین من الانصار حدیثة اسنانهما تمنیت ان اکون بین اضلع منهما فغمزنی احدهما فقال یا عم هل تعرف اباجهل قلت نعم ما حاجتك الیه یا ابن اخی قال اخبرت انه یسب رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لئن رأیته لا یفارق سوادی سواده حتی یموت الاعجل منا فتعجبت لذلك فغمزنی الآخر فقال لی مثلها فلم انشب ان

علامت کے لئے اپنے سینے میں لگائے ہوئے ہے میں نے کہا وہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔ اُمیّہ نے کہا کہ یہی وہ ہیں جنھوں نے ہم پر مصیبت ڈھائی ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۷)

آپ روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن میں صف میں کھڑا تھا ایسی حالت میں انصار کے دو نوعمر لڑکوں کے درمیان میں نے اپنے کو پایا۔ مجھ کو تمنا ہوئی کہ دونوں میں جو قوی ہے وہ میں ہوتا۔ ان دونوں میں سے ایک نے مجھکو چوکا اور کہا کہ چچا! ابوجہل کو آپ پہچانتے ہیں میں نے کہا کہ ہاں! تم کو اے عزیز اس سے کیا کام ہے اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتا ہے۔ اُس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اُسے دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے اس وقت تک ہٹنے نہ پائے جب تک کہ جس کی موت جلد لکھی گئی ہے وہ مر نہ جائے۔ تو مجھ کو (ان کی ہمت و جرات پر) تعجب ہوا اسیطرح دوسرے نے چوکا اور یہی بات کہی مجھ کو دیر نہ لگی کہ میں نے ابوجہل کو دیکھا کہ لوگوں میں کود رہا ہے فوراً

نظرت الی ابی جهل یجول فی الناس فقلت الا هذا صاحبکما الذی سألتمانی فابتدراہ بسیفیهما فضرباہ حتی قتلاہ ثم انصرفا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبراہ فقال ایکما قتلہ قال کل واحد منهما انا قتلته فقال هل مسحتما سیفیکما قالا لا فنظر فی السیفین فقال کلا کما قتلہ وسلبه لمعاذ بن عمرو الجموح وکانا معاذ بن عفراء و معاذ بن عمرو الجموح۔

(بخاری باب من لم یخمس الاسلاب کتاب الجهاد ص ۴۴۲ ج ۱)

میں نے کہا کہ دیکھو یہی وہ ہے جس کو تم پوچھتے تھے۔ پس دونوں اپنی تلواروں سمیت بڑھے اور اس کو قتل کیا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور خبر دی آپ نے دریافت کیا کہ تم میں سے کس نے مارا دونوں سے ہر ایک نے یہ کہا کہ حضرت میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم دونوں نے اپنی تلواریں پونچھلیں انھوں نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے دونوں کی تلواریں ملاحظہ فرمائیں اور فرمایا کہ تم دونوں نے اسکو جہنم پہنچایا ہے اور اس کے ہتیار معاذ بن عمرو بن الجموح کو دئے اور یہ دونوں معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو الجموح تھے[1]۔

(۶۵) عنه انه شهد ذا الحین اعطی عثمان تسعمائة اوقیة من ذهب (مسند ابویعلی موصلی)

غزوۂ تبوک کا یہ واقعہ آپ نے نقل فرمایا آپ فرماتے ہیں کہ وہ حاضر تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نوسو اوقیہ[2] سونا دیا۔

---

[1] یہ روایت کتاب المغازی ص ۵۶۸ غزوۂ بدر میں بھی ہے اس میں تھوڑا ہی فرق ہے ۱۲ منہ۔

[2] ایک اوقیہ دس روپیہ کا ہوتا ہے ۱۲ منہ۔

(۶۶) عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال شھدت حلف المطیبین مع عمومتی فما احب ان لی حمر النعم و انی انکثہ

(مسند حنبل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف مطیبین میں شریک ہوا میں کمسن تھا اب مجھ کو پسند نہیں ہے اس کو توڑ دوں اور اسکے عوض سرخ (قیمتی) اونٹ لوں۔

حلف مطیبین آپ کی ولادت کے بہت پہلے تھا آپ نے جس حلف میں شرکت کی ہے وہ حلف الفضول ہے۔ قریش کے نو گھرانوں میں پہلے باہم حلف ہوا تھا کہ سقایہ اور لواء عبدالدار کے خاندان میں جو چلا گیا ہے اُسے ان سے نکال لینا چاہیے عبدالمطلب کی بیٹی ام حکیم نے ایک پیالہ میں خوشبو بھر کر بھیجی تھی سب نے اس میں ہاتھ ڈبوئے تھے۔ بعد کو وہ خوشبو بیت اللہ پر لگا دیگئی تھی اسوجہ سے اس حلف کا نام حلف المطیبین ہو گیا تھا یعنے خوشبو لگانے والوں کا حلف اس کے ایک عرصہ کے بعد ایک تاجر دوسری جگہ کا آیا اور اس نے اپنا مال عاص بن وائل کے ہاتھ فروخت کیا۔ عاص نے قیمت دینے میں تاخیر کی قابلِ رحم تاجر پہلے فرداً فرداً سرداروں سے ملا مگر کسی نے اُس سے مدد کا وعدہ نہ کیا۔ آخر کو اس نے ابوقبیس پر چڑھ کر اپنی مدد کے لئے لوگوں کو پکارنا شروع کیا عرب میں جہاں اور جہالت تھی اس میں یہ بھی تھا کہ جب کوئی اس طریقہ سے انکو مدد کے لئے بلاتا پھر وہ نہ رکتے تھے۔ چنانچہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے اور اس کا عہد کیا کہ مظلوم کی حمایت کریں گے۔ اتفاقی طور پر اس کے ارکان جو تھے ان کے نام میں ف، ض، ل تھا اس لئے اس حلف کا نام حلف الفضول ٹھیرا۔ اور چونکہ اس کے

رکن بھی وہی لوگ یا ان کے قائم مقام تھے جو حلف مطیبین کے رکن تھے اس لئے اس کو حلف مطیبین بھی کہہ دیتے ہیں ان لوگوں کا حلف جو خوشبو (پہلے حلف میں) لگائے ہوئے ہیں۔

(۶۷) عن ما افتتح رسول الله صلی الله علیہ وسلم مکة انصرف الی الطائف فحاصرھو ثمانية[ل] عشرا وسبعة عشر ثم اوغل غدوة او روحة ثم نزل ثم ھجر قال ایھا الناس انی لکم فرط واوصیکم بعترتی خیرا وموعدکم الحوض والذی نفسی بیده لتقیمن الصلوٰة ولتؤتن الزکوٰة اولا بعثن علیکم رجلا منی اوکنفسی فلیضربن اعناق مقاتلیھو ولیسبین ذراریھو قال فرای الناس انه یعنی ابابکر وعمر فاخذ بید علی فقال ھذا۔

(مستدرک ج ۲ ص ۱۲۰ کتاب الجہاد)

حضرت عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو طائف کی طرف آپ نے رخ کیا اور اس کا محاصرہ سترہ یا اٹھارہ دن کیا ..... خطبہ دیا کہ اے لوگو میں تمہارے لئے پہلے جاؤں گا اور اپنی عترت (خاص لوگوں) کے متعلق نیکی کی وصیت کرتا ہوں اور میرا وعدہ تم سے حوض پر ہے قسم ہے خدا کی کہ تم نماز کو (رونق کے ساتھ) قائم کرو اور زکوٰۃ دو ورنہ اپنا یا اپنے جیسا ایک آدمی بھیجوں گا جو تمہارے بڑوں کی گردن مارے گا اور تمہارے بچوں کو قید کریگا (حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں) کہ لوگوں نے خیال کیا کہ وہ شخص ابوبکرؓ یا عمرؓ ہوں گے لیکن آپ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ لیکر فرمایا کہ وہ یہ ہیں۔

[ل] یہ روایت مسند ابویعلی میں بھی ہے اس میں محاصرہ اٹھارہ یا انیس دن کا ہے ۱۲ س

۳۶ ویں حدیث ۴۲ ویں حدیث کا ٹکڑہ ہے اور ۳۴ ویں حدیث آپ کی نہیں ہے
تو اب ۶۵ حدیثیں آپ کی باقی رہیں ۔

مسح خفین کی روایت جن جن صحابہ سے منقول ہے اس میں آپ کا نام بھی ہے
لیکن تلاش پر بھی مجھ کو پتہ نہ چلا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے میں جو تشدد ہے اسکو
بھی بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے ۔ علامہ ابن جوزی نے اتنا لکھا ہے کہ
آپ کی روایت کا مجھ کو ثبوت نہیں پہنچا ۔ شاید آپ کی روایت بھی ہو ۔

ابو عمرو ابن حفص بن المغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو طلاق دی تھی اس کے
متعلق شاید آپ کی یہ روایت ہے کہ تین طلاق ایک کلمہ سے دی تھیں یہ روایت اتحاف المہرہ
میں میں نے دیکھی تھی لیکن وہ حصہ کرم خوردہ ہو چکا ہے اسلئے قطعی مضمون نہیں نقل ہو سکا ۔

اسیطرح شہادت حضرت حمزہؓ اور اوصورے کفن میسر ہونیکی حدیث بھی اسی اتحاف میں دیکھی تھی
تذکرہ میں اس کو لکھ بھی چکا ہوں ۔ علامہ شامی نے العلم الظاہر فی نفع النسب الطاہر میں دیلمی سے آپکی
یہ حدیث نقل کی ہے اوصیکم بعترتی خیراً وان موعدھم الحیض میرا خیال یہ ہے کہ ۶۷
ویں حدیث کا یہ ایک ٹکڑا ہے مستقل حدیث نہیں ہے ۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ایک روایت آپ سے پنجتن پاک اور شیعوں کی فضیلت میں
نقل کی ہے گو حاکم صاحب مستدرک نے ان کو اس قابل بنا دینا چاہاہے کہ کم سے کم فضائل
میں داخل کر لیجائے ۔ لیکن اور محدثین اس کو قبول نہیں کرتے کیونکہ حضرت عبدالرحمن سے
نیچے راوی جھوٹا ہے اور اس سے نیچے اور بھی جھوٹے ہیں ۔ اس روایت میں اور بھی باتیں ہیں
جو قوی قرینہ ہیں کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے لیکن ہم صرف اسبات کو پیش کرتے ہیں کہ آپ

حدیث بیان کرنے کے شائق نہ تھے آپ کو بہت احتیاط تھی پھر حدیث بیان کرنے سے پہلے یہ جملہ ارشاد فرماتا الا تسأ لونی قبل ان تشوب الاحادیث الاباطیل اسکو بتلاتا ہے کہ یہ روایت تو آپ کی یقیناً نہیں ہے جس نے آپ کے حالات کو پڑھا ہے وہ ہرگز نہیں مان سکتا کہ آپ نے لوگوں کو اپنی روایت سنانے پر اس طرح آمادہ کیا ہو۔ محدثین جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں لیکن ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ کیونکہ ہمسند میں محدثین کے انداز پر مطالب احادیث کی تنقید نہیں کی گئی ہے۔

تذکرہ میں جو حدیثیں نقل ہو چکی ہیں ان کے علاوہ ان حدیثوں کا اور مجھ کو پتہ چلا۔ ان سب کو پیش کرکے عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ سامنے ہے میری حیثیت کے لحاظ سے بہت رفیع و وقیع ہے یہ صرف صاحب تذکرہ کا فیض تھا کہ مجھ جیسے کم مایہ نے اتنا مواد جمع کر دیا۔ اس میں عمدہ ترتیب مجھ سے ہو سکی تو چنداں مضائقہ نہیں ؎

نیست عیبے گر عروسِ خوب بے زیور بود

آپکی شخصیت اس سے بہت بلند ہے کہ ہماری حسن ترتیب اور ہمارے رفیع الفاظ ان تک پہنچ سکیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپکے ذاتی کمالات اور عملی حالات ان سب باتوں سے بے نیاز ہیں ؎

وصف ترا گر کنند ور نہ کنند ہیچ فضل
حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلآرام را

ناچیز

فضل بن احمد غفر لہما الاحد

صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات

سرسری طور پر یہ صحت نامہ لگا دیا گیا ہے سہو نظری کی اور غلطیاں ناظرین خود درست فرمالیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰	۱	چاوبیواری	چار دیواری	۵۰	۱۲	معلوم	اسکا معلوم
۱۴	۸	اووہ	اور وہ	۵۳	۱۲	ابھی	بھی
۱۹	۱۳	نطعون	مظعون	۵۷	۱	پاس	اس
۱۹	۱۴	〃	〃	۵۹	۱۲	ور	اور
۲۲	۳	اسکی	اسکے	۵۹	۸	یا	دیا
۲۳	۶	نکھر گئے	نکھر ہو گئے	۶۰	۶	پٹو جاتا	پڑ جاتا
۲۳	۸	پورانی	پرانی	۶۱	۱۰	لوگوں نے	لوگوں سے
۲۵	۱۵	مکان متصل	مکان کے متصل	۶۵	۱۳	تقات	ثقات
۳۲	۴	کوہان !	کہاں !	۶۷	۱۵	تمھای	تمھاری
۳۴	۹	عقبہ کا	عتبہ کا	۶۸	۷	اجلسوانی	اجلسونی
۳۵	۱۱	رہے	رہتے	۶۹	۳	میں نے غصہ	میں غصہ
۳۷	۵	سیران	اسیران	۸۳	۸	سیہ	سیل
۳۸	۱۱	ایک نکاح	ایک کا نکاح	۸۴	۱۱	رہکر وہ جو	رہکر جو
۴۰	۳	اسکے لئے	اس کو لئے	۸۴	۱۲	بہتر وہ خدا	بہتر خدا
۴۰	۴	اس نے	اس سے	۸۴	۱۸	روانہ فرمانی	روانہ فرمانا
۴۱	۶	ضرورت	کی ضرورت	۸۵	۹	فتغیر نی	فتغیر فی
۴۱	۱۷	بجاری	بخاری	۸۷	۲	فا	ما
۴۲	۷	نطعون	مظعون	۹۰	۲	ایزاد	ایجاد
۴۶	۱	رہتی	دیتی	۹۰	۸	یہ واقعہ یہ	واقعہ یہی
۴۹	۱	کو	گو	۹۷	۲	کے لوگوں	نے لوگوں
۴۹	۱۷	باندھی	باندھے	〃	〃	آپ نے	آپ سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۹	۵	ہوا ہے	ہوئی ہے	۱۹۴	۵	عنطلقون	منطلقون
۹۹	۱۰	خلافت	خلافت کے	″	۹	عبدالرحمن	عبدالرحمن حصین
۱۰۲	۲	ورایت	روایت	۱۹۴	۱۰	لبستھا	لبستھا
۱۰۹	۱	انتشاو	انتشار	۱۹۴	۱۴	فیتتلدون	فیقتلدون
۱۲۵	۳	ہتقیان	ہتنیاں	۱۹۵	۷	فخرونہ	مخزونہ
۱۳۳	۲	آنچہ	آنکہ	۲۰۴	۱۱	متعلق	متعلق ہے
۱۳۵	۴	ایو بکر	ابو بکر	″	۲	سخت آہے	سخت آیت ہے
۱۴۴	۱۸	ولاویۃ	ولاولاویۃ	۲۱۰	۱۳	بے پروائی	جولوگ بے پروائی
۱۵۵	۹	پورانی	پرانی	۲۲۱	۴	درگو	درگہ
۱۵۷	۳	اور کوئی	اور کسی	۲۲۳		جھنتہ	جھیستنۃ
۱۵۸	۱۱	بنعمۃ	بنعمتہ	۲۲۸	۱	خق	حقا
۱۶۶	۵	موظبت	مواظبت	۲۳۰	۴	سہنے	×
۱۷۱	۱۱	حیران	حیران ہوں	۲۳۴		تھل دا	تھل وا
۱۷۲	۵	کس	کسی	″	۱۶	بی	لی
۱۷۳	۱۳	اگر	×	″	۱۹	براہشہ	برایشۃ
۱۷۳	۱۶	ابروسے	ابروہی سے	۲۳۵	۵	بنیا	بیٹا
۱۷۴	۳	بچتے	جھجکتے	۲۳۶	۳	قتل کیا	مارا
۱۷۹	۱	افتیقل	افتیقل	۲۳۶	۳	وہ مرگیا	اسکو قتل کردیا
۱۸۰	۲	جور بجھ	جو بجھ	۲۳۶	۶	دونوں سے	دونوں میں سے
۱۸۲	۸	مرفی	فی	۲۳۸	۱۳	ولیہبین	ولیسبین
۱۹۱	۱۷	ہوجاتا	ہوجاتی	۲۴۰	اور آخر	تم الصلحت	تمت الصلحت
۱۹۲	۳	میں	اس				

تقریظ معہ تاریخ تصنیف

حضرت علامہ قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی مصنف تحفۃ السلاطین وغیرہ

الحمد للہ الاحد وصل وسلم علی رسولہ محمد کہ (مولانا فضل بن احمد) سلمہ اللہ الصمد احوال مسعود ہمدم و مودود رسول اکرم (حضرت عبدالرحمن بن عوف) رحمہ اللہ را گرد آوردہ دو سہم کردہ در سہم اول احوال و در سہم دوم کلام رسول اکرم کہ او در محل کلام سرور عالم در سمع آوردہ رسالہ مسطر کرد کہ کلمہ کلمہ و سطر سطر او کمال محرر علام را گواہ عادل آمدہ واللہ کار اہم و کار آمد کرد کہ در اصلاح اہل اسلام سود لا عدو ارد الہ العالم مراد دل او دہد۔

سالہ

حمد داور مسطر آمدہ طومار علم — مہر راہ مہر وداد و صلح و اسلام سرو

سالہ الہام در آورد ناظم را ملک — گوہر علم و ہدا و روح و اکرام و سرور

۱۳۴۷ھ

آخری التماس

اپنے جدّ امجد مطاعی و مرشدی حضرت مولنا سید محمد علی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی زبانِ مبارک سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی عالی ہمتی کا واقعہ بہت مرتبہ سنا شوق ہوا کہ آپکے اور واقعات بھی معلوم ہوتے۔ پڑھنے کے زمانے میں سبق، مطالعہ نے فرصت دی جب وقت آیا حالات جمع کرنے شروع کئے قطرہ قطرہ دریا گردد۔ چند جزو مرتب ہوگئے۔ ضرورت تھی کہ اپنے بزرگوار بنظر اصلاح دیکھلیں جرأت نہ تھی اسلئے پہلے احباب کے ملاحظہ میں آئے ان کی اجازت نے ہمت بڑہائی بزرگوں نے چھوٹوں کی ہمت افزائی کے الفاظ دُہرائے۔

مجمع البرکات جامع الفضائل نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور دولت آصفیہ (ابقاہا اللہ) حضرت مولنا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خانصاحب شیروانی دامت برکاتہم نے ملاحظہ کا شرف بھی بخشا اور اس قابل بھی قرار دیا کہ اس کی اشاعت کیجائے؛ ؎

ہزاراں جاں فدائے آں نکوکار ؎ کہ آورد ایں چنیں جنسم ببازار

اس التماس سے یہ مقصود ہے کہ یہ تالیف اپنی طبعی دلبستگی کی بناء پر مرتب ہوئی ہے نہ مؤلف بننے کے شوق میں اگر اس میں ایسی باتیں نہ ہوں جو ایک تالیف میں ہونی چاہئیں تو ناچیز کی کم مائگی پر نظر فرماتے ہوئے معذور سمجھیں، ہاں غلطیوں کی اصلاح و اطلاع پر شکر گزار ہوگا والسلام۔

ناچیز

فضل اللہ غفرہ اللہ

عثمان شاہی۔ حیدرآباد دکن

کتب خانہ
کلیہ جامعہ عثمانیہ

مطبع عہد آفریں

طابع، ناشر و کتبی

جو بہترین کتابت اور نفیس طباعت کیلئے ملک بھر میں شہرت
حاصل کر چکا ہے، آپ کی ہر قسم کی علمی خدمتگذاری کیلئے تیار ہے
لیتھو اور ٹائپ کی طباعت کے علاوہ تصویروں کے بلاک،
ربر کی مہریں، اور مانوگرام بھی تیار کئے جا سکتے ہیں۔

فرمایش کا منتظر

منتظم مطبع عہد آفریں حیدرآباد دکن

صدر دفتر:۔ روبروے دفتر مالگذاری اسٹیشن روڈ

شاخ:۔ راشد منزل
ملک پیٹ